مجالس حکیم الامت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دار الاشاعت
[illegible]

مجالسِ حکیم الاُمّت

حکیم الامت حضرت مولینا اشرف علی تھانویؒ کو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی دینی تربیت و اصلاح اخلاق کیلئے چن لیا تھا۔ آپکی مجالس علم و معرفت کیساتھ اصلاح ظاہر و باطن میں نسخۂ اکسیر کا حکم رکھتی تھیں، یہ حضرت کی مجالس کے خاص خاص اور اہم ملفوظات ہیں جن کو حضرت مولینا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے قیام تھانہ بھون میں قلم بند فرمالیا تھا اور اب پہلی بار کتابی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہیں۔



تحریر و ترتیب

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ صدر دارالعلوم کراچی

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱



اِصلاح و اضافہ شدہ ایڈیشن

عرضِ ناشر

خدا کا شکر ہے کہ ملفوظات کے اس مجموعے کے مختصر عرصے میں دو ایڈیشن شائع ہو کر عوام و خواص میں بے حد مقبول ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ **شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب** مدظلہ کو مکہ معظمہ میں ملا تو آپ نے پوری کتاب کا ایک ایک حرف حرم شریف میں پڑھوا کر سنا اور کئی جگہ طباعتی اغلاط کی درستی فرمائی اور کئی جگہ اضافوں کی تجویزیں تحریر فرمائیں۔ چنانچہ آپ کے مشورہ کے مطابق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ازسرِ نو تصحیح بھی کرائی اور کئی جگہ اضافے بھی کرائے۔

اور اب جبکہ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ میں اس کی جدید اشاعت ہو رہی ہے، سخت افسوس ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فانی زندگی سے ابدی زندگی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بندہ محمد رضی عثمانی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ

ملنے کے پتے:۔

ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

فہرست مضامین مجالس حکیم الامت

۱۴ / رمضان ۱۳۷۴ھ

ملفوظات رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

۱۶ / صفر ۱۳۵۵ھ

مجالس رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

ملفوظات ۱۱ رمضان ۱۳۸۹ھ

ملفوظات ۱۳۹۰ھ

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

مجالسِ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ

ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

داستانِ فصلِ گل را از نظیری می شنو!
عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

مجالس حکیم الامت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ سیما علیٰ سیدنا
المصطفیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زمان!
دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید!

اسلام کے قرنِ اوّل سے لے کر آج تک ہر زمانے میں خلق اللہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح اعمال و اخلاق کے لئے علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ کی مجلسیں نسخہ اکسیر ثابت ہوئی ہیں۔ احقر ناکارہ کو حق تعالیٰ نے ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا جہاں شروع ہی سے ان مجالس کے تذکرے سنے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے مرید خاص حضرت مولٰینا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد اور سبھی اکابر دیوبند کی خدمت سے فیض یافتہ اور ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھے۔

اسی ماحول میں آنکھ کھولی حضرت گنگوہی قدس سرہ کے تذکرے سنے۔ اور بچپن کے لاشعوری دَور کی یہ باتیں بھی یاد ہیں کہ جب گھر میں کوئی فکر و پریشانی کی بات ہوئی تو گنگوہ کو دعاء کے لئے خط لکھا جا رہا ہے۔ حضرت کے دعائیہ کلمات جواب میں آئے تو سنائے جا رہے ہیں۔ یہ بھی سنتا تھا کہ میرا نام محمد شفیع بھی حضرت ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام ہے اور جب قرآن مجید پڑھنے کے لئے مجھے مکتب میں بٹھایا گیا تو حضرتؒ کو دعاء

کے لئے خط لکھا گیا۔ اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہ کی مجالس مرجع خلائق تھیں مگر اُن میں حاضری کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ میری عمر آٹھ نو سال کی ہوگی جب ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات ہوگئی۔

بچپن دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں گزرا جہاں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر سے "بڑے مولوی صاحب" کا نام سنا کرتا تھا۔ قصبہ میں بھی اسی نام سے لوگ ایک مکان کا پتہ دیا کرتے تھے جو سب میں معروف و مشہور تھا۔ والد صاحب سے سنا کہ یہ بڑے مولوی صاحب ان کے استاد بھی ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں۔ جب تعلیم کچھ آگے بڑھی، لکھنے پڑھنے میں لگا تو معلوم ہوا کہ یہی بڑے مولوی صاحب اس وقت دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ حدیث پڑھاتے ہیں اور دارالعلوم کے سب مدرسین اور منتظمین اُن کے شاگرد ہیں یا معتقد۔ اس وقت حضرت اور مولانا کے پُر تکلف الفاظ کا کہیں رواج نہ تھا۔ بزرگوں کی عظمت و محبت جاں نثاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی مگر شیخ الحدیث شیخ الکل حضرت شیخ وغیرہ القاب کا زبانی جمع خرچ جو بزرگوں کی عظمت و محبت کم ہونے کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس وقت اس کا کہیں نام نہ تھا۔ بس ساری عقیدتمندی کے صلہ میں ان کو "بڑے مولوی صاحب" کہا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا اسم گرامی حضرت مولانا محمود حسن ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ عرصہ کے بعد شیخ الہند کا لقب معروف ہوگیا۔

ایک روز سنا کہ آج بڑے مولوی صاحب کے ہاں بخاری شریف کا درس شروع ہو رہا ہے۔ تبرکاً سب علماء و طلبا اس میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں۔ ہم بھی ساتھ لگ لئے اور بخاری شریف کا باب بدأ الوحی اور پہلی حدیث کا بیان سنا۔ اسی طرح ختم بخاری پر اجتماع ہوا تو آخری حدیث کا بیان سنا اور اب یہ چسکا لگ گیا کہ ہر سال بخاری شریف کے شروع اور ختم پر درس میں حاضری نصیب ہوتی۔ بچپن کا حافظہ تھا، آج تک بعض بعض کلمات یاد ہیں۔ حالانکہ اس وقت حدیث تو کیا کسی بھی فن کا شعور نہیں تھا۔ فارسی اردو حساب ریاضی کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔

رفتہ رفتہ ان بڑے مولوی صاحب کی مجلس میں جو بعد عصر اپنے مکان پر ہوا کرتی

تھی، کبھی کبھی حضرت والد صاحب کے ساتھ حاضری ہونے لگی۔ اکابر علماء و صلحاء کا عجیب و غریب مجمع ہوتا تھا۔ ان کی باتیں تو کچھ پلے نہیں پڑتی تھیں مگر اس مجلس میں بیٹھنے کا ایک شوق بلا کسی سبب کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور اب والد صاحب کی معیت اور بعد عصر کی قید بھی رخصت ہو گئی جب منہ اٹھا وقت بے وقت حاضر ہو گیا۔ اکابر کی شفقت جو بچوں پر ہوا کرتی ہے مجھے بھی نصیب ہونے لگی۔ اور طالب علمی کے ابتدائی دور میں فارغ اوقات کھیل اور تفریح کے بجائے حضرت کی مجلس میں گذرنے لگے۔ رمضان المبارک میں حضرت کا یہ معمول تھا کہ تمام رات نوافل یا تراویح میں قرآن شریف سنتے تھے دو سال حق تعالیٰ نے اس میں بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ میری عربی تعلیم کا ابتدائی دور جو ۱۳۳۰ھ میں شروع ہوا اس وقت دار العلوم کے ناظم تعلیمات بھی حضرت ہی تھے اس لئے تعلیمی معاملات میں بھی آپ سے ہی مراجعت کی نوبت آنے لگی۔ اور حضرت رح کی شفقت و توجہ اور بڑھ گئی۔ ۱۳۳۲ھ میں میری تعلیم متوسط درجہ تک پہونچی تھی ہدایہ وغیرہ کے اسباق تھے۔ پورے ملک میں ترکی خلافت پر اہل یورپ کی یورش کے قصے ہر وقت زبانوں پر تھے۔ اور روزانہ اخباروں کی طرف توجہ تھی۔ حضرت رح کی مجلس کا رنگ اب کچھ بدلا ہوا نظر آنے لگا۔ بیشتر تذکرے انہی واقعات کے رہنے لگے اور اصلاح حال کی فکروں میں وقت صرف ہونے لگا۔ ملک میں سیاسی تحریکات نے زور پکڑا حضرت رح کی توجہ دار العلوم کی تعلیمی خدمات سے زیادہ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرا کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے جہاد پر لگ گئی۔ اور پھر جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مگر ان تمام حالات میں بھی دار العلوم میں درس بخاری شریف کا سلسلہ برابر ۱۳۳۳ھ تک جاری رہا۔ ۱۳۳۳ھ میں میں نے کوشش کر کے مشکوٰۃ و جلالین وغیرہ کے وہ اسباق پورے کر لئے جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے۔ تمنا یہ تھی کہ اگلے سال حضرت شیخ کی خدمت میں صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر اسی سال رمضان سے یہ خبر سنی جانے لگی کہ حضرت کا ارادہ سفر حج کا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی تیاریاں سامنے آگئیں کوئی کہتا تھا کہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ کسی کا خیال تھا کہ ترکی حکومت کی امداد کے لئے سفر ہے۔ ہم بڑی حسرت

کے ساتھ یہ مناظر دیکھتے رہے۔ بالآخر حضرت رح حج کے لئے روانہ ہوئے اور عالمگیر جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۳۳۴ھ پورا حضرت رح کا حجاز میں صرف ہوا۔ احقر نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس امید پر ملتوی کیا کہ حضرت واپس آجائیں گے تو دورۂ حدیث ان کے سامنے ہوگا اس سال میں فنون کی بقیہ کتابیں لے لیں۔ مگر بحکم قضاء وقدر وہ ۱۳۳۵ھ میں اسیر ہو کر مالٹا جیل بھیج دیئے گئے اور ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ۱۳۳۵ھ احقر کا دورۂ حدیث حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کے سامنے ہوا۔ ۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث ہو کر تقریباً درس نظامی پورا ہوگیا۔ چند فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری ہوئیں۔

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد تعلیم وتدریس، علمی تحقیقات کا شوق، کتب بینی سے دلچسپی، بحث ومباحثے سب کچھ تھے مگر نظریں اس مجلس کو ڈھونڈتی تھیں، جہاں دل کو سکون واطمینان ملتا ہے۔ جس کا ذوق حضرت شیخ الہند رح کی خدمت میں چند روزہ حاضری سے پیدا ہوگیا تھا۔ اس وقت تھانہ بھون میں حکیم الامۃ مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مرجع خلائق ہوگئی تھی۔ حضرت رح کے علمی کمالات تصانیف کے ذریعہ اپنے علمی حوصلے کے مطابق کچھ معلوم تھے۔ ہمارے گھر بہشتی زیور سب لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ خانقاہ تھانہ بھون اور وہاں کی مجالس کا حال والد محترم سے سنا کرتا تھا۔ حضرت رح کے دیوبند تشریف لانے کے وقت مجالس وعظ میں بھی بڑی رغبت واعتقاد سے شریک ہوتا تھا۔ والد صاحب رح نے ایک مرتبہ ہمارے گھر میں بھی آپ کا وعظ کرایا تھا جس کے بعض کلمات ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ والد صاحب رح اگرچہ حضرت رح کے ہمعصر اور ہمسبق تھے مگر آپ کی بزرگی اور تقدس وتقویٰ کے بہت معتقد تھے۔

تھانہ بھون کی سب سے پہلی حاضری

والد ماجد دار العلوم میں مدرس تھے۔ شعبان کے آخر میں آٹھ دس دن کی تعطیل ہوتی تھی۔ ان کا معمول یہ تھا کہ یہ تعطیل حضرت گنگوہی رح کی خدمت میں گذارتے تھے

۱۳۲۳ھ میں ان کی وفات کے بعد بھی معمول یہ رہا کہ گنگوہ میں مزار پر حاضری اور پھر زندہ بزرگوں کی زیارت کے لئے رائپور تھانہ بھون وغیرہ کا سفر کرتے تھے۔ ایک ایک مرتبہ دونوں جگہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ رائپور میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ کی پہلی زیارت حضرت والد صاحب ہی کی معیت میں ہوئی۔ اسیطرح ایک مرتبہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری اسی لاشعوری دور میں والد صاحب کی معیت میں ہوئی۔ اس حاضری میں حضرت کی زیارت اور بچوں پر شفقت کا دھندلا سا نقشہ نظروں میں ہے مگر اس وقت کی نہ کوئی بات یاد ہے نہ سنہ اور تاریخ۔

دوسری حاضری

۱۳۳۲ھ جب احقر کی تعلیم میں یونانی فلسفہ کی کتاب میبذی کا نمبر آیا تو مجھے والد محترم سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی، کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مدارس عربیہ میں یونانی فلسفہ کی تعلیم کے خلاف تھی اور غالباً کسی وقت اس کے درس کو دارالعلوم کے نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا اس وقت مجھے بھی تردد ہوا کہ یہ فن پڑھوں یا نہیں۔

والد محترم حالانکہ حضرت گنگوہی رح سے والہانہ عقیدت رکھنے والے تھے مگر اس وقت ایک دانشمندانہ فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ تو اس وقت دنیا میں نہیں۔ اُن کے بعد میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو آپؒ کا قائم مقام سمجھتا ہوں اس لئے مناسب یہ ہے کہ تمہارے بارے میں ان کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔ اسی مقصد سے مجھے ساتھ لے کر تھانہ بھون کا سفر کیا۔

میں اس طالب علمی کے دور میں حضرت حکیم الامتہ رح سے مکمل اعتقاد کے باوجود وہاں کی حاضری سے اس لئے ڈرتا تھا کہ دور دور سے یہ سنا کرتا تھا کہ حضرت کے یہاں بڑے قواعد وضوابط ہیں۔ خلاف ورزی پر ناراضی کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ والد صاحب کے حکم کی بناء پر ساتھ جانے کی ہمت کر لی۔ گاڑی دوپہر کو اسٹیشن پہنچی۔ اُس وقت اسٹیشن قصبہ تھانہ بھون میں نہیں تھا۔ قصبہ سے تین میل دور کے اسٹیشن پر اتر کر تھانہ بھون جانا ہوتا تھا۔ پختہ سڑکوں اور موٹروں گاڑیوں کا زمانہ نہ تھا۔ پا پیادہ تین میل طے کر کے تھانہ بھون

پہنچے۔ ظہر کی اذان میں کچھ دیر تھی مہمان خانہ میں جا کر لیٹ گئے۔

ظہر کی اذان پر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ وضو کیلئے حوض پر تشریف لائے تو والد صاحب نے وہاں ملاقات کی چونکہ والد صاحب حضرت کے ہمسبق تھے۔ بے تکلف ملاقات دیکھنے کے قابل تھی۔ والد صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ اس وقت میرے آنے کا سبب یہ لڑکا ہے۔ میں آگے بڑھا حضرت نے نہایت شفقت سے مجھے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ والد صاحب نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ یہاں آتا ہوا اسلیئے ڈرتا تھا کہ یہاں بہت قواعد ضوابط ہیں ان کی پابندی کیسے ہوگی۔

حضرت نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خواہ مخواہ لوگوں نے بدنام کیا ہے۔ میں از خود کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں بناتا۔ لوگوں کی غلط روش نے مجھے مجبور کر دیا کہ آنے والوں کو کسی وقت اور قاعدہ کا پابند کراؤں ورنہ یہ تو مجھے کسی وقت ایک دفعہ اللہ کا نام بھی نہ لینے دیں دوسرے کام اور آرام کا تو ذکر کیا۔

پھر فرمایا کہ تم تو میری اولاد کی جگہ ہو تمہیں کیا فکر ہے جب چاہو آیا کرو اور میرے یہاں جو قواعد و ضوابط ہیں ان سے مستثنیات اتنے ہیں کہ مستثنیٰ منہ سے بڑھ جاتے ہیں تم بے فکر رہو۔

حضرت کی اس شفقت اور لطف و کرم نے پہلی مرتبہ میرے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ وہاں سے لوٹنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اس وقت تو نماز کا وقت تھا اور نماز ظہر کے بعد عام مجلس کا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شرکت نصیب فرمائی۔ شام کو حضرت والا نے خصوصی ملاقات کا موقع عنایت فرمایا تو والد صاحب نے میرے آنے کی غرض کا ذکر کیا۔

حضرت رحؒ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس معاملے میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی رائے میں اختلاف تھا۔ حضرت نانوتوی یونانی فلسفہ پڑھنے پڑھانے کے اس لئے حامی تھے کہ اسلامی عقائد سے دفاع انہی اصول و قواعد کی رُو سے کیا جا سکے جو یہ فلسفہ پیش کرتا ہے۔ اور حضرت گنگوہی رح کی نظر اس پر تھی کہ اس فلسفے کے بہت سے نظریات اسلامی عقائد کے خلاف ہیں اُن کو دینی مدارس میں درس کے طور پر

پڑھانا دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سبب ہو سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ دونوں بزرگ ہمارے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ ان میں سے جس کی رائے پر بھی کوئی عمل کرے خیر ہی خیر ہے۔ لیکن تمہارے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ضرور اس فن کو پڑھو اور محنت سے پڑھو تاکہ اس کا بطلان تم پر خود واضح ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تمہیں وہ ضرر نہ ہوگا جس کا خطرہ حضرت گنگوہی رحہ کے پیش نظر تھا۔

پھر فرمایا کہ ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام مدارس اسلامیہ میں اس فن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے اگر تم نے یہ فن نہ پڑھا فلسفہ جاننے والے علماء کے سامنے ایک مرعوبیت کا اثر تم پر رہے گا۔ اور سمجھ کر پڑھ لیا تو یہ مرعوبیت بھی نہ رہے گی، اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے غلط نظریات کا بطلان تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔

عمر کی یہ پہلی تعلیم تھی جو حضرت رحہ سے حاصل کی اور واپس آکر میبذی کا سبق شروع کیا پھر صدرا، شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی تمام درسی کتابیں پڑھیں۔

پھر قدرت نے یہ موقع بھی نصیب فرمایا کہ ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نے کچھ طلباء کو فلسفہ جدید پڑھانے کا وعدہ کر لیا تو احقر اس کے درس میں بھی شریک ہوا اور یہ واقعہ ہے کہ مجھے فلسفے کے کسی مسئلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آیا اور حضرت کی پیش گوئی کے مطابق اس کے غلط نظریات کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہوتا چلا گیا۔

۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث ہوا کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری کیں۔ اسی سال حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ مہتمم دار العلوم نے چند اسباق پڑھانے کیلئے بھی مجھے سپرد فرما دیئے۔

حضرت والد ماجد رحہ کی رائے اول سے یہ تھی کہ علوم عربیہ کے نصاب سے فراغت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت وصحبت میں رہ کر تزکیۂ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر علوم ظاہرہ بے روح رہتے ہیں یہ ضروری ہے۔ اُس وقت حضرت شیخ الہند رحہ تو مالٹا جیل میں اسیر تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری بھی ہندوستان میں تشریف

نہ رکھتے تھے۔ دو بزرگوں پر نظر پڑتی تھی ایک حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حضرت تھانوی قدس سرہ۔

والد صاحب کی رائے میں ترجیح اس کو ہوئی کہ حضرت تھانوی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سابقہ حاضری اور تعلیم سے ایک مناسبت قائم ہو چکی ہے۔

تیسری حاضری تھانہ بھون

غالباً ۱۳۳۷ھ تھا جس میں حضرت والد صاحب نے مجھے ساتھ لے کر پھر تھانہ بھون کا سفر اس لیے کیا کہ اب مجھے حضرت کے حوالے کریں۔ سلوک و طریقت کی تعلیم دلائیں۔ اس تیسری حاضری میں حضرت کی پہلی شفقت و عنایت کی بناء پر کچھ حوصلہ بات کرنے کا بھی ہو گیا۔ جب والد صاحب نے میری حاضری کی غرض بتلائی تو حضرت والا نے مجھ سے کچھ حالات دریافت فرمائے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ صاف اور سچی بات کو بہت پسند کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے کچھ عرصہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق بخشی ہے۔ دل کی خواہش یہ تھی کہ ان سے بیعت ہوں مگر حضرت اس وقت اسیر ہیں اور معلوم نہیں کب رہائی ہو۔ اب میں حضرت ہی سے مشورہ کا طالب ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اشکال کیا ہے۔ تصوف و سلوک اعمالِ باطنہ کی اصلاح کا نام ہے جو ایسا ہی فرض ہے جیسے اعمال ظاہرہ کی اصلاح۔ اس کو مؤخر کرنا تو میرے نزدیک درست نہیں۔ لیکن اس کے لئے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں۔ بیعت کے لیے حضرت مولانا کا انتظار کرو اور حضرت کے واپس تشریف لانے تک میں خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ میرے مشورہ کے مطابق اصلاح کا کام شروع کر دو۔ میرے نزدیک یہ بڑا مرحلہ تھا جو آسانی سے طے ہو گیا۔

اب دوسری بات اسی سادگی سے میں نے یہ عرض کر دی کہ حضرت میری تمنا تو بہت ہے کہ تصوف و سلوک کے مراحل طے کروں مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں

اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے۔ میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے۔ اور وقت تمام درس و تدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گذرتا ہے۔ کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصّہ نصیب ہو سکتا ہے؟ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا "یہ تم نے کیا کہا کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لیے ہے ضعفاء کے لیئے نہیں؛ فارغ البال لوگوں کیلئے ہے کم فرصت لوگوں کیلئے نہیں؛ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کیلئے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک کیلئے عمل کا طریقہ مختلف ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:۔

طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق۔ یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ان گنت ہیں جتنے انسان۔

یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دی جائے، ہم آپ کو ایسا طریق بتائیں گے جس میں نہ قوت کی ضرورت نہ فرصت کی۔"

پھر فرمایا کہ فرائض و واجبات اور سُنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں۔ آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کر لیں انشاء اللہ سارا سلوک اِسی سے طے ہو جائے گا۔

۱۔ تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ظاہری میں ہے۔

۲۔ دوسرے ہر لایعنی (بیفائدہ) کام، کلام، مجلس، ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے میری مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے اعمال، اقوال مجالس میں بہت سا وقت ایسا گذرتا ہے کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ وزائد زیادہ۔ بس ان سے پرہیز کرنا ہے۔

۳۔ تیسرے بقدرِ ہمت و فرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اب بتلاؤ اس نسخہ میں کونسی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر غور کروگے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں۔ اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کروگے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ نسخہ تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، سو سو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کرلو۔

مجلس ختم ہوئی اور والد صاحب کے ساتھ ایک روز مزید قیام کرکے حضرت سے رخصت لی۔ حضرت کی یہ مجلس اور تعلیم تو قلب میں اتر گئی مگر واپس آکر دارالعلوم کے تعلیمی مشاغل میں لگ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ زمانہ وہ تھا جس میں ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم نے پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اہلِ یورپ کی متحدہ سازشوں اور کوششوں سے آلِ عثمان کی ترکی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند اسی سلسلہ کے الزامات کی بناء پر مالٹہ جیل میں نظربندی کی زندگی گذار رہے تھے اور چونکہ خلافت کو پارہ پارہ کرنے میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ تھا اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں میں انگریزی حکومت کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے۔ ملک میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور چند ہی روز میں پورے ملک میں پھیل گئی۔ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانے کی کوششیں تیز ہو گئیں۔ حضرت شیخ الہند کو جیل سے رہا کرانے کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ ہندوستان کے تمام مسلمان اور خصوصاً علماء، صلحاء، مدارس دینیہ سبھی اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ان دنوں میں مدارس عربیہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھنا بھی آسان نہ رہا۔ پورے ملک میں ہنگامے تھے۔

بالآخر ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ

مالٹہ سے رہا ہو کر پانچ سال کے بعد دیوبند تشریف لائے تو تحریکِ خلافت اور آزادی ہند کی قوت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے اطرافِ ملک سے انسانوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے ضعف و علالت کے باوجود انھیں ہنگاموں میں مشغول و مصروف رہے۔ اس جگہ اُن کے حالات کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ذکر اتنا کرنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو مالٹہ سے واپس تشریف لائے اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو دہلی میں وفات ہو گئی کل ایک سال چھ ماہ ملے وہ بھی انتہائی مشغول و مصروف اسی حال میں ایک روز موقع پا کر احقر اور اخی فی اللہ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور چند حضرات نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی۔ چند تسبیحات کی تلقین حضرتؒ نے فرمائی۔ اس سے زائد اس طریق میں استفادہ کا موقع ہی نہ تھا۔ ہمارے لئے یہ بھی کچھ کم نعمت نہ تھی کہ بیعت کی دیرینہ تمنا پوری ہو گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد ملک کے ہنگامے اور روز روز کے نئے انقلابوں اور فتنوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ دوسری طرف عیال بڑھا، ان کے مشاغل و ذواہل نے غفلت کے کچھ ایسے پردے ڈال دیئے کہ یہ سبق ہی گویا ذہن سے نکل گیا۔ اس عرصہ میں تعلیم کے ساتھ کچھ تصنیفی مشاغل بھی رہے مگر بزرگوں کی خدمت سے اکتساب فیض کا وہ پچھلا داعیہ بہت ہی مضمحل ہو کر رہ گیا۔ ۱۳۳۹ھ سے ۱۳۴۵ھ تک یہی صورت حال رہی۔ ۱۳۴۵ھ میں کچھ تنبیہ ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی بھی وفات ہو چکی تھی۔ اب تھانہ بھون کے سوا اس مقصد کیلئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ مگر اس میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی اور ان سے بیعت کے بعد تمام تر قلبی تعلق اور اقتداء و اتباع کا محور حضرتؒ کی ذات گرامی بن گئی تھی انھیں کے ایماء پر یہ ناکارہ بھی اپنی بساط کے مطابق آزادی ہند کی تحریکات میں مشغول رہا۔

حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ اگرچہ حضرت شیخ الہند رحہ کے شاگرد اور نہایت معتقد اور ان کے مقصد جہاد سے بالکل متفق تھے۔ مگر اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقف اور بے پروا لیڈروں کی شمولیت سے کچھ ایسا رنگ اختیار کر لیا تھا کہ جلسوں جلوسوں میں خلافِ شرع امور بے پروائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل میں اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اس لیے ان تحریکات میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی۔

حضرت شیخ الہند رحہ جو اس وقت تحریک کے امام تھے اُن کو بھی اس کے احساس ہی نے ایک جماعت بنام جمعیۃ علماءِ ہند قائم کرنے پر مجبور کیا تھا کہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت ہی کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبۂ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

لیکن حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی۔ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے اس لئے ان تحریکات سے یکسو رہے۔ دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ ہی کی بناء پر تھا اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا حضرت حکیم الامۃ تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہند رحہ کا انتہائی ادب و احترام رکھتے ہی تھے۔ خود حضرت استاد کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسہ خلافت کی صدارت کے لئے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کیلئے سفر کر رہے تھے۔ مگر اہلِ تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا کہ اور جہاں کہیں آپ جلسہ کروائیں میں شریک ہوں گا مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ مولانا تھانوی کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ پر ہے۔ اگر

میں وہاں جلسہ میں گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے کی بنا پر شرکت نہ کر سکیں گے۔ اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

بہر حال دونوں بزرگوں کی رائیں خالص دینی وجوہ کی بنا پر مختلف تھیں۔ ہم اس وقت تو کیا آج بھی اس حیثیت میں نہیں کہ ان کی رائے میں محاکمہ کریں۔ یہی ہو سکتا تھا کہ جس کی طرف قلب کا میلان زیادہ ہو اس کی اتباع کریں۔ اسی کے نتیجہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکات میں حصہ لیا۔ اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بھی اگرچہ الحمد للہ عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا مگر ان کی رائے کی اتباع نہ کرنے کے سبب ایک قسم کا حجاب درمیان میں آگیا اور تقریباً آٹھ سال تک تھانہ بھون کی حاضری سے محرومی اور سلسلہ خط وکتابت بند رہنے کی ایک شرمندگی دامنگیر تھی، جو اب تھانہ بھون جانے کی راہ میں حائل بنی ہوئی تھی۔

حضرت والد ماجد رحنے یہ مشورہ دیا کہ یہ شرمندگی اس راہ میں حائل نہ ہونی چاہیئے۔ تم ضرور تھانہ بھون جاؤ اور اپنے سب حالات صاف صاف عرض کرو۔ تم پہلے دیکھ چکے ہو کہ حضرت صاف بات کہنے والوں سے بڑی عنایت و شفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

تھانہ بھون کی چوتھی حاضری ۱۳۴۵ھ میں

حضرت والد صاحب کے اس حکم نے عزم قوی کر دیا۔ ۱۳۴۵ھ میں آٹھ سال کے بعد پھر تھانہ بھون حاضر ہوا۔ اس وقت یہ معلوم نہیں کہ اس سفر میں بھی حضرت والد صاحب ساتھ تھے یا تنہا گیا تھا مگر اتنا یاد ہے کہ جب حاضر ہوا اور اتنے عرصہ تک عدم حاضری اور بے تعلقی کا عذر پیش کیا تو حضرتؒ نے اسی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا جس کا مشاہدہ پہلے ہو چکا تھا۔ اتنے زمانے کی غیر حاضری اور بے تعلقی کا کوئی اثر معاملہ میں نہیں رہا۔

اس کے بعد سے تھانہ بھون کی حاضری مسلسل شروع ہوگئی۔ سترہ سال بعد

۱۳۶۲ھ میں حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کی وفات پر منتہی ہوئی۔ اور ۱۳۴۶ھ سے پورے رمضان المبارک کی تعطیل تھانہ بھون میں رہنے کا سلسلہ بھی تقریباً ۱۳۶۱ھ تک رہا۔ اور ۱۳۶۲ھ میں جب حضرت رح ہی کے مشورہ اور اجازت سے دارالعلوم دیوبند کی ملازمت سے ضابطہ کا استعفاء دے کر آزاد ہوا تو حضرت رح نے احکام القرآن کی تصنیف کے لئے مجھے مستقل طور پر تھانہ بھون بلا لیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ آخری حاضری سے چند ماہ بعد ہی ۱۶؍ رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت رح کی وفات نے ایسا خستہ اور شکستہ خاطر کر دیا کہ اب کسی کام کی ہمت ہی اپنے میں نظر نہ آتی تھی۔

اس آخر دور میں حق تعالیٰ نے حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کو دینی تربیت اور اصلاح خلق کے لئے چن لیا تھا آپ کی مجالس علم و معرفت کے ساتھ اصلاح ظاہر و باطن میں جو تاثیر رکھتی ہیں اس کو تو وہی جان سکتے ہیں جن کو اس دربار کی کبھی حاضری نصیب ہوئی ہے اس کو کسی بیان و تعبیر سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔

حاضرین مجلس میں بہت سے حضرات ملفوظات لکھنے کا اہتمام فرماتے تھے جو حضرت کے ملاحظہ کے بعد شائع بھی ہوتے رہتے تھے۔ اس ناکارہ کو اس کی ہمت بہت کم ہوتی تھی کہ مجلس میں بیٹھ کر لکھنے کی طرف توجہ دے اس لئے اس کا اہتمام تو نہیں تھا مگر خاص خاص اہم باتیں اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتا تھا۔ اس طرح لکھا ہوا بھی ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔

حضرت رح کی ہدایت یہ تھی کہ آپ کے ملفوظات جمع کرنے والے جب تک لکھ کر آپ کے ملاحظہ میں لا کر اجازت حاصل نہ کر لیں ان کی اشاعت ممنوع تھی۔ اور وصیت نامہ میں ایک وصیت یہ بھی تحریر فرما دی تھی کہ میرے بعد اگر میرا کوئی وعظ یا ملفوظات کسی کے پاس غیر مطبوعہ ہوں جو میری نظر سے نہیں گذرے تو ان کی اشاعت کے لئے اپنے مخصوص خلفاء کے نام درج فرما کر یہ ہدایت کی تھی کہ ان کا نظر کر کے اجازت دے دینا کافی ہوگا۔

اس وقت کے مشاغل نے اپنے لکھے ہوئے ملفوظات کو صاف کر کے پیش

کرنے کی فرصت نہ دی۔ اور اس کے بعد ان کی اشاعت کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔ حال میں خود اپنی خواہش اور بعض احباب کے تقاضا سے جب احقر نے یہ ارادہ کیا کہ دارالعلوم کے ماہنامہ "البلاغ" میں "مجالس حکیم الامت" کا ایک خاص عنوان پابندی سے رکھا جائے جس میں حضرت رح کی مخصوص تعلیمات، ملفوظات ہوا کریں تو اسی وقت بعض احباب نے اپنے منضبط کئے ہوئے اور منتخب ملفوظات کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اب ؎

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

کا معاملہ تھا۔ جن خلفاء کے اسماء گرامی وصیت نامہ میں تجویز فرمائے تھے وہ بھی اکثر رخصت ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی غنیمت جانا کہ ابھی کچھ حضرات باقی ہیں ان کے ملاحظہ سے گذار دیا جائے تو حضرت کی شرط کے مطابق قابلِ اشاعت ہو جائیں گے۔ اور یہ لکھا ہوا ذخیرہ کارآمد ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو کوئی فائدہ پہنچے تو میرے لئے بھی زادِ آخرت ہو جائے گا۔

حضرت رح کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے احقر نے مجالس حکیم الامۃ کا مسودہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دام برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار سندھ" کی خدمت میں پیش کرنے کی درخواست کی تو اولاً مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"حضرت نے اپنے مواعظ و ملفوظات کی اشاعت کے لئے اپنے بعد جن حضرات کے دیکھنے کی شرط بیان فرمائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ضبط کرنے والا ان حضرات سے علم و معرفت میں کم ہو جن کا نام شرط میں ہے۔ اگر ضابط ان حضرات سے علم و معرفت میں زیادہ ہو تو ظاہر ہے وہ اس شرط سے مستثنیٰ ہوگا۔ میں آپ کے ضبط کردہ مجالس حکیم الامت پر کسی کی نظر کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ (والسلام)

دُعاء کا محتاج ــ ظفر احمد عثمانی۔ ۱۵ر محرم ۱۳۹۳ھ"

لیکن مولانا کے اِس ارشاد کے باوجود احقر نے یہ ارادہ کیا کہ جب صراحۃً حضرت کے حکم کی تعمیل بذریعہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب ہو سکتی ہے تو اس تاویل پر کیوں عمل کیا جائے اس لئے پورا مسودہ حضرت مولانا عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا جس کے جواب میں حضرت موصوف نے تحریر فرمایا :۔

مکرمی المحترم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ نے مجالس حکیم الامت کا مسودہ بھیج دیا ہے۔ تو میں نے کسی قدر بالاستیعاب اور باقی سرسری نظر سے دیکھ لیا ہے ماشاء اللہ خوب ضبط فرمایا ہے۔ بعض مقامات پر روابط کا کوئی میں سے رہ گیا ہے اس کو درست کر دیا جائے۔ بعض جگہ عبارت مُعلّق ہے اس کو واضح کر دیا جائے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے ورنہ آپ کے ضبط کردہ ملفوظات کیلئے کسی کے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

میرے لئے خاص طور سے دعائے عافیت ظاہری و باطنی و حُسنِ خاتمہ فرماتے رہیں۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۲۲ محرم ۱۳۹۳ھ

مجالس حکیم الامت

رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ کا عشرہ اخیرہ

رمضان المبارک میں حاضری کا اس سال بمعیت مولٰنا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم پہلے پہل اتفاق ہوا۔ یوں تو اطراف ملک سے آنے والے طالبین کا بارہ مہینے ہی تانتا بندھا رہتا تھا مگر حضرت رحؒ کے متوسلین بکثرت علماء اور طلباء مدارس اسلامیہ تھے ان کی تعطیل اور فرصت کا زمانہ رمضان المبارک ہوتا تھا اور ویسے بھی عبادت کے لئے ماہ مبارک مخصوص ہے۔ اس لئے اس مہینے میں بہت سے حضرات پورے مہینہ کے لئے آتے تھے۔

اگرچہ حضرت رحؒ کو طبعی طور پر رمضان المبارک میں اس طرح کے اجتماعی کام پسند نہ تھے۔ خلوت مرغوب طبع تھی مگر فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم دوستوں کو دوسرے ایام میں فرصت نہیں ہوتی اس لیے اس صورت کو گوارا کر لیا ہے۔ اور رمضان میں حاضر ہونے والوں کا ہجوم ہر سال بڑھتا ہی جاتا۔ وفات سے چند سال پہلے تو نوبت اس کی آگئی تھی کہ خانقاہ کے تمام مکانات اور حجرات کافی نہ ہوتے تھے۔ صحن میں شامیانہ لگانا پڑتا تھا اور ایک سال تو خانقاہ سے باہر بھی شامیانے لگا کر گزارہ کرنا پڑا۔

احقر کی حاضری اس مبارک مہینے میں پہلے پہل رمضان ۱۳۴۶ھ کی بیس تاریخ کو بمعیت مولانا محمد طیب صاحب ہوئی۔ مولانا محمد طیب صاحب عالم ہونے کے ساتھ ماشاءاللہ قاری بھی بہت اچھے ہیں۔ دیوبند میں ۱۹ تاریخ کو اپنا قرآن ختم کر کے یہاں پہنچے تھے

دیوبند میں بھی ان کی تلاوت سننے کے مشتاق دور دور سے مدرسہ کی مسجد میں تراویح کے لئے آجاتے تھے۔

ہم تھانہ بھون پہنچے تو یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت رح کو اپنی ضعف کی بنا پر خانقاہ میں امامت تراویح اور اس میں ختم قرآن سے عذر ہوگیا تھا۔ اس لیے فرض عشاء جماعت کے ساتھ خانقاہ میں ادا کرنے کے بعد مکان پر تشریف لے جاتے اور وہاں تراویح میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔ گھر کی عورتیں اور دوسرے متعلقین کی عورتیں بھی پردہ کے پیچھے حضرت کی اقتدار میں تراویح ادا کرتی تھیں۔ خانقاہ میں ایک اور قاری صاحب پورے مہینے میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب کے پہنچنے پر اہلِ خانقاہ کی خواہش ہوئی کہ رمضان کے دس روز باقی ہیں ان میں ایک قرآن مجید قاری محمد طیب صاحب کے پیچھے پورا کرلیں۔ حضرت رح کے سامنے اجازت کی درخواست اس طرح پیش ہوئی کہ خانقاہ کی تراویح ختم ہونے کے بعد قاری محمد طیب صاحب تین پارے روزانہ پڑھ لیا کریں حضرت رح کے مزاج میں حقوق اور حدود کی رعایت بدرجہ کمال تھی۔ اپنی ذوقِ عبادت کے جوش میں دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالنا نہایت ناپسند تھا۔ اور سب کو اس کی بڑی تاکید بھی فرماتے تھے۔ اگر خانقاہ میں یہ سلسلہ بعد تراویح شروع ہوتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگوں کو عذر ہو اور اس میں شرکت پسند نہ کریں تو ان کی نیند میں فرق آئے گا اور بار خاطر ہوگا یا پھر بادلِ ناخواستہ اس میں شرکت کے لئے مجبور ہونگے۔ اس لئے خانقاہ میں اس کی اجازت نہیں دی مگر دوسری طرف درخواست دینے والوں کی نیک خواہش کو پورا کرنے اور ان کی دلجوئی کا داعیہ بھی تھا اس لیے خانقاہ کے قریب ایک دوسری چھوٹی مسجد اس کام کے لئے تجویز ہوئی جہاں لوگ اپنی تراویح پڑھ کر چلے جاتے اور مسجد خالی رہ جاتی تھی۔ اس طرح ایک قرآن مجید وہاں ختم کیا گیا۔

آج کل بہت سے حفاظ اور قراء رمضان مبارک کی راتوں میں شبینہ کرتے

ہیں اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ضعیف و بیمار اور وہ لوگ جو دن بھر اپنی مزدوری یا دفتری کاموں میں گزار کر رات کو آرام کرنے پر مجبور ہیں ان کو ان کے اس عمل سے کتنی تکلیف ہوگی۔ بعض مساجد میں اس پر مزید یہ کیا جاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر لگا دیتے ہیں جس سے محلہ والوں کی نیند دوبھر ہو جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں صرف صورت میں عبادت اور نیکی ضرور ہیں مگر دوسروں کی ایذا کی وجہ سے ثواب سے زیادہ عذاب کا سبب بنتی ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرح کی عبادات کا درجہ ظاہر ہے کہ نوافل کا ہے اور ایذاءِ مسلم سے پرہیز واجب اور اس کے خلاف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

دیوبند میں ہماری عادت یہ تھی کہ تراویح کے بعد کچھ احباب کا اجتماع ہو جاتا۔ چائے نوشی کی دوستانہ مجلس کچھ دیر رہتی تھی۔ تھانہ بھون میں جب ہم دوسرا قرآن سننے کے بعد واپس آتے تو خانقاہ میں اپنے حجرہ میں جس میں احقر اور مولانا محمد طیب صاحب مقیم تھے کچھ دیر اسی قسم کی مجلس رہتی۔ خانقاہ میں قانون یہ تھا کہ عشاء کے بعد سے رات کے تین بجے تک کسی کو ذکر جہر یا بلند آواز سے تلاوت کی بھی اجازت نہیں تھی تاکہ آخر رات میں بیدار ہونے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ احباب کی مجلس آرائی کا تو وہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ اسی لئے عشاء کے بعد سے خانقاہ میں ایک سناٹا ہو جاتا تھا۔ اس میں ہماری یہ آپس کی گفتگو بھی کافی دُور تک پہنچ جاتی تھی۔ چونکہ منتظمین خانقاہ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت قدس سرہٗ ہم دونوں کی خاص رعایت فرماتے ہیں۔ اس لیے ایک دو روز تو ہماری اس حرکت پر صبر کیا مگر تیسرے روز خادم خانقاہ نے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر آواز سے کہا کہ عشاء کے بعد آواز سے باتیں کرنا خانقاہ میں ممنوع ہیں۔ اس وقت ہمیں اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔ اور نماز سے فراغت کے بعد خاموش لیٹ جانے کی عادت ڈالنا پڑی۔

خانقاہ تھانہ بھون میں یہ دستور دیکھا اور برتا۔ اس کے بعد حضرت فاروقِ اعظمؓ

اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایات نظر سے گزریں کہ فاروقِ اعظمؓ عشاء کے بعد جاگنے والوں اور بے ضرورت باتیں کرنے والوں کو فرمایا کرتے تھے کہ جاؤ سو جاؤ "لعلکم ترزقون صلوٰۃ" یعنی سویرے سونے کے نتیجہ میں شاید تمھیں آخر شب کی نماز تہجد نصیب ہو جائے۔ اس طرح کا قول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی منقول ہے۔

اب اس معمولی سی بات کے دور رس اثرات پر غور کیجئے کہ جو شخص اس ماحول میں رہے گا وہ تہجد کا کیسے پابند نہ ہو جائے گا۔ اور صبح کی نماز و جماعت کی پابندی تو ایسی ہو جائے گی کہ اس کے خلاف کا احتمال ہی نہ رہے گا۔

آج کل ہم جس ماحول میں رہتے ہیں اس میں آدھی رات تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی رات ہی نہیں ہوئی۔ ایک دوست کہتے ہیں کہ کراچی میں جب رات کے بارہ بجتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بجا ہے۔

اس ماحول کے نتائج ہر جگہ یہ نظر آتے ہیں کہ صبح کی جماعت تو کیا اور وقت کی نماز پڑھنا بھی نماز کے پابند لوگوں کو مشکل ہوتا ہے۔ اور آزاد منش بے نمازوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مجید لاہوری مرحوم نے اس ماحول کا سابق دینی ماحول سے مقابلہ دو مصرعوں میں کیا تھا۔ سابق ماحول ؎

نمازِ فجر ادا کرتے ہیں پھر قرآن پڑھتے ہیں!

اور موجودہ ماحول ؎

یہ سو کر نو بجے اٹھتے ہیں اٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں

جن لوگوں کو دین اور آخرت کی فکر ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی مجلس اور اپنے گھروں کے ماحول میں تبدیلی پیدا کریں تاکہ خود بھی پابند ہو سکیں اور اپنے متعلقین کو بھی پابند صوم و صلوٰۃ بنا سکیں۔

واللہ الموفق والمسلمین ط

باقی ۱۳۹۶ھ کی مجلسوں کے ملفوظات لکھے ہوئے محفوظ نہیں ہیں۔

رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

یہ پہلا رمضان تھا جس میں پورا مہینہ تھانہ بھون میں رہنے کے قصد کی حضرت رح کو اطلاع دی۔

ساتھ ہی یہ قصہ پیش آیا کہ اہلیہ کا تقاضا ہوا کہ بزرگوں کے فیوض و برکات سے ہم محروم رہتے ہیں۔ میں ساتھ چلوں تو اپنے حوصلہ کے مطابق ہمیں بھی کچھ حصہ ملے۔ مجھے یہ اشکال تھا کہ وہاں بھی اہل وعیال ساتھ ہوئے تو فراغ بالی نصیب نہ ہوگی۔ اس مسئلہ کا فیصلہ بھی حضرت ہی کی رائے پر رکھا۔ جواب یہ آیا کہ ساتھ لے آؤ۔ اس میں جمعیت خاطر کی زیادہ امید ہے اور اس طریق میں جمعیت خاطر کی بڑی اہمیت ہے۔

ہم جس چیز کو جمعیت کے منافی سمجھتے تھے حضرت رح نے اس کو جمعیت خاطر کا مُعین قرار دیا۔ بعد میں اس کی عملی تصدیق اس طرح ہوتی رہی کہ بچوں میں بیماری کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔ ساتھ ہوتے ہوئے اس کی طرف توجہ اور مناسب تدبیر میں وہ پریشانی نہیں ہوتی جو باہر سے خبر آنے پر ہوتی ہے کہ جمعیت اور سکون برباد ہو جاتا ہے۔

اس طرح رمضان المبارک سے ایک دن پہلے مع اہل وعیال تھانہ بھون میں حاضری ہوئی۔ حضرت رح نے میرے قیام کے لئے اپنے مکان سے متصل ایک مکان کرایہ پر لینا متعین فرما دیا تھا مگر معاملہ کی تکمیل میری حاضری اور مکان کے دیکھنے پر موقوف تھی۔ حاضر ہو کر مجھے جو چیز زیادہ دیکھنے کی تھی وہ اس مکان کا خانقاہ اور حضرت کے مکان سے بالکل ملحق ہونا تھا۔ بڑی خوشی ومسرت کے ساتھ اپنا مسافرانہ سامان اس مکان میں ڈال دیا۔ شب وروز حضرت رح کی صحبت ومعیت میں ہر شب شبِ قدر و ہر روز روزِ عید کا مصداق ہو گیا ؎

مے ناب وکنار آب ویار مہربان ساقی
دلا گئے بہ شود کارت اگر اکنون نخواہد شد

میں اپنی جگہ اس مکان میں مگن تھا مگر اس کے صحن میں کچھ بیری کے درخت اور جھاڑیاں جیسی تھیں۔ کچھ صاف ستھرا نہ تھا۔ حضرت رح کی چھوٹی اہلیہ محترمہ وہاں

تشریف لائیں تو محسوس کیا کہ عورتوں بچوں کو شاید یہاں وحشت ہو۔ دو تین روز کے بعد حضرت والا رحؒ نے ارشاد فرمایا کہ اب ہمارا ارادہ اپنا مکان بدلنے کا ہے موجودہ مکان جس میں چھوٹی اہلیہ محترمہ کا قیام ہے وہ خالی ہو رہا ہے اب آپ مع اہل و عیال اس میں آجاؤ۔ اس کا اظہار مجھ پر اس طرح فرمایا کہ جیسے اپنی کسی ضرورت سے مکان کی تبدیلی فرمارہے ہیں اس لیے کچھ عذر معذرت بھی نہ کرسکا حضرت اقدسؒ ہی کے چھوٹے مکان میں بقیہ ایام رمضان المبارک پورے ہوئے۔

حضرت رحؒ کا معمول کچھ زمانے سے یہ ہوگیا تھا کہ نماز ظہر کے بعد عصر تک مجلسِ عام ہوتی تھی جس میں کسی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ اور صبح کو اپنی ضروریات اور معمولات سے فارغ ہو کر تقریباً دس بجے ایک مجلس خاص مخصوص حاضرین کے لئے ہوتی تھی۔ اس میں صرف وہ لوگ ہوتے تھے جن کو حضرت رحؒ کی طرف سے اطلاع دے دی جاتی تھی۔ اطلاع کا مضمون اور اس کے الفاظ خود حضرت رحؒ کی تجویز سے ہمیشہ یہ ہوتے تھے کہ فلاں وقت حضرت رحؒ کی مجلس ہوگی اگر آنا چاہیں تو آسکتے ہیں مقصد یہ تھا کہ بلانے کا عنوان نہ ہو جس سے حاضرین کی آزادی میں خلل آئے کسی کو کوئی کام یا عذر ہو تو اسے تنگی نہ ہو۔

ان مجالس کے ملفوظات مجلس میں بہت سے حضرات لکھا کرتے تھے۔ مجھے حضرت کے خطاب کے وقت لکھنے کی طرف توجہ صرف کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا اس لئے بہت کم اور محض اشارے اپنی یادداشت کیلئے لکھ لیتا تھا۔ اسی یادداشت کے بعض اجزاء یہ ہیں:۔

۱۔ ۲۹ شعبان ۱۳۷۷ھ ارشاد فرمایا کہ حدیث میں ہے

من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ترۃ یوم القیٰمۃ۔

یعنی "جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور پوری مجلس گذر جائے اس میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو قیامت کے دن یہ مجلس اس کے لئے حسرت و افسوس کا سبب ہوگی"

اس کا ہمیشہ خیال رکھو اور اپنی کسی مجلس کسی حرکت و سکون کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہنے دو۔

نظم و ضبط دین اور دنیا کے ہر کام میں مفید اور ضروری ہے

۲۔ ارشاد فرمایا کہ دنیوی کاموں میں بدنظمی اور بے سلیقہ پن کہ کہیں کی چیز کہیں ڈال دی۔ کھانے پینے میں تناسب کا خیال نہ رکھا۔ یہ جیسے دنیوی امور میں نقصان دہ ہیں ایسے ہی باطنی امور کیلئے بھی مضر ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب کوئی شخص ان سے مرید ہونے کیلیے آتا تو فوراً ملنے کے بجائے اتنی تاخیر کرتے تھے کہ کھانے کا وقت آجائے۔ اور حکم یہ تھا کہ نئے مہمان کے پاس جب کھانا لے جائیں تو شیخ کو دکھلا کر لے جائیں اور جب واپس لائیں تو پھر دکھائیں۔ وہ بچے ہوئے کھانے سے یہ اندازہ لگاتے تھے کہ اس شخص کے مزاج میں انتظام اور انضباط ہے یا نہیں مثلاً جتنی روٹی خرچ ہوئی اس کے مناسب سالن خرچ ہوا تو صحیح المزاج ہونے کی علامت ہے اور کمی بیشی ہوتی تو بدنظمی کی علامت۔

جس شخص میں یہ بدنظمی اور بے سلیقہ ہونے کا مشاہدہ ہوتا اس سے عذر کر دیتے کہ ہمارے یہاں تمھیں نفع نہیں ہوگا تمھارے مزاج میں بدنظمی ہے کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرو۔

لایعنی اور فضول بحثیں انسان کو بڑے گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

بزرگوں نے اس سے پرہیز کا بڑا اہتمام کیا ہے۔

۳۔ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی خدمت میں دو صاحب بیعت کیلئے حاضر ہوئے۔ مسجد کے حوض پر آکر وضوء کیلئے بیٹھے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے

ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں کا حوض یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے اتفاقاً حضرت شیخ نے یہ کلام سن لیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کے لئے عرض کیا تو شیخ نے سوال کیا کہ آپ کے یہاں کا حوض یہاں کے حوض سے کتنا بڑا ہے؟ اس نے عرض کیا یہ تو معلوم نہیں۔ فرمایا کہ جاؤ پیمائش کر کے آؤ۔ اس کو جانا پڑا اور سفر طے کر کے وطن پہنچا۔ حوض کی پیمائش کی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بالشت بڑا ہے۔ واپس آیا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے پیمائش کرلی ہے۔ وہ حوض ایک بالشت بڑا ہے۔ پھر حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم نے تو بہت بڑا کہا تھا ایک بالشت تو بہت بڑا نہیں ہوتا۔ تمہارے اس عمل سے معلوم ہوا کہ تمہارے مزاج میں جھوٹ سچ کے معاملہ میں احتیاط نہیں تو اس طریق میں کیا چل سکو گے۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر مشائخ کا طریق یہ تھا کہ مریدین کو وظائف و نوافل وغیرہ بتلانے اور سلوک کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ان کے اعمال ظاہرہ کی اصلاح کرتے اور رذائل سے اجتناب کی عادت ڈالتے تھے۔ آج کل بہت سے مشائخ اس کی رعایت نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوراد و وظائف میں تو مریدین خوب مشّاق ہو جاتے ہیں۔ مگر رذائل جوں کے توں موجود رہتے ہیں۔ حلال حرام کا امتیاز جھوٹ سچ کا اہتمام نہیں ہوتا جو طریق کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ (جامع)

مُعاملات میں احتیاط کی تعلیم

۴۔ ایک شخص نے خط لکھا کہ میں فلاں بزرگ سے بیعت ہوں مگر میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے فرمایا کہ جن بزرگ سے تم بیعت ہوئے ان سے تمہاری بے تکلفی زیادہ ہے اس لیے تمہیں ان سے نفع نہیں ہو گا۔ تم مولانا اشرف علی صاحب سے اپنی تربیت تعلیم حاصل کرو۔ حضرت حکیم الاُمتہ نے جواب میں لکھا کہ اپنے موجودہ شیخ سے یہ لکھوا کر بھیجو کہ یہ آدمی معتبر ہے

اس کی روایت قابلِ اعتبار ہے۔ (انتہی)

تجربہ شاہد ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کے نزدیک تقرب حاصل کرنے کیلئے غلط سلط روایات بیان کر دیا کرتے ہیں جو اُن کے لئے موجب فتنہ اور دوسروں کیلئے موجب رنجش ہوتا ہے۔ حضرت رحمتہ نے اس طرزِ عمل سے سب خرابیوں کی جڑ کاٹ دی اور سابق شیخ کے قلب کو مکدّر کرنے سے بھی بچا لیا۔

ہر چیز اپنی حد کے اندر ہی نافع ہوتی ہے حد سے بڑھے تو کتنی ہی اچھی چیز ہو مضر ہو جاتی ہے

۵۔ فرمایا خشیۃ اللہ (خدا کا خوف) تمام حسنات و خیرات کا سرچشمہ اور بڑی فضیلت ہے مگر وہ بھی اگر حد سے بڑھ جائے تو انسان کو معطل اور بیکار بنا دے اس لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دُعا خشیۃ اللہ کیلئے فرمائی اس میں یہ فرمایا۔

اللّٰھم اقسم لی من خشیتك ما تحول بہ بینی وبین معاصیك۔

یعنی یا اللہ مجھے اپنے خوف و خشیت کا اتنا حصہ عطا فرما دے جو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

اس قید سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر خوف زیادہ بڑھ جائے تو وہ انسان کیلئے قابلِ برداشت نہیں رہتا اور تعطّل کا سبب ہو جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کی ملاقات و زیارت کا شوق بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کی دعاء میں بھی حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

وشوقا الی لقاءك فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ

یا اللہ مجھے اپنی زیارت و ملاقات کا شوق عطا فرما بغیر اس کے کہ کسی سخت بیماری یا سخت مصیبت و فتنہ کی وجہ سے موت کا طلب گار بنوں۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات وزیارت کا راستہ ظاہر ہے کہ موت کے سوا نہیں۔ اسلئے موت کا محبوب ہونا اللہ تعالیٰ کی ملاقات وزیارت کیلئے بڑی نعمت ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان کسی ناقابلِ برداشت تکلیف ومصیبت سے موت مانگنے پر مجبور ہوجاتا ہے وہ مصیبت اور مذموم ہے اسلئے لقاء اللہ کے شوق کو بھی اس قید سے مقید فرما دیا۔

اکابر علماء دیوبند کی خدا ترسی اور اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ

۶۔ سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے جب ردِ بدعات پر کچھ رسالے لکھے تو اہلِ بدعت کی طرف سے سب وشتم کی بوچھاڑ ہوئی۔ بعض مشہور اہل بدعت کی طرف سے بہت سے رسالے ان کے خلاف سب وشتم سے بھرے ہوئے یکے بعد دیگرے شائع ہوتے تھے۔ حضرت گنگوہی رح کی بینائی اس وقت نہیں رہی تھی۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ) حضرت رح کے خادم خاص اور معتمد تھے۔ آنے والی ڈاک کو پڑھکر سناتے اور پھر جواب لکھنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ ان میں وہ رسالے بھی ہوتے تھے جو ان حضرات کی طرف سے آتے تھے۔ کچھ دن ایسے گذرے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ایسا کوئی رسالہ نہیں سنایا۔ تو حضرت گنگوہی رح نے پوچھا کہ مولوی یحییٰ کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا ہے؟ بہت دنوں سے ان کا رسالہ نہیں آیا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ رسالے تو کئی آئے ہیں مگر وہ مجھ سے پڑھے نہیں جاتے۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ ان میں تو گالیاں بھری ہیں۔ آپ نے اوّل تو فرمایا اے میاں کہیں دور کی گالی بھی لگا کرتی ہے؟ پھر فرمایا کہ وہ ضرور سناؤ۔ ہم تو اس نیت سے سنتے ہیں کہ ان کی کوئی بات قابلِ قبول ہو تو قبول کریں۔ ہماری کسی غلطی پر صحیح تنبیہہ کی گئی ہو تو اپنی اصلاح کریں (انتہی)

یہ ہیں وہ حق پرست خدا ترس علما، جن کا کسی سے اختلاف بھی ہوتا ہے تو خالص حق تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے اور جو مخالفین کی سب و شتم کے وقت بھی جذبۂ انتقام اور اپنے نفس سے مدافعت اور تاویلات ڈھونڈنے کے بجائے اپنی اصلاح اور حق طلبی کی راہ نکال لیتے ہیں۔ کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان بزرگوں پر اتہامات لگا کر بدنام کیا اور عوام کو ان کی تصانیف پڑھنے سے ان کے پاس جانے سے روکا اور یہ حقیقت ہے کہ جو دور دور بدگمانی قایم کرکے نہیں بیٹھ گیا۔ انصاف کے ساتھ ان حضرات کی کتابوں کو پڑھا ان کی صحبت سے مستفیض ہوا۔ اس کو اشکالات کا جواب خود بخود مل گیا۔

اختلافی معاملات میں اگر یہ روش اختیار کر لی جائے تو مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کے فتنے ختم ہو جائیں۔ اختلاف اختلاف کی حد میں رہے۔ مگر اس کیلئے خدا ترسی اور بے نفسی کی ضرورت ہے جس کا آج کل قحط ہے (جامع)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ

۷۔ حضرت ممدوح کے علمی اور عملی کمالات سے شاید ہی کوئی باخبر مسلمان ناواقف ہو۔ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ معاشی ضرورت کا احساس ہوا تو مطبع مجتبائی دہلی میں کتابوں کی تصحیح کے لئے ملازمت اختیار کر لی۔ کل دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ ایک مرتبہ اس سے بھی جی گھبرایا تو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ یہ تنخواہ بھی لینا چھوڑ دیں اور جو کام کریں وہ لوجہ اللہ بلا تنخواہ کریں۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ امام وقت تھے انھوں نے فرمایا کہ آپ ترک مشاہرہ کیلئے مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ مشورہ دلیل تردد ہے اور تردد کی حالت میں ترکِ اسباب موجبِ پریشانی ہوتا ہے۔ ترکِ اسباب تو اس وقت روا ہوتا ہے جب آدمی مغلوب الحال ہو جائے۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود متوکل تھے۔ فقر و فاقہ کے سخت مراحل سے گزرے ہوئے تھے مگر اپنے

مریدین کے لئے اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

ترکِ ملازمت مدرسہ کانپور کا قضیہ

۸۔ فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تنخواہ لے کر درس تدریس کی خدمت انجام دیتا تھا۔ حضرت کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں مگر میری پریشانی کے خیال سے چھوڑنے کا حکم نہ دیتے تھے صرف یہ فرمایا کہ اگر کسی وقت کانپور کی ملازمت ترک کرو تو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔ میں اس وقت کہتا تھا کہ یہ ملازمت میں کیوں چھوڑوں گا۔ دین کی خدمت ہے۔ تنخواہ لینا کوئی ناجائز کام نہیں ہے۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شیخ کی دِلی خواہش رنگ لائی اور یکسوئی اور خلوت کا ذوق اس قدر غالب آیا کہ ملازمت کی پابندی کٹھن ہو گئی بالآخر استعفا دینے پر مجبور ہو گیا۔ اہلِ مدرسہ نے وفود بھیجے خطوط لکھے کہ یہاں کوئی تکلیف ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ ان سے مجبور ہو کر مجھے بات کھولنا پڑی اور ان کے جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیج دیا ؎

از قیل و قال مدرسہ حالے دلم گرفت
یک چند نیز خدمت معشوق و مے کنم

قرض سے پریشانی اور حضرت گنگوہیؒ کا مشورہ

۹۔ ترک ملازمت کانپور کے بعد خانقاہ تھانہ بھون میں متوکلانہ قیام فرمالیا تھا۔ اس وقت ضروریات خانگی کیلئے ڈیڑھ سو روپیہ قرض ہو گیا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی وفات ہو چکی تھی۔ ان کے بعد حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ حضرت گنگوہی کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھ کر مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ عرض حال اور ادائے قرض کی دعاء کیلئے گنگوہ کو خط لکھا۔ جواب آیا کہ مدرسہ دیوبند میں ایک جگہ ملازمت کی خالی ہے اگر لینے ہو تو میں ان کو لکھ دوں۔ حضرت رحنے فرمایا کہ اس جواب سے میں کچھ کشمکش میں پڑ گیا کہ اس ملازمت کو اختیار کرتا ہوں تو حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کی

مخالفت ہوتی ہے اور نہیں کرتا تو حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کے باوجود قبول نہ کرنا ایک گونہ بے ادبی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے صحیح جواب دل میں ڈال دیا۔ میں نے لکھا کہ حضرت میری غرض تو اس خط سے صرف دعا تھی کسی ملازمت یا ذریعہ معاش کی طلب مقصود نہ تھی۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ کانپور کی ملازمت چھوڑو تو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔

اب میں حضرت کو بھی حضرت حاجی صاحب کے قائم مقام سمجھتا ہوں اگر اس پر بھی ملازمت اختیار کرنے کا حکم ہو تو میں اس کو بھی حضرت حاجی صاحب ہی کا حکم سمجھوں گا اور پہلے حکم کا ناسخ قرار دے کر ملازمت اختیار کر لوں گا۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ کا جواب آیا کہ اب آپ کوئی ملازمت نہ کرو انشاء اللہ تعالیٰ پریشانی نہیں ہوگی۔

۱۰ تقویٰ اور تواضع کی خاص شان مشورہ اکابر کی پابندی

حضرت کے والد ماجد خاندانی رئیس اور صاحب ثروت تھے۔ ذرائع آمدنی بھی کوئی ناجائز نہ تھے۔ مگر حضرتؒ کی نظر میں کچھ مشتبہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ترکہ میں اپنے حصہ میراث کا معاملہ سامنے آیا تو لینے میں تردد ہوا۔ از خود کوئی فیصلہ کرنے کی عادت نہ تھی۔ حضرت گنگوہی کو خط لکھ کر سوال کیا کہ حصہ لینے میں مال مشتبہ ہونے کی وجہ سے تردد ہے اور چھوڑنے میں اس لئے تردد ہے کہ کہیں بعد میں پریشانی نہ ہو۔

جواب آیا:

"اگر یہ حصہ لے لو تو فتویٰ ہے نہ لو تو تقویٰ ہے اور پریشانی انشاء اللہ عمر بھر نہ ہوگی۔"

حضرتؒ نے تقویٰ کا پہلو اختیار کیا اور اپنا حصہ میراث جو بڑا سرمایہ تھا، بھائیوں کے لئے چھوڑ دیا۔

احقر نے اپنے والد سے سُنا کہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا اشرف علیؒ کا ادنیٰ تقویٰ یہ ہے کہ والد کی میراث کا حصّہ نہیں لیا۔

یہاں تقویٰ کے ساتھ صرف اپنی رائے پر اعتماد نہ کرنا بزرگوں کے مشورہ پر عمل کرنا ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے۔ جس کی پابندی حضرتؒ خود بھی ہمیشہ کرتے تھے اور سب کو تاکید فرماتے تھے کہ

"انسان کو چاہیئے کہ کبھی خود رائی سے کام نہ کرے جب تک ضابطہ کے بڑے موجود ہیں ان کے مشورہ پر عمل کرے جب ضابطہ کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابروں کے مشورہ کا پابند رہے جب وہ بھی نہ رہیں تو چھوٹوں کے مشورہ کی پابندی کرے۔ اور فرمایا کہ ضابطہ کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔"

تعلیمِ جدید سے پیدا ہونے والے شبہات کی اصل بنیاد

۱۱۔ فرمایا کہ نو تعلیم یافتہ حضرات کے جتنے شبہات اسلامی تعلیمات کے متعلق ہوتے ہیں ان میں غور کرنے سے سبکی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس تعلیم کے اثر سے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت قلوب سے اٹھ جاتی ہے۔ اور جب وہ نہ رہی تو ہر حکم میں سینکڑوں سوال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کی عظمت دل میں ہوتی ہے تو اس کے اقوال و احکام پر سوالات ہی پیدا نہیں ہوتے۔ دیکھو موجودہ حکومت کی عظمت جبری طور پر لوگوں کے قلوب پر چھائی ہوئی ہے۔ اس لیے اس کے مقرر کردہ قوانین کی لِم اور حکمت پوچھنے کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ ڈاکخانہ میں ڈھائی تولہ تک دو پیسے اور اس کے اوپر پانچ تولہ پر ایک آنہ لفافہ کا محصول ہے۔ اس پر سب عالم جاہل خواندہ ناخواندہ عمل کرتے جاتے ہیں کسی کو یہ پوچھنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی کہ اس قانون میں حکمت کیا ہے اور اگر کوئی کسی سے

پوچھے بھی تو جواب دینے والا یہ جواب کافی سمجھتا ہے کہ بھئی قاعدہ قانون یہی ہے مگر اسلام کی تعلیمات و قوانین کیلئے یہ جواب کافی نہیں سمجھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولؐ کا یہی حکم ہے۔ یہ سب پھل پھول اسی کے ہیں کہ اللہ ورسولؐ کی عظمت دلوں میں کم ہوگئی۔

اشرافِ نفس کی حقیقت

۱۲۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"جو ہدیہ بِلا کسی طمع اور اشرافِ نفس کے ملے اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور اشرافِ نفس ہونے کی صورت میں برکت نہیں ہوتی۔"

اشراف کے معنی انتظار کے ہیں۔ مراد یہ کہ اگر پہلے سے کوئی ہدیہ ملنے کی توقع ہو اور نفس کو انتظار ہو کہ فلاں شخص سے یہ ہدیہ ملے گا تو یہ اشرافِ نفس ہے۔ جس کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا اہلِ باطن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی سے سوال کر کے کوئی چیز لی جائے۔ اشرافِ نفس کے معاملہ میں حضرت رحؒ نے ایک واقعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی کا نقل فرمایا کہ

"ریاست بہاولپور کے ایک رئیس دیندار آدمی تھے۔ اکثر کچھ علماء صلحاء کو دعوت دیتے رہتے تھے اور واپسی کے وقت کچھ ہدیہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دیوبند سہارن پور کے بزرگ اور حضرت رحؒ وہاں مدعو تھے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ اپنے وقت کے فقیہہ اور بڑے بزرگ تھے۔ ان کو خیال آیا کہ اس رئیس کی عادت معلوم ہے کہ کچھ ہدیہ پیش کیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں آتے ہی یہ خطرہ ہوتا ہے یہ کچھ دیں گے تو یہ اشرافِ نفس ہوگیا۔ اس کے ساتھ قبول ہدیہ مناسب نہیں۔ حضرت رحؒ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ میرے نزدیک اشرافِ نفس وہ ہے جس کے خلاف ہونے میں کلفت اور شکایت ہو۔

اور جب کلفت و شکایت نہ ہو تو وہ محض ایک وسوسہ ہے اخراف نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے میرے جواب کو پسند فرمایا، اور تصدیق فرمائی۔"

بزرگوں کے تعویذات عام عاملوں کی طرح نہیں ہوتے

۱۳۔ فرمایا کہ عملیات اور تعویزات کے جاننے والے بہت سی قیود و شرائط کے ساتھ تعویزات لکھتے ہیں وہ ایک فن ہے۔ مگر حضرات اکابر کے نزدیک اصل چیز توجہ الی اللہ اور دُعاء ہوتی ہے اس کو جس عنوان سے چاہیں لکھ بھی دیتے ہیں اور لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے۔ مَیں نے حضرت حاجی صاحب قدس سرّہ سے سنا ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہید صاحب بریلویؒ سے لوگ مختلف امراض اور حاجات کے تعویز مانگا کرتے تھے۔ وہ ہر ضرورت و حاجت کے لئے یہ الفاظ لکھ کر دے دیتے اور اللہ کے فضل و کرم سے فائدہ ہوتا تھا۔ وہ الفاظ یہ ہیں:۔

"خداوندا اگر منظور داری حاجتش را براری"

فرمایا کہ اسی طرح حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے کسی خاص کام کے لئے تعویز مانگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کا تعویز نہیں آتا۔ اس شخص نے اصرار کیا کہ کچھ لکھ دیجیئے۔ حضرتؒ نے یہ کلمات لکھ دیئے:۔

"یا اللہ میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں۔ آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔ اس کی مراد پوری فرما دیجئے"۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت پوری فرما دی۔

حضرتؒ کی تفسیر اور تصوف سے مناسبت، حضرت حاجی صاحبؒ کی پیشگوئی

۱۴۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرّہ نے میرے بارہ میں یہ پیش گوئی

فرمائی تھی کہ تمھیں تفسیر قرآن اور تصوف سے خاص مناسبت ہوگی۔ اسی کا اثر ہے کہ بحمداللہ ان دونوں چیزوں میں مجھے بہت کم شبہات رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ حل ہی فرما دیتے ہیں۔

جنت میں تفاضل درجات کے باوجود باہمی حسد نہ ہوگا ۱۵۔ فرمایا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اہل جنت کے درجات متفاوت ہوں گے۔ ایک درجہ اور دوسرے درجہ میں بڑا فرق ہوگا۔ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ چھوٹے درجہ والے کو بڑے درجہ والے پر اگر حسد بھی نہ ہو تو کم از کم غبطہ اور اس کے نتیجہ میں ایک قسم کی حسرت ہوتی ہے۔ جنت میں حسد تو نہیں ہوگا کیونکہ وہ فعل حرام ہے مگر یہ سوال ہوتا ہے کہ غبطہ بھی ہوا تو ایک قسم کی حسرت اور کلفت تو ہوگی۔ اور جنت سب کلفتوں سے پاک جگہ ہے وہاں کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ فرمایا کہ جنت کے حالات کو دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں حق تعالیٰ سب کو ایک وصف قناعت عطا فرمائیں گے کہ ہر شخص اپنے مقام پر خوش اور مگن رہے گا بڑے درجہ کے لوگوں کو دیکھ کر اس کے دل میں کوئی حسرت و بے چینی پیدا نہ ہوگی۔

لوگوں سے جھگڑے کے واسطے علماء سے فتویٰ لینا ۱۶۔ فرمایا کہ بہت سے لوگ اپنی تو خبر نہیں لیتے حلال حرام ایک کرتے رہتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے جھگڑا کرنے کیلئے علماء سے فتویٰ لیتے پھرتے ہیں۔ جب کسی شخص کے متعلق مجھے یہ محسوس ہوتا ہے تو میں اس سے پوچھ لیتا ہوں کہ یہ معاملہ تمھیں پیش آیا ہے اور اپنے عمل کیلئے پوچھتے ہو یا کچھ اور ہے اگر وہ دوسروں کا معاملہ بتلائے تو اس کو جواب نہیں دیتا۔ کہہ دیتا ہوں جس کا معاملہ ہے اس کو بھیجو یا وہ خود بذریعہ خط دریافت کرے

نوکروں کو بھی انکی وسعت سے زیادہ تکلیف دینا درست نہیں ۱۷۔ فرمایا کہ مجھے اسکا بڑا

خیال رہتا ہے کہ کسی سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام لیا جائے ۔ مَیں اپنے ذاتی ملازموں سے بھی کہہ دیتا ہوں کہ جو کام تم پر گراں ہو فوراً کہہ دیا کرو کہ یہ مجھے مشکل ہو گا۔ ہم اس کا کوئی دوسرا انتظام کرلیں گے۔

بزرگوں کی شان میں گستاخی باطن کیلئے سخت مضر ہے، بعض اوقات ناقابلِ علاج ہو جاتی ہے

۱۸۔ حضرت گنگوہیؒ نے نقل فرمایا کہ تفسیر سورۂ یوسف منظوم کے مصنف حضرت میاں جی صاحب کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ پھر متنبہ ہوا۔ توبہ کی اور حضرت میاں جی صاحب سے بیعت کی درخواست کی۔ بیعت کر لیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد تنہائی میں ان سے فرمایا کہ میاں اشرف! اس طریق کی بنیاد اخلاص پر ہے اس لیے تم سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ بات یہ ہے کہ میں جب بغرض افاضہ تمہاری طرف توجہ کرتا ہوں تو تمہارے وہ سب کلمات جو پہلے کہے تھے میرے سامنے آکر حائل ہو جاتے ہیں۔ ہر چند تمہیں نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس کی صورت نہیں بنتی اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور شیخ سے بیعت کر لو۔ مَیں بھی تمہاری سفارش کردوں گا۔ (انتہیٰ)

احقر جامع کہتا ہے کہ یہ گوئی حقد و کینہ نہیں بلکہ غیر اختیاری اَمر ہوتا ہے جس کا انسان مکلف نہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ کو مسلمان ہونے کے بعد ہدایت فرمائی کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو مجھے حضرت حمزہؓ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وہ تمہارے لیے مضر ہو گا۔

دعاءِ کافر کی بھی قبول ہوسکتی ہے

۱۸۔ فرمایا کہ آیتِ قرآن وما دعاء الکفرین الا فی ضلال سے استدلال کر کے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ کافر کی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ آیت آخرت کے معاملہ میں

ہے۔ وہاں کسی کی کوئی دعا قبول نہ ہوگی۔ دنیا میں حق تعالیٰ سب کی دعا قبول کرتے ہیں یہاں تک اکفرالکفار ابلیس کی دعاء قبول فرمائی اور دعا بھی ایسی عجیب قسم کی کہ مجھے قیامت تک عمر طویل دے دیجئے تاکہ میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں۔ حق تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرما کر انک من المنظرین کا اعلان فرما دیا۔

تصوف کی حقیقت فناء ہے یعنی اپنی خواہشات کو مرضی مولیٰ پر قربان کرنا

۱۹۔ ارشاد فرمایا کہ لوگ اس طریق میں سالک ہونے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز سالک ہونا نہیں ہالک ہونا ہے۔ یعنی اپنے کو مٹا دینا۔ اور مٹا دینا بھی وہ معتبر ہے کہ اس مٹانے کو بھی مٹا دے کہ اس کی طرف کوئی التفات نہ ہو جیسے اصلی اور گہری نیند وہی ہے جس میں سونے والے کو اپنے سونے کی بھی خبر نہ رہے ورنہ پھر وہ نیند نہیں اس کو اونگھ کہیں گے۔

مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ!
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(انتہیٰ)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت اطاعت کی اصلی روح کی طرف ہدایت فرمائی ہے کہ کمالات علمی ہوں یا عملی کتنے ہی مجاہدے اور عبادات ہوں اپنی ذات میں مقصود نہیں مقصود تو رضائے حق جل شانہ ہے۔ اور رضائے حق انسان کے عجز و انکسار اور شکستگی کے احساس میں ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اپنے کو قاصر سمجھے اور اپنی کوتاہی پر استغفار کرے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی برابر کون عبادت و طاعت

کر سکتا ہے مگر ان کا بھی یہی عمل تھا کہ ساری رات عبادت کرنے کے بعد بھی استغفار کرنے کو ضروری سمجھتے تھے

وبالاسحار ھم یستغفرون ۔ یعنی "اللہ کے مقبول وہ بندے ہیں جو رات کا بڑا حصہ عبادت میں گزارتے ہیں اور آخر شب میں استغفار کرتے ہیں ۔

اس میں علماء ۔ خطباء ۔ مصنفین اور اسلامی معاملات میں جدوجہد کرنے والوں کے لئے اہم ہدایت ہے کہ یہ کوئی ناز کی اور فخر کی چیز نہیں ۔ بلکہ جو کمال یا جو نیک عمل کسی سے ہوا ہے اس سب کو حق تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر اس پر شکر گزار ہو ۔ اور اس میں حق تعالیٰ کی شان جلال کے مطابق نہ ہونے کی جو کوتاہی لازمی ہے اس سے استغفار کرے ۔

جب تک امراض باطنہ کا علاج نہ ہو بعض اوقات ذکر و شغل نفلی عبادات مضر ہو جاتی ہیں

۲۰ ۔ فرمایا کہ جس طرح لطیف غذا خلط غالب کی طرف مستحیل ہو جاتی ہے ۔ جس کے جسم میں صفراء بڑھا ہوا ہے ۔ غذا میں احتیاط نہ کی جائے تو وہ بھی صفراء ہی بڑھاتی ہے ۔ اس لیے مسہل کی ضرورت ہے ۔ مقوی غذاء بعد میں دی جاتی ہے ۔ اسی طرح امراض باطنہ عُجب ۔ تکبر ۔ ریاء کے موجود ہوتے ہوئے اذکار و اوراد کی کثرت بعض اوقات مرض کو بڑھا دیتی ہے ۔ یہاں بھی مجاہدات کا مسہل دینے کی ضرورت ہے تاکہ نیک عمل کر کے عُجب و کبر میں مبتلا نہ ہو جائے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ امراض باطنہ کی اصلاح کو اذکار و اوراد پر مقدم کرنا چاہیئے ۔ (انتہیٰ)

متقدمین صوفیاء میں اس کا بڑا اہتمام تھا۔ اب لوگوں کو توجہ نہیں رہی اسی لئے مشائخ کی خدمت میں رہ کر ذکر و شغل میں مشغول رہنے کے باوجود بہت سے لوگوں کی اصلاح نہیں ہوتی۔ امراض باطنہ جو درحقیقت کبیرہ گناہ ہیں وہ جوں کے توں رہتے ہیں۔ یہ کچھ خوابیں دیکھ کر اپنے کو ولی اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ معاصی کی عادت کے ساتھ ولایت و مقبولیت کبھی جمع نہیں ہوتی۔

اس طریق کا اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے، اذکار و اوراد معین ہیں

۲۱۔ فرمایا کہ ہر طبقہ میں رسوم غالب آجاتی ہیں تو حقائق مستور ہو جاتی ہیں۔ سلوک و تصوف کا اصل مقصد اوراد و اشغال نہیں۔ یہ چیزیں معین مقصود ضرور ہیں۔ مگر اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے۔ جب تک وہ نہ ہو اوراد و اشغال کا بھی پورا نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات عُجب و کبر میں مبتلا ہو جانے کے سبب مضر بھی ہو جاتے ہیں۔

فرمایا کہ "اگر کوئی کہے کہ اصلاح اعمال باطنہ کے طریقے تو تصوف کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کو دیکھ کر انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے پھر شیخ کی کیا ضرورت تو جواب یہ ہے کہ بدن انسانی کے امراض کے معالجات بھی طب اور ڈاکٹری کی کتابوں میں پورے لکھے ہوئے موجود ہیں پھر طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی ہے جو ضرورت یہاں ہے وہی امراض باطنہ میں بھی ہے۔" (انتہیٰ)

اور اگر غور کیا جائے تو امراض جسمانی سے جو جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اس کو تو خود مریض بھی محسوس کرتا ہے اسی لیے طبیب اور ڈاکٹر کی تلاش کرتا ہے۔ طبیب کی ضرورت اسباب مرض اور تجویز دوا کیلئے ہوتی ہے۔ باطنی امراض جن کو اصطلاح

میں رذائل کہا جاتا ہے جیسے عُجب۔ غرور۔ تکبر۔ ریاء۔ حرص دنیا۔ حسد وغیرہ یہ ایسے مخفی امراض ہیں کہ اکثر اوقات مریض کو ان کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں بیمار ہوں اس لئے کسی علاج و دواء کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ شیخ کامل جو باطنی امراض کا حاذق طبیب ہوتا ہے اسی کو یہ کام بھی کرنا پڑتا ہے کہ مریض کو یہ بتلائے کہ تجھ میں فلاں مرض ہے۔

تو طبیب ڈاکٹر کے تو دو ہی کام ہیں تشخیص مرض اور تجویز دواء، مگر اس باطنی طبیب کو تیسرا کام یہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ بے خبر ناواقف مریض جو اپنے کو تندرست سمجھ رہا ہے۔ اس کو اس کی بیماری پر متنبہ بھی کرے۔ اور آج کل کثرت اسی صورت حال کی ہے کہ کتابوں کے عموم اور غفلت کے اسباب کثیرہ جمع ہونے کے سبب عام طور پر اپنے امراض باطنہ کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا۔ عوام کا تو کیا کہنا ہے، خاص علماء بھی بکثرت اس میں مبتلا ہیں۔ اپنے امراض باطنیہ پر تنبیہ صرف بزرگوں کی صحبت اور ان کی کتابیں دیکھنے سے یا پھر شیخ کی تنبیہہ ہی سے ہوتا ہے۔

استغناء کے ساتھ مخاطب کی دلجوئی اور اصلاح خلق کے خاص آداب

۲۲۔ نواب ڈھاکہ سلیم اللہ صاحب حضرت حکیم الامۃ کے شیدائی تھے، اُن کی تمنا تھی کہ کسی طرح حضرت ڈھاکہ تشریف لادیں۔ یہاں سب خاندان کے لوگ اور عام مسلمان آپ سے استفادہ کریں۔ طویل کوشش کے بعد چند شرائط کے ساتھ تشریف لے جانا منظور فرمالیا ان شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مجھے کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔ اور ایک شرط یہ تھی کہ میری کوئی مجلس نوابوں اور امراء کے لئے مخصوص نہ کی جائے۔ مجلس عام ہوگی جس میں عوام غرباء بھی ہوں گے۔ امراء کیلئے کوئی خاص امتیاز نہیں ہوگا۔ غلبہ اشتیاق کی وجہ سے نواب

صاحب نے سب شرائط منظور کرلی۔ اب ان کا دل چاہا کہ حضرت کا استقبال اوس پیمانہ پر کریں جس پر والیانِ ریاست کا استقبال ریاست میں کیا جاتا ہے۔ مگر جانتے تھے کہ بلا اجازت کوئی کام کیا تو حضرت وہیں سے واپس ہو جاویں گے اس لیے بذریعہ تار دریافت کیا حضرت نے تار سے جواب دیا کہ "خلافِ شریعت ہے" انھوں نے دوسرا تار بھیجا کہ اچھا سادہ مگر بڑا اجتماع کرنے کی اجازت دے دیجئے اس پر تار سے جواب دیا کہ "خلاف طبیعت ہے"۔ مجبور ہو کر معمولی طور پر استقبال کیا حضرت ڈھاکہ میں تشریف فرما ہوئے۔ نواب صاحب کو ہدیہ نہ دینے اور مجلس میں نوابزادوں کے لئے امتیاز نہ کرنے کی دونوں شرطیں نبھانا سخت دشوار ہو رہا تھا۔ اس لیے ایک حیلہ یہ کیا کہ خاندان کے بچوں کی بسم اللہ حضرت سے کرائی اور نوابوں کی عادت کے مطابق اقرباء و احباب کی دعوت بڑے پیمانہ پر کی۔ پھر حضرت سے آکر عرض کیا کہ ہمارے خاندان میں یہ عادت ہے کہ ایسے موقع پر اپنے بزرگوں کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ میں شرط کے مطابق وعدہ کا پابند ہوں مگر اس موقع پر کچھ ہدیہ پیش نہ کیا تو خاندان میں میری رسوائی ہوگی۔ اگر آپ موقع کو مستثنیٰ فرما کر ہدیہ قبول فرمالیں تو میں رسوائی سے بچ جاؤں گا۔ حضرت نے تاڑ لیا کہ یہ سب دھندا اسی کام کیلئے کیا گیا ہے۔

فرمایا اس میں کیا اشکال ہے آپ اپنے خاندان اور احباب کے مجمع میں جو کچھ بھی ہدیہ پیش کرنا چاہیں پیش کر دیں میں سب کے سامنے قبول کرلوں گا۔ مگر پھر تنہائی میں آپ کو واپس لینا ہوگا۔ آپ کی بھی سُبکی نہ ہوگی میری وضع کے بھی خلاف نہ ہوگا۔ نواب صاحب عاجز ہو کر رہ گئے۔

احقر جامع کہتا ہے کہ آگے کی بات یاد نہیں کہ پھر انھوں نے شرط مذکور کے مطابق ہدیہ کی پیش کش پھر واپسی پر عمل کیا یا اپنا حیلہ چلتا نہ دیکھ کر اس ارادہ کو ہی چھوڑ بیٹھے۔

دوسری شرط نواب صاحب کو اسلئے کھل رہی تھی کہ خاندان کے نوابزادے

امیروں کی عادت کے مطابق عوام اور غرباء کی صف میں آکر بیٹھنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور نتیجہ یہ رہا کہ وہ حضرت کے افادات سے محروم رہتے تھے۔ نواب صاحب اپنی مانی ہوئی شرط کے خلاف مجلس میں کوئی امتیاز کر نہیں سکتے۔ اس کے لئے ایک حیلہ یہ ڈھونڈا کہ شہر سے پندرہ بیس میل دور کسی باغ میں حضرت کے لے جانے کا پروگرام بنایا اور ان سب نواب زادوں اور اُمراء کو وہاں جمع کر دیا۔ عام اعلان نہیں کیا۔ حضرت تشریف لے گئے مگر ہوا یہ کہ کچھ غریب غرباء خبر پاکر وہاں بھی پہنچ گئے! ور پھر حضرت کی شرط کے مطابق عمل یہی ہوا کہ غریب وامیر ایک ہی صف میں بیٹھے اب وعظ کا موضوع بھی حضرت کیلئے متعین ہو گیا۔ کیونکہ حضرتؒ کبھی وعظ برائے وعظ نہیں کہتے تھے بلکہ مقامی ضرورتوں اور مخاطبین کے خاص حالات پر نظر کر کے کوئی موضوع وعظ کا تجویز فرمانے کی عادت تھی۔ اس میں بعض اوقات غور و فکر اور تحقیق احوال کی ضرورت بھی پیش آتی تھی۔ اب موضوع وعظ خود اس امیری کے تکبر کی اصلاح ٹھہر گیا۔ وہ وعظ تو خاصا طویل ہے یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں مگر اس کا فوری نتیجہ یہ ظاہر ہو گیا کہ نواب زادوں اور غرباء سے الگ رہنے والے امراء کو اپنی اصلی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور عدم حاضری کی یہ بنیاد ہی منہدم ہو گئی پھر حضرتؒ کی عام مجلسوں میں سب حاضر ہونے لگے۔

یہ تھا تبلیغ و دعوت کا وہ پیغمبرانہ اور حکیمانہ طریقہ جس نے بڑے بڑے مغروروں کو سیدھا کر دیا۔

حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ ہدیہ قبول کرنا سنّت ہے اور اسی لیے اکثر قبول کر بھی لیتا ہوں بشرطیکہ اس قبول کرنے سے میرے نفس کا یا دینے والے کے نفس کا کوئی دینی ضرر نہ ہو۔ نوابوں اور اُمراء کی اصلاح اس کے بغیر ہونا بہت دشوار ہے کہ ان کو پُورا یقین ہو جائے کہ یہاں ہمارے پیسے سے کوئی تقرب اور خصوصیت حاصل نہ ہوگی بلکہ صرف اصلاحِ اعمال و اخلاق دینی ہی کے ذریعے خصوصی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جس طرح خوشامد کا معاملہ

درست نہیں خشونت کا معاملہ بھی خلافِ سنت اور آداب دعوت کے منافی ہے ۔ آج کل اہل دعوت مصلحین امراء کے معاملے میں اسی افراط و تفریط میں پڑ جاتے ہیں اسی لیئے اثر نہیں ہوتا بلکہ الٹا اثر ہوتا ہے ۔

اچھا لباس پہننا کچھ بُرا نہیں بشرطیکہ تفاخر کے لئے نہ ہو

۴۳۔ فرمایا اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا جائے تو جائز ہے مگر تفاخر کے لئے پہنا جائے تو جائز نہیں ۔ اور دونوں میں فرق پہچاننے کیلئے علامت یہ ہے کہ جس کی خلوت اور جلوت میں فرق نہ ہو ۔ دونوں حال میں اچھا لباس پہنتا ہے تو یہ علامت لطافت مزاج کی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ان دونوں میں فرق ہو کہ خلوت میں معمولی لباس اور جلوت میں عمدہ کا اہتمام ہو تو وہ تفاخر کیلئے ہے جو حرام ہے ۔

کشف مغیبات کوئی دینی کمال نہیں وہ کافر اور مجنوں کو بھی ہو سکتا ہے، لوگ ہر صاحب کشف کے معتقد ہو کر بعض اوقات گمراہ ہو جاتے ہیں

۴۴۔ ارشاد فرمایا کہ غائب چیزیں یا آئندہ ہونے والے واقعات کا کشف نہ کوئی دینی کمال ہے نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کی علامت ہے اس کے لئے تو مسلمان یا عاقل ہونا بھی شرط نہیں ۔ غیر مسلم کو بھی کشف ہو سکتا ہے ۔ مجنون کو بھی کشف صحیح ہو سکتا ہے ۔ طب یونانی کی مشہور کتاب شرح اسباب میں دماغی امراض کے ذیل میں لکھا ہے کہ بہت سے پاگلوں کو کشف صحیح ہو جاتا ہے ۔ اور کافروں فاسقوں کے کشف صحیح ہونے کے تو سینکڑوں واقعات دنیا میں معروف و مشہور ہیں ۔

قدرۃ اللہ نامی ایک صاحب تھے جنھیں خود بخود کشف قبور ہونے لگا تھا اور کشف بھی اکثر صحیح ہوتا تھا مگر وہ نماز تک کے پابند نہیں تھے ۔ وہ ایک قبر پر گئے تو بتلایا کہ صاحبِ قبر کھڑے ہوئے صندل کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ تحقیق کرنے پر ان کے ایک خاص دوست نے بتلایا کہ واقعی صاحب قبر صندل ہی کی تسبیح رکھتے تھے جس سے ان کو خاص محبت تھی اس لئے اس دوست سے کہا تھا کہ میرے دفن کے وقت یہ تسبیح میری قبر میں رکھ دینا۔ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ قدرۃ اللہ صاحب ایک قبر کے پاس نماز پڑھنے لگے ۔ اچانک چونک اٹھے اور کہا کہ اس قبر میں مردہ پر عذاب ہو رہا ہے اور وجہ عذاب کی یہ ہے کہ اس کے پاس کسی شخص کی امانت تھی۔ اس نے طلب کیا تو یہ مکر گیا اور امانت واپس نہ دی۔ قدرۃ اللہ صاحب کو اس سے پہلے اس مردہ کا نام اور حال کچھ معلوم نہ تھا ۔ جب تحقیق کی گئی تو اس کی بیوی نے اقرار کیا کہ واقعی بات صحیح ہے یہ میرے شوہر تھے انھوں نے فلاں شخص کی امانت لے کر واپس دینے سے انکار کر دیا۔

غرض یہ کہ مغیبات کا کشف ایک جسمانی باطنی قوت کے تابع ہے وہ کافروں فاسقوں، دیوانوں کو بھی کبھی حاصل ہو جاتی ہے اس سے کشف ہونے لگتا ہے اور کشف بھی اکثر صحیح ہوتا ہے ۔ ان چیزوں کو تقرب الی اللہ اور بزرگی میں کوئی دخل نہیں ۔ آج کل لوگ عجائب پسند ہو گئے ہیں۔ جسکو صاحب کشف دیکھا اس کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ان میں بہت سے لوگ خود گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں ۔

حق و باطل اور مقبول و مردود کا اصل معیار صرف اتباع شریعت و سنت ہے جو اس معیار پر پورا نہ اُترے وہ ولی و مقتدا نہیں گمراہ ہے ۔ خواہ اس کو کتنے ہی کشف صحیح ہوتے ہوں ۔

ضعف و ناتوانی بھی ایک نعمت ہی ہے اس سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے

۲۵۔ فرمایا کہ ضعفاء اور بیکس و بے سامان کو رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے

کیونکہ ماں باپ کمزور بچے کی حفاظت کی زیادہ فکر کرتے ہیں۔ (انتہیٰ)۔

احقر جامع کہتا ہے کہ حق تعالیٰ جو مربی خلایق ہیں۔ ان کی نظر بھی ایسے کمزوروں خستہ حالوں پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

انا عند المنکسرۃ قلوبھم۔ یعنی میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔

دانائے روم نے خوب فرمایا ہے ؎

طفل تا گیران و تا پویان نبود　　مرکبش جز گردن بابا نبود

اور دوسری جگہ فرمایا ؎

کاہلم من سایۂ خسپم در وجود　　خفتتم اندر سایۂ احسان وجود

کاہلان و سایۂ خسپان را مگر　　روزئیے بنہادۂ نی نوع دگر

طفل را چون پا نباشد مادرش　　آید و ریزد وظیفہ بر سرش

چون زمین را پا نباشد جود تو　　ابر را راند بسوئے او دو تو

قوت و ضعف و سامان و بے سامانی سب خالق و مالک کی طرف سے ہے ہر ایک کے ساتھ اس کے آثار و خواص آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر ایک کے ساتھ مختلف عنوان و صورت سے آتی ہیں اس لیے غیر اختیاری معاملات میں اللہ تعالیٰ نے جس کو جس حال پر پیدا فرما دیا ہے اور جس حال میں رکھا ہے اسی کو عین حکمت و مصلحت سمجھ کر اس پر راضی رہنا چاہیے۔ غیر اختیاری امور سعی و عمل کا میدان نہیں۔ خلقی کمزور پہلوان بننے کی تمنا کرے۔ کالا آدمی گورا بننے کی ہوس کرے۔ نسبی طور پر کمزور اعلیٰ نسب بننے کی جدوجہد کرے یہ سب لغو و بیکار ہے ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ حکیم ہیں ہمیں جس حال میں رکھا ہے ہمارے لئے وہی خیر اور بہتر ہے۔ دوسرا حال ہوتا تو معلوم نہیں ہم کس گمراہی کا شکار ہو جاتے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لاتتمنّوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض ہ
یعنی " ایسے امور کی تمنا بھی نہ کرو جن میں اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دے دی ہے۔

اس کا تعلق غیر اختیاری امور سے ہے۔ اختیاری امور کا حکم اس سے مختلف یہ ہے کہ ان میں جد و جہد کر کے آگے بڑھنے کی فکر کرو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

سابقوا الٰی مغفرۃ من ربکم عرضھا السمٰوٰت والارض۔
یعنی " آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کا عرض تمام آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ پر چند اشکالات اور لطیف جواب

۲۶۔ فرمایا کہ قرآن کریم میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بغرض تکمیلِ علم کے سفر کرنا مذکور ہے۔ اس میں حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان کے کسی کام پر ٹوکیں گے نہیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر کیوں قایم نہ رہے کہ بار بار ان کے کاموں پر ٹوکا۔ حضرت رح نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو۔ خلاف شرع تو وعدہ توڑنا لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایسا وعدہ جس کے خلاف کرنے پر دوسرے فریق کا کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو اس کا ایفاء بھی واجب نہیں ہوتا۔

تین واقعے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر کو ٹوکا۔ ان میں ایک واقعہ تو ظاہر شرع کے بالکل خلاف تھا کہ لڑکے کو قتل کر دیا۔ اور دو اور واقعے۔ کشتی توڑنے کا اور دیوار سیدھا کرنے کا گو خلاف شرع اور ناجائز نہ تھے

مگر حالات کے تابع خلاف استحباب و مروت تھے۔ پیغمبران چیزوں پر صبر نہیں کر سکتے اور نہ کرنا چاہیے اس لئے مجبور ہو کر ٹوکا۔ خصوصاً یہ بھی معلوم تھا کہ ان چیزوں پر ٹوکنے میں حضرت خضر علیہ السلام کا کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔ (انتہیٰ)

یہاں دو باتیں ادب شریعت کے متعلق اور قابل نظر ہیں۔ اول تو یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ واقعات ایسے پیش آویں گے جو شریعت کے خلاف ہوں اس لیے یہ وعدہ کر لیا کہ

ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا — یعنی "آپ انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے۔

اعصی لک امرا۔ — اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کرونگا۔

پھر جب کشتی توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کو مروت و اخلاق کے خلاف سمجھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے

لقد جئت شیئا امرا۔ — یعنی "یہ کام تو آپ نے بہت عجیب کیا کہ اپنے احسان کرنے والے کشتی بانوں کو نقصان پہنچا دیا۔

اس وقت حضرت خضر نے وعدہ یاد دلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نسیان کا عذر کر کے آگے کو وعدہ کی پابندی کا اقرار کیا۔

مگر جب دوسری مرتبہ بچے کے قتل کا معاملہ سامنے آیا جو ظاہر شریعت کی رو سے بالکل حرام تھا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر شدت سے ٹوکا۔ اور حضرت خضر نے پھر پچھلا قول و قرار یاد دلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی نسیان وغیرہ کا عذر بھی نہیں کیا اور آیندہ کے لئے اس وعدہ پر قایم رہنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں آیندہ آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ وجہ یہ تھی کہ ایک اللہ کا نبی اپنے منصبی فریضہ کی بناء پر کھلے ہوئے خلاف شرع پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ اور نہ اس کا وعدہ کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو شریعت کے آداب کی پابندی اس طرح واضح ہو گئی اور دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی ظاہر شریعت

کے احترام کو ملحوظ رکھا کہ لڑکے کا قتل جو شریعت کی رو سے حرام تھا اس واقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا نہیں کیا بلکہ تیسرے واقعہ میں جو دیوار کے سیدھا کرنے کا معاملہ تھا وہ کسی طرح بھی خلافِ شرع نہیں تھا۔ خلافِ مصلحت کہا جا سکتا تھا اس پر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ٹوکا تو اس وقت فرمایا

ھذا فراق بینی وبینک۔ یعنی "اب ہمارے اور تمہارے درمیان جُدائی کا موقع آ گیا"

دیکھئے اس پورے واقعہ میں شریعت کے احترام کا دونوں طرف سے کس طرح اہتمام کیا گیا ہے۔ اب جاہل مدعیان تصوف نے اس واقعہ کا یہ نتیجہ نکال رکھا ہے کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز۔ جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ طریقت میں جائز ہو سکتی ہیں۔ معاذ اللہ یہ کھلا ہوا انکار شریعت ہے۔ طریقت کی حقیقت شریعت پر عمل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ جو طریقت شریعت کے خلاف ہو وہ الحاد و زندقہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے خلاف شرع کام کو کیسے اختیار کر لیا جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض کرنا پڑا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور صاحبِ وحی تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر اس پر عمل کر رہے تھے اور شریعت کے مقررہ قانون میں خود وحی الٰہی کے ذریعہ تبدیلی اور استثنائی صورتیں ہونا کوئی امر مستبعد نہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی خبر نہ تھی۔ جس نے حضرت خضر علیہ السلام کیلئے شریعت کے عام قاعدہ سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اس لئے انھوں نے ضابطۂ شریعت کے مطابق اس پر اعتراض کرنا ضروری سمجھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جو بھائیوں کی طرف چوری منسوب کیے جانا مذکور ہے اگرچہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی۔ ایسی حالت میں ان کو چور قرار دینا شرعًا جائز نہیں تھا۔ اس کی بھی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام صاحبِ

وحی ہیں، ان کو بطور استثناء یہ اجازت مل گئی ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ شکل صرف اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ ایسا کرنے والا نبی اور صاحب وحی ہو۔ کوئی ولی صاحب کشف و الہام ایسا ہرگز نہیں کرسکتا کیونکہ کشف و الہام کوئی حجت شرعی نہیں اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہوسکتا۔ جاہل صوفیوں نے جو اس واقعہ کو خلاف شرع امور کے ارتکاب کیلئے وجہ جواز بنالیا ہے وہ سراسر گمراہی ہے۔ اب نہ کوئی نبی آسکتا ہے نہ کسی پر وحی آسکتی ہے نہ شریعت کے حکم کے خلاف کوئی استثناء ہوسکتا ہے۔

کسی بزرگ کی افضلیت معلوم کرنے کیلئے دلائل اور صفات کمال معلوم کرلینا کافی نہیں

۲۷۔ فرمایا کہ محض صفات کمال اور دلائل کے ذریعہ یہ متعین نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں بزرگ فلاں سے افضل ہے بلکہ اس کا اصل مدار اس پر ہے کہ ان کے معاصر بزرگ اور علماء ان دونوں میں سے کس کو افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جس کو وہ افضل سمجھیں وہی افضل ہے۔

صالحین سے بھی غلطی ہوسکتی ہے مگر جب انکو متنبہ کیا جائے تو فوراً باز آجاتے ہیں

۲۸۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اول میں صدر مدرس تھے۔ اوائل عمر میں ان کو سرکاری ملازمت کی نوبت آئی۔ اجمیر شریف میں مدارس کے انسپکٹر مقرر ہوئے۔ وہاں ایک صاحب فن موسیقی کے بڑے استاد اور ماہر تھے۔ مولانا جامع علوم و فنون اور ہر فن میں بڑے

محقق تھے۔ ہر علم و فن کے حاصل کرنے کا شوق تھا اس ماہر موسیقی سے یہ فن بھی سیکھ لیا اور اس فن میں بڑے ماہر ہو گئے۔

ایک روز اپنے بالاخانہ پر موسیقی میں مشغول تھے نیچے سے ایک مجذوب گذرے اور پکار کر کہا:

"مولوی تیرا یہ کام نہیں تو دوسرے کام کیلئے ہے۔"

یہ سننا تھا کہ اس کام سے بالکل نفرت ہو گئی۔ اور اسی وقت توبہ کر لی۔ ان کی توبہ کی خبر ان کے استاد کو پہنچی تو اس نے بھی توبہ کر لی۔ (انتہیٰ)

۱۴ رمضان ۱۳۴۷ھ

ایک مختصر جامع دُعاء

۲۹۔ فرمایا کہ نماز کے بعد کیلئے میں نے ایک مختصر جامع دعاء اختیار کر رکھی ہے جس میں اپنے اور سب مسلمانوں کیلئے دین و دنیا کے سارے مقصد کی دُعاء آجاتی ہے۔ وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ کُلَّ خَیْرٍ لِّکُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب کی حکیمانہ نصیحت

۳۰۔ فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب رحمہ بڑے حکیم اور دانشمند تھے۔ اپنے طلباء اور مریدین کو نصیحت فرماتے تھے کہ علمی سبق ہو یا ذکر و تسبیح۔ اس کے لئے جتنا وقت متعین کیا ہے اس کو بالکل آخر تک نہ پہنچاؤ ذرا پہلے چھوڑ دو۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ دوبارہ اس کام کی طرف جلد رغبت ہوگی اور اگر آخر تک پہنچا کر اور تھک کر چھوڑا تو دوسرے وقت اس کی طرف رغبت جلد نہ ہوگی جیسے اطباء کا قول ہے کہ کھانا بالکل پیٹ بھر کر نہ کھاؤ بلکہ تھوڑی سی بھوک اور رغبت باقی ہو اس وقت چھوڑ دو تو دوسرے وقت کھل کر بھوک لگے گی۔ اور فرمایا کہ بچوں کا کھیل چکنی یا چکڈور دیکھتے ہو کہ جب اس کو چلاتے ہیں تو تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ آسانی

واپس آجائے اگر پوری ڈور کھول دیں تو پھر لپیٹنے اور واپس آنے میں بڑی دیر لگتی ہے۔

نوعمر لڑکوں سے اختلاط میں احتیاط لازم ہے

۲۰۔ فرمایا کہ میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا ہوتا ہوں کسی نوعمر لڑکے کو نہ بھیجا کریں۔ مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز اور احتیاط کرنے لگے۔

اصلاحِ خلق میں حسنِ تدبیر کے چند واقعات

۳۱- **جگر مراد آبادی شاعر مرحوم کی شراب سے توبہ کا واقعہ** شاعرانہ آزادی کے زمانہ میں مرحوم کو اس بلاء کی عادت پڑ گئی تھی مگر قدرت نے دل میں بزرگوں کی محبت و عقیدت رکھ دی تھی اسی نے دستگیری کی اور اس دنیا و آخرت کے عذاب سے مکمل نجات حاصل ہوئی۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک روز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی مجلس میں میں احقر بھی حاضر تھا۔ ہمارے محترم بزرگ خواجہ عزیز الحسن نے یہ ذکر کیا کہ جگر مراد آبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور حضرت کی زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب کو نہیں چھوڑ سکتا اس لیے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں۔

حضرت رح نے پوچھا کہ پھر آپ نے کیا جواب دیا۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا کہ ہاں یہ بات تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے

تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں مگر معلوم ہوا کہ ہمارا یہ خیال غلط تھا۔
خواجہ صاحب نے تعجب کے ساتھ سوال کیا کہ حضرت اگر میں یہ جواب نہ دیتا تو پھر کیا کہتا۔ حکیم الامۃ قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہدیتے کہ جس حال میں ہو اسی پر چلے جاؤ ممکن ہے کہ یہ زیارت و ملاقات ہی اس بلاء سے نجات کا ذریعہ بن جائے حضرت رح در حقیقت حکیم الامۃ اور امراض نفسانی کے حاذق طبیب تھے آپ نے جگر صاحب کے طرزِ کلام اپنے فعل پر ندامت اور بزرگوں کی محبت کے داعیہ سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ آئیں گے تو ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ اسلئے مذکورہ جواب دیا۔

خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنا دیا۔ ان کی ہدایت و اصلاح کا وقت آگیا تھا۔ حضرت رح کے یہ کلمات سنتے ہی زار زار رونا شروع کیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب کے چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہو گئی اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کی اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی۔ آپ خود حضرت حکیم الامت سے مسئلہ دریافت کر لیجئے۔
مگر وہ جگر والے آدمی تھے عزم پختہ کر چکے تھے سب کے جواب میں کہا کہ اب تو چھوڑ چکا ہوں۔ اگر میری زندگی مقدر ہے تو انشاء اللہ اس کو چھوڑ کر ہی زندہ رہوں گا اور اللہ کے نزدیک وقت مقدر آگیا ہے تو آخر وقت میں اس ناپاک ام الخبائث سے اپنے منہ اور زبان کو کیوں ناپاک کروں۔
اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد اور قدرتِ کاملہ سے چند روز کے بعد شفاء کامل حاصل ہوئی۔ اب ظاہر اور باطنی مرض سے شفاء حاصل کرنے کے بعد تھانہ بھون کا قصد کیا جس روز وہ تشریف لائے۔ اتفاقاً احقر اس روز بھی تھانہ بھون میں حاضر تھا۔ حضرت نے بڑے

احترام اور محبت کا معاملہ فرمایا۔ اور دیر تک معارف و حقائق کا بیان ہوتا رہا جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت نے ان سے فرمایا کہ مجھے آپ کا ایک شعر ہی بہت پسند ہے۔ بار بار پڑھا کرتا ہوں اگر میں کسی شاعر کو شعر پر انعام دیتا تو اس شعر پر آپ کو بہت بڑا انعام دیتا وہ شعر یہ ہے:

تیری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

اب یہ یاد نہیں کہ خود جگر صاحب نے درخواست کی کہ میں اپنی کوئی غزل سناؤں یا حاضرین مجلس میں سے کسی نے درخواست کی جس پر حضرت نے اجازت دے دی، اس وقت جگر صاحب مرحوم نے اپنی چند غزلیں مجلس میں سنائیں ایک غزل کے تین یہ شعر مجھے یاد رہ گئے ؎

بے کیف مئے ناب ہے معلوم نہیں کیوں!
پھیکی شب مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں
ساقی نے دیا تھا جو بصد عرض تمنا
وہ جرعہ بھی زہرآب ہے معلوم نہیں کیوں
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن
کشتی سے تہِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

یہ پہلی ملاقات کی باتیں تھیں۔ اس کے بعد تو آمد و رفت اور خط و کتابت کا سلسلہ چل پڑا جن میں بعض خطوط غالباً شائع بھی ہو چکے ہیں۔

کالج کے ایک طالبعلم کا واقعہ

۳۲۔ غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرتؒ کا بیان ہوا۔ مخاطب کالج کے لڑکے اور اساتذہ تھے۔ اس بیان میں حضرتؒ جدید تعلیم سے پیدا شدہ شبہات کا ذکر فرما رہے تھے جو اسلام کے اصول و فروع کے متعلق اکثر لوگوں کو پیش آتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ان شبہات و اشکالات میں صرف نصابِ تعلیم ہی کا قصور

نہیں بڑا سبب وہ کالجوں کا لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے جسکی وجہ سے قلوب میں اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عظمت و محبّت باقی نہیں رہتی جو ایمان کیلئے ضروری ہے اور یہ عظمت و محبّت بزرگوں کی صحبت و مجالست سے نصیب ہو سکتی ہے اور پھر فرمایا کہ بزرگ عُلماء و صلحاء کی مجلسیں بحمداللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں۔ کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں۔ اور زیادہ نہیں تو اپنی تعطیلات کا کچھ حصّہ ہی اِس کام کیلئے خرچ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو مجھے اُمید ہے کہ شبہات کا بیج ہی دِلوں میں سے نکل جائیگا اور خود بخود صحیح جواب سمجھ میں آنے لگے گا۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؛ حضرت نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال و افعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ یہ صاحب بولے کہ وہ اعمال و افعال کیا ہیں؛ حضرت نے فرمایا کہ مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں سب یکساں نہیں۔ یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے کہنے لگے کہ مثلاً مجھ میں کیا ہیں۔ آج کل کے عام وضع طلباء کی طرح اُن کی بھی داڑھی صاف تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ بعض چیزیں تو ظاہر ہیں مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیاء مانع ہے اور باقی آپ کے حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کر سکوں۔

یہ جلسہ ختم ہوا۔ حضرت تھانہ بھون واپس آگئے۔ پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب کا خط آیا (یہ مجھے یاد نہیں کہ یہ وہی طالب علم تھے جنھوں نے سوالات کئے تھے یا کوئی اور) خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں۔ اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑبڑ ہے ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا جس حالت میں ہیں چلے آئیں کوئی فکر نہ کریں۔ یہ صاحب

آگئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں ان کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر اس کی صورت یہ کرنا ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں۔ اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں کوئی سوال نہ کریں۔ جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کرنے کا مستقل وقت دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ اپنے پاس لکھ کر رکھیں گے اگر اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے اسی طرح تعمیل کی۔ رخصت سے تین روز پہلے جب حضرت نے ان کو سوالات کا وقت دیا تو انھوں نے بتلایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دورانِ قیام اور حضرت کی باتیں سنتے سنتے ان میں سے اکثر سوالات کے جوابات خود سمجھ میں آگئے ان کو کاٹتا رہا اب صرف چند سوال باقی ہیں اس مجلس میں وہ باقی ماندہ سوالات پیش کئے تو بڑی آسانی سے ان کے جوابات بھی حضرت رح نے بتلا دیئے اور یہ صاحب ہمیشہ کیلئے مطمئن ہو کر تشریف لے گئے۔

ایک دوسرے طالب علم کا ایسا ہی واقعہ

۲۲۔ غالباً علی گڑھ کالج کے ایک طالب علم نے حضرت رح کی خدمت میں خط لکھا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں مگر میری شکل و صورت اور لباس وغیرہ بھی شریعت کے خلاف ہے اور اعمال بھی۔ مجھے اجازت دیں تو حاضر ہو جاؤں۔

اس کے جواب میں حضرت رح نے فرمایا کہ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ اعمال کے اعتبار سے آپ کا ظاہر خراب ہے اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر جانتا ہوں کہ میرا باطن خراب ہے۔ دونوں کے مرض مختلف ہیں۔ اگر ایک طرح کا مرض دونوں کا ہوتا تو مل بیٹھتے۔ اس حالت میں تکلیف کرنا مناسب نہیں۔

یہ دونوں واقعات حضرت رح نے خود سنائے اور فرمایا کہ پہلے شخص کے خط پر

دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ اطمینان پیدا کر دیا کہ ان کو نفع کی توقع نہیں۔ اسلیے روک دیا۔

مگر یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ نظر اور یاد رکھنے کی ہے کہ روکنے کیلئے جو عنوان حضرت حکیم الامتہ نے اختیار فرمایا اس میں مخاطب کی رعایت بھی ہے کہ ان کی دلشکنی نہ ہو اور ان پر کوئی عیب گیری بھی نہ ہو اور اپنے نفس کی اصلاح بھی کہ اپنی پاکی اور نیکی کا دعویٰ بھی نہ ہو۔ حضرت رہ کے کلام میں اس طرح کی دقیق رعایتیں عموماً ہوتی ہیں جو ہر ایک کیلئے آسان نہیں۔

نیکی کی طرف جو قدم بھی اٹھے نفع سے خالی نہیں

۳۴۔ ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو آخر شب میں عبادت کیلئے اپنے بستر سے چھوڑ دیتے ہیں۔ تتجافی جنوبھم من المضاجع کا یہی مفہوم ہے اس کے اصلی مصداق تو وہی لوگ ہیں جو بستر سے چھوڑ کر وضو کر کے نماز و عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دینی کمزوری یا سستی کے سبب یہ کچھ نہ کر سکے اور صرف بستر پر ہی اٹھ کر بیٹھ جائے اور چند منٹ کچھ اللہ کا نام لے لے۔ وہ بھی انشاء اللہ اس صورت تعمیل کی وجہ سے کچھ نہ کچھ حصہ ان کے ثواب کا پالے گا۔

دارالعلوم دیوبند کے متعلقین کیلئے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی دُعاء

۳۵۔ فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے وقت ایک انگریزی تعلیم کے دلدادہ نے کہا کہ اس مدرسہ سے کیا ہوگا دو چار قل اعوذ دیئے اور بڑھ جائینگے۔

اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ انھوں

نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ اس مدرسہ میں پڑھنے والوں کو معاشی پریشانی پیش نہ آئے۔ پھر فرمایا کہ منجانب اللہ مجھ سے وعدہ ہوگیا ہے کہ اس دارالعلوم سے کسی تعلق رکھنے والے کی آمدنی دس روپیہ ماہوار سے کم نہ ہوگی۔

یہ آج سے تقریباً سو سال پہلے کا واقعہ ہے اس وقت کے دس روپے آج کل کے ڈیڑھ سو دو سو روپے کے برابر تھے۔

کسی کو پیچھے سے پکارنا آداب معاشرت کے خلاف ہے

۳۶۔ فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے امام ابویوسفؒ کو ایک وصیت یہ بھی فرمائی تھی کہ جو شخص تمہیں پیچھے سے پکارے اس کو جواب نہ دو۔ کیونکہ یہ طریقہ جانوروں کو ہکلانے کا ہے اس نے تمہارے ساتھ وہ معاملہ کیا جو جانوروں کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے مستحق جواب نہیں۔

معاشی پریشانی کا علاج آمدنی بڑھانے کے بجائے خرچ کم کرنا ہے

۳۷۔ فرمایا کہ الٰہی بخش صاحب رئیس میرٹھ حکیمانہ دماغ رکھتے تھے انھوں نے ایک بڑے کام کی بات فرمائی کہ لوگ معاشی پریشانیوں کو دور کرنے کیلئے اسکی تو بہت فکر کرتے ہیں کہ آمدنی بڑھائیں جو عادۃً ان کے اختیار میں نہیں۔ مگر اسکی فکر نہیں کرتے کہ خرچ گھٹائیں خصوصاً غیر ضروری اخراجات کو بہت کم کریں حالانکہ یہ ہر ایک انسان کے اختیار میں ہے۔

ضابطہ کی پابندی کا ایک عجیب نمونہ

۳۸۔ ارشاد فرمایا کہ ریاست بھوپال کے ایک وزیر صاحب ضابطہ کے بڑے پابند تھے۔ اپنی گھریلو زندگی کی نشست و برخاست، سونے

جاگنے، کھانے پینے غرض ہر چیز کے ضابطے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان کی پوری پوری پابندی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کو کسی شخص نے خط میں گالیاں لکھ کر بھیج دیں۔ خط کو پڑھا اور اس کی ایک باقاعدہ مسل بنا کر اس میں یہ خط رکھا اور خط پر یہ لکھ دیا کہ یہ اس شخص کی ذاتی رائے ہے اس میں بُرا ماننے کی کوئی بات نہیں ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہے۔

تلاوت میں قواعد تجوید کی رعایت کی حدود

۳۹۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تلاوت قرآن صرف قواعد تجوید اور صفات ہی کی رعایت کر کے پڑھے کسی خاص لہجہ کو اختیار نہ کرے تو کبھی اچھا نہیں پڑھا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ علماء نے آداب تلاوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں کسی کافر کا قول نقل کیا جائے تو آواز کو کچھ پست کر دینا مناسب ہے۔

اصطلاحات فنون کی تسہیل کا ارادہ

۴۰۔ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمام علوم و فنون کی خاص اصطلاحات کو نہایت آسان کر کے اردو میں لکھ دیا جائے جس سے ایک عام آدمی بھی اصطلاحات کو سمجھنے لگے۔

انبیاء علیہم السلام سے زلات کا صدور عین رحمت و حکمت ہے

۴۱۔ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو مقام بلند اپنے قُرب کا عطا فرمایا ہے اور ان کو تمام گناہوں سے معصوم بنایا ہے جس طرح یہ ان کی رحمت و نعمت ہے اسی طرح کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام سے بعض معاملات میں زَلّت (لغزش) ہونے کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ وہ بھی عین حکمت و رحمت ہیں ان میں

ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو انبیاء کی خدائی کا وہم وشبہ نہ ہونے لگے زلات کے صدور اور ان پر حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات یہ واضح کر دیتی ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہر حال میں ترقی ہی ہوتی رہتی ہے جن چیزوں کو زلات کہا جاتا ہے۔ انجام کار ان کے حق میں وہ بھی ترقی کا ذریعہ بنجاتی ہیں کہ وہ ان پر متنبہ ہو کر گریہ وزاری اور استغفار کرتے ہیں۔

سفر حج کیلئے شرائط وآداب

۴۲۔ ایک صاحب حج کا ارادہ رکھتے تھے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں اجازت لینے کیلئے حاضر ہوئے مولانا کو ان کی بے سروسامانی معلوم تھی فرمایا جہاں جاتے ہو اس کوچے کی شرائط بھی جانتے ہو کیا ہیں۔ اس صاحب نے بیساختہ یہ اشعار پڑھ دیئے۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجان — شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

یہ صوفیانہ رنگ کا جواب تھا جس کا طبعی اثر تو مولانا پر بھی یہ ہوا کہ ایک چیخ نکل گئی۔ مگر پھر شیخ کامل تھے سنبھل کر فرمایا کہ شرعی شرائط کے مقابلہ میں سب ہیچ ہے۔

درحقیقت طریقت وتصوف کو بھی انھیں حضرات نے پورا سمجھا تھا احوال و مواجید اپنی جگہ مگر سب پر شرعی حدود کا پہرہ لگا ہوا۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ایک ملفوظ

۴۳۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا حضرت نے قبول فرمایا اور لیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہدیہ شاہدِ محبت ہے۔ (یہ تو ان کی دلداری

کی بات تھی مگر یہ سوچ کر شاید ان لوگوں کو افسوس ہوتا جو ہدیہ پیش کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ اس لئے منع) فرمایا کہ جو ہدیہ نہ دے وہ بھی ایک معنی رکھتا ہے کہ جب مدعا واضح ہو تو شاہد کی حاجت نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ریاست رامپور میں

۴۴۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کسی دینی ضرورت سے ریاست رامپور تشریف لے گئے تھے نواب صاحب کو اطلاع ملی تو اپنے یہاں آنے کی درخواست کی۔ مولانا نے یہ کہلا بھیجا کہ میں دیہاتی آدمی ہوں امراء کے آداب سے واقف نہیں۔ اس لیے طرفین کے واسطے بے لطفی رہے گی۔

جنات تابع کرنے کا عمل

۴۵۔ فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ سے (قلمی مسودہ میں اس جگہ کسی بزرگ کا نام نہیں لکھا معلوم نہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ مراد ہیں یا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) جنات تابع کرنے کا عمل پوچھا تو فرمایا کہ میرے پاس ایسے عمل ہیں اور بہت آسان بھی ہیں۔ آپ کرو گے تو ہو بھی جائیں گے۔ مگر ایک بات سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بندہ بننے کیلئے پیدا کیا ہے خدا بننے کیلئے نہیں کہ دوسری مخلوق کو اپنے تابع کرتے پھرو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اسی وقت ایسے عملیات سے نفرت ہو گئی۔

جہر آمین اور رفع یدین کے مسئلہ میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ کا مکالمہ، احیاء سنت کی صحیح تفسیر

۴۶۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ نے بعض حنفیوں کے غلو کو دیکھ کر خود جہر آمین اور رفع یدین شروع کر دیا۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے ان سے فرمایا کہ

جہر آمین اور رفع یدین بلاشبہ سنت سے ثابت ہیں اور بہت سے آئمہ مجتہدین کا اس پر عمل ہے۔ اگر اس پر کوئی عمل کرے تو فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں لیکن جہاں سب لوگ حنفی ہیں وہاں اس عمل سے لوگوں کو خواہ مخواہ تشویش ہوتی ہے جس سے بچنا بہتر ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہید رح نے عرض کیا کہ حضرت حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اس جگہ یہ سنت مردہ ہو رہی ہے اس لیئے میں اس کو زندہ کرتا ہوں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رح نے فرمایا کہ میاں اسمٰعیل ہم تو سمجھتے تھے کہ تم بڑے فاضل عالم ہو گئے ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ سنت کا مردہ ہونا وہاں صادق آتا ہے جہاں سنت کے خلاف کسی بدعت نے جگہ لے لی ہو۔ اور جہاں ایک سنت کے مقابلہ میں دوسری سنت ہو اور آئمہ مجتہدین میں اختلاف ہو کوئی اس سنت کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتا ہے کوئی اس کے مقابل دوسری سنت کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتا ہے وہاں دونوں طرف سنت ہی سنت ہے کوئی بدعت نہیں اس لئے سنت مردہ نہیں تو پھر احیاء سنت کا اس موقع پر اطلاق کیسے صحیح ہوگا۔

کیونکہ جس طرح سنت سے جہر آمین اور رفع یدین ثابت ہے اسی طرح اخفاء آمین اور ترک رفع یدین بھی سنت ہی سے ثابت ہیں۔ دونوں میں راجح و مرجوح کا فرق آئمہ مجتہدین کا کام ہے ان میں سے کچھ آئمہ نے جہر اور رفع کو ترجیح دے دی کچھ آئمہ نے ترک جہر اور رفع راجح قرار دیا۔ یہاں دونوں طرف میں کوئی بھی بدعت نہیں جس سے سنت مردہ ہو۔ (انتہیٰ بمفہومہ)

احقر جامع کہتا ہے کہ آئمہ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور آئمہ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی دونوں جانبین معروف ہی فرد ہوتی ہیں اس لیے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ اور اپنے مسلک مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارک سنت ہونے کا الزام لگانا یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امام حدیث حافظ ابن عبد البرؒ مالکی نے اپنی کتاب جامع العلم میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے وہ اہل علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں جن میں آج کل کے بہت سے علما مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک پہنچ جاتے ہیں اور اکابر علما کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

خاص رشتہ داروں کو بیعت کرنا عام حالات میں خلافِ مصلحت ہے

۷۴۔ ارشاد فرمایا کہ میں اپنے خاص اقرباء کو عموماً بیعت نہیں کرتا جس پر مجھے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کے ایک واقعہ سے تنبّہ ہوا۔ کہ منشی امیر احمد نے (جو مولانا کے عزیز تھے) حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی تو مولانا نے فرمایا کہ تمہارا مجھ سے بیعت ہونا مناسب نہیں رشتہ داری کے قصوں میں تمہیں تنگی پیش آوے گی۔ اگر میری مخالفت کروگے تو دینی ضرر میں مبتلا ہوگے اور موافقت کروگے تو دنیاوی پریشانی لاحق ہوگی۔

ملحوظات حافظ ابن عبد البرؒ: حافظ المغرب ابن عبد البرؒ بہت بڑے محدث اور فقیہ متبع سنت عابد زاہد اور شب خیز تھے، مالکی المذہب تھے، علوم الحدیث، اسماء الرجال اور قرأت میں بہت باکمال تھے، بعد کے آنے والے مشائخ نے آپ کے علم کا لوہا مانا ہے اور آپ کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے آپکی کتابیں معروف و مشہور ہیں اور بہت زیادہ مفید ہیں جنمیں سب سے زیادہ ضخیم موطأ امام مالکؒ کی شرح کتاب التمہید ہے جو ستر جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسکے بعد اس شرح کو مختصر کیا اور اسکا نام الاستذکار رکھا، حالات صحابہؓ پر الاستیعاب معروفہ الاصحاب لکھی ہے' یہ بھی کافی ضخیم ہے، مالکی مذہب پر کتاب الکافی لکھی جو پندرہ جلدوں پر مشتمل تھی، آپکی ایک کتاب کتاب الانتقار اور دوسری جامع بیان العلم وفضلہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تالیفات ہیں۔ آپ کا نام یوسف اور کنیت ابو عمرو تھی، ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے آپ کا وطن قرطبہ تھا جو اسپین کا مشہور شہر ہے کسی زمانہ میں یورپ میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی، اسپین کے علاقے میں بڑے بڑے اکابر علماء پیدا ہوئے، خصوصاً قرطبہ اور شاطبہ میں تو بہت ہی باکمال حضرات پیدا ہوئے۔ علامہ ابن عبد البرؒ کو جلاوطن کر دیا گیا تھا، کچھ عرصہ تک شرق اندلس میں قیام فرمایا۔ شب جمعہ ربیع الآخر ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ یہ ربیع الآخر کی آخری تاریخ تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

تفویض و توکل کا صحیح مفہوم جو بہت سے شبہات کا حل ہے

۴۹۔ ارشاد فرمایا کہ دُعاء میں الحاح کرنا اور بار بار دُعاء کرتے رہنا یہ تفویض کے منافی نہیں۔ ہاں قبولیت دعاء کے آثار نظر نہ آنے پر پریشان ہونا منافی تفویض ہے۔ کیونکہ وہ اپنی تجویز سے پیدا ہوئی ہے اور تجویز و تفویض میں تضاد ہے۔

علمی اور عملی کمالات دینی میں بھی تفویض کا ایک درجہ یہ ہیں کہ ان کے حاصل کرنے کا بھی قصد کرے اور کوشش بھی کرے مگر اس کیساتھ عدم حصول پر بھی راضی رہے پریشان نہ ہو۔ (انتہی)

احقر جامع کہتا ہے کہ حدیث میں ایک خاص دعاء جو بالفاظ ذیل آئی ہے اس میں بھی اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ حدیث کی دعا یہ ہے:۔

اللّٰھم انی اسئلك الصحة و	یا اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں تندرستی
العفة والامانة وحسن الخلق	اور پاک دامنی اور امانت داری اور حسنِ
والرضی بالقدر۔	خلق اور آپ کی تقدیر پر راضی رہنا۔

اس دُعا میں پہلے تو چند دینی کمالات کے حاصل ہونے کی دُعا ہے آخر میں یہ دعا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر پر راضی رہوں خواہ وہ میری تمنا اور کوشش کے خلاف ہی ہو۔

اسی لئے حضرتؒ نے آخر کلام میں ارشاد فرمایا کہ یہ طریق (یعنی طریق تصوف) سہل ممتنع ہے کہ دیکھنے میں بڑا سہل ہے مگر حقیقت میں بڑا دشوار کہ متضاد چیزوں کو جمع کرنا پڑتا ہے۔

عبادت میں جی لگانا مطلوب ہے، جی لگنا چونکہ اختیاری نہیں اس کا حکم بھی نہیں

۵۰۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کے اندر جو وساوس اور خیالات انسان کو آتے ہیں ان کے دفع کرنے میں زیادہ تندہی سے پرہیز کرنا چاہیے کہ وہ مضر ہوتی ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ سوچنا چاہیئے کہ مقصود اللہ تعالےٰ کا راضی کرنا ہے اور وہ اپنے حد اختیار تک قلب کو فارغ کر کے عبادت میں لگ

جاننے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جو وساوس اور خیالات غیر اختیاری طور پر آتے ہیں وہ مضر نہیں اس لیے زیادہ اُلجھن میں نہ پڑے۔ اور اس کے باوجود وساوس و خیالات کے آنے پر جو طبعی رنج اس کو پیش آوے گا وہ مجاہدہ ہے اس پر مجاہدہ کا ثواب ملتا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں عبادت مع الوساوس پر اجر و ثواب زیادہ ملتا ہے ایک عبادت کا ثواب دوسرا مجاہدہ کا۔ (بشرطیکہ اپنے اختیار سے وساوس کی پرورش نہ کرے اور اُن میں خوض نہ کرے)۔

ہر وقت حضور حق کامل طور پر تو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتا اور جب اس حضور میں کوئی سالک کمی محسوس کرتا ہے تو طبعی طور رنج شدید ہوتا ہے وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ کہ اس میں صبر و تحمّل کا ثواب ملتا ہے۔

حافظ شیرازی نے خوب فرمایا ؎

باغبان گر چند روزہ صحبتِ گل بایدش — بر جفای خار ہجران صبر بلبل بایدش
ای دل اندر بند زلفش از پریشانی منال — مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش

خلاصہ یہ ہے کہ نماز و عبادت میں وساوس و خیالات سے نجات اور حضورِ قلب کی سعی اپنے اختیار کی حد تک ضروری ہے مگر پھر بھی اس میں کمی رہے تو پھر تفویض کے سوا کوئی چارہ نہیں ؎

گر گریزی بامید راحتے — ہم ازان جا پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست — جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

اموال میں حقوق کی رعایت کا شدید اہتمام

ارشاد فرمایا کہ میں مدرسہ اور مسجد کی املاک کو تو الگ رکھنے کی فکر کرتا ہی ہوں جو بہت ضروری ہے۔ اسی لئے مسجد کے پنکھوں پر نشان ڈال دیئے ہیں ان کو اٹھا کر کوئی میرے بیٹھنے کی سہ دری میں یا اپنی جائے قیام میں لے جا کر استعمال نہ کرے۔ اپنی خاص ملکیت اور اپنی ازواج (بیبیوں) کی ملکیت کو بھی الگ الگ رکھتا ہوں۔ جب کسی گھر میں کوئی

چیز دیتا ہوں تو یہ بتلا کر دیتا ہوں کہ یہ تمہاری ملک یا میری ملک ہے۔ پھر فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ بے فکر ہو کر زندگی نہیں گذارنا چاہیے۔ معلوم نہیں کس وقت موت آجائے اور حقوق مشترک رہ جائیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ اسی کا یہ اثر تھا کہ وفات کے بعد کسی ایک چیز میں بھی یہ اشتباہ پیش نہیں آیا کہ یہ حضرت کی ملکیت ہے یا گھر میں سے کسی کی۔ ایک ایک چیز لکھی ہوئی تھی۔

فرمایا کہ تقسیم میراث میں بہت سے اہل علم وصلاح بھی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تقسیم میراث سے پہلے مشترک مال میں سے ایصالِ ثواب کے نام پر بغیر اجازت سب ورثہ کے خرچ کر دیتے ہیں اور تبرکات کے نام کچھ اشیاء تقسیم کر دیتے ہیں جس میں دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو کر سب کام حرام ہو جاتا ہے۔

اور فرمایا کہ خصوصاً نابالغ بچوں کے حقوق کی حفاظت انتہائی ضرور ہے اس میں اکثر لوگ غفلت کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ نابالغ کی کوئی چیز اسکی اجازت سے بھی دوسرے کیلئے حلال نہیں ہوتی۔

کسی کے ذمہ نابالغ کا کوئی حق ہو تو کس طرح ادا کرے

۵۱۔ فرمایا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ نابالغ کا کوئی حق واجب ہو تو اس کے ادا کرنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اس کو کوئی ایسی چیز بنا کر دے دے جو خاص اسی کے استعمال میں آئے جیسے کپڑا۔ جوتہ وغیرہ۔

نابالغ کی ملکیت میں ماں باپ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ دوسرے کو دے دیں

۵۲۔ بچوں کیلئے جو جوتے۔ کپڑے عام گھروں میں بنائے جاتے ہیں ان میں احتیاطاً

ایسا کرنا چاہیے کہ ان کو بچوں کی ملک نہ بنائیں اپنی ہی ملکیت میں رکھیں تاکہ ایک بچہ کے بدن پر کپڑا چھوٹا ہو جائے تو وہ دوسرے بچے کو پہنا سکیں اور اگر کپڑا بچے کی ملک کر دیا گیا ہے تو پھر باپ کیلئے بھی یہ جائز نہیں کہ یہ کپڑا کسی دوسرے بچے کو پہنا دے۔

ترجمہ قرآن میں محاورہ اور ادب کی زیادہ رعایت کرنا کلام الٰہی کی شان کے خلاف ہے،

۵۳۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ قرآن کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اُسے اردو ادیب چاہے پسند کرتے ہوں مگر شاہانہ کلام سے بالکل بعید ہے۔

ایک مکالمہ

۵۴۔ ایک شخص نے حضرت سے پوچھا کہ نمازیں پانچ کیوں فرض کی گئیں؟

حضرت نے جواب دیا کہ آپ کی ناک مُنہ پر کیوں لگی کمر پر کیوں نہیں لگی۔

وہ کہنے لگے کہ کمر پر لگتی تو بدصورت معلوم ہوتی۔

حضرت رہ نے فرمایا کہ سب انسانوں کی ناک کمر ہی پر ہوا کرتی تو کیا ہوتا۔

وہ خاموش ہو گئے۔ (انتہیٰ)

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرتؒ نے بار بار فرمایا کہ احکام شرعیہ کی حکمتیں بہت سی معلوم بھی ہیں اور کوشش کرنے سے مزید معلوم بھی ہو سکتی ہیں چنانچہ خود حضرت کی مستقل کتاب اس موضوع پر "المصالح العقلیہ فی الاحکام النقلیہ" کے نام سے شائع شدہ موجود ہے۔ مگر فرمایا کہ بندہ کیلئے یہ شایان نہیں کہ احکم الحاکمین کے احکام کی لم اور حکمت کی تلاش میں رہے کیوں کہ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حکم کی حکمت نہ معلوم ہو سکی تو اس پر عمل کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ بندہ کا کام بندگی

اور تعمیلِ حکم ہے اور جتنا زیادہ کوئی شخص تعمیل حکم کی کوشش کرتا ہے۔ اتنا زیادہ اس پر احکام شرعیہ کی حکمتیں کھلتی جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں کہ اس کی حکمت ہمیں معلوم تو ہے مگر اس کا بتانا تمہارے لئے مضر ہے کیونکہ یہی علت لگ جائے گی ہر حکم شرعی کی مصلحت و حکمت کی تحقیق کرتے پھرو اور جو اصل اتباع کا حکم ہے وہ پورا نہ ہو اور فرمایا ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

۵۵۔ ارشاد فرمایا کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے مگر اپنا لباس اور وضع قطع ہمیشہ سادہ اور شریعت کے مطابق رکھی۔ ایک جرمنی عیسائی نے ان کو دور سے دیکھتے ہی کہا کہ یہ آدمی بہت شریف معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان کی نقالی کرتے ہیں ان کی نظر میں بھی یہ لوگ شرافت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ اور بالکل صحیح ہے جو اپنی قومی غیرت و حمیت نہ رکھے۔ دوسروں کی نقالی ہی کو فخر و سعادت سمجھے۔

اشغال مجوزہ صوفیہ اور ذکر جہری

۵۶۔ فرمایا کہ جب میں مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں مقیم تھا تو خیال آیا کہ غذائے روح میں حضرت نے جتنے اشغال نقل فرمائے ہیں سب کو دو دو دن کرکے دیکھوں مگر اس پر عمل کرنے سے پہلے حضرت سے اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ کوئی کتاب کا سبق تھوڑا ہی ہے کہ سب کو پڑھتے چلے جاؤ یہ تو عطار کی دکان ہے جس میں ہزاروں دوائیں ہیں ہر دوا ہر مریض کیلئے مفید نہیں ہوتی کہ جس کا جی چاہے جو دوا چاہے اس دواخانے سے لے کر کھالے۔

پھر فرمایا کہ صوفیائے کرام نے جو اشغال لکھے ہیں ان کی اصل صرف اتنی ہے

کہ ان کے ذریعہ جمعیت خاطر حاصل ہو جائے۔ وساوس و خیالات سے قلب فارغ ہو جائے۔ ان اشغال کی جزئیات تو سنت سے ثابت نہیں۔ مگر اس کی اصل سنت سے ثابت ہے نماز میں جو نمازی کے سامنے سترہ کھڑا کرنے کا حکم ہے اس کا مقصد بھی جمعیت خاطر ہے۔

ان اشغال کو اگر کوئی شخص طاعت مقصود سمجھ بیٹھے تو وہ بدعت ہو جائیں گے۔ جیسے زکام بخار وغیرہ میں گل بنفشہ پینا اگر کوئی اس کو طاعت مقصود سمجھنے لگے تو وہ بھی بدعت ہو جائے گا۔ ایک تدبیر صحت سمجھ کر استعمال کرے تو جائز ہے کیونکہ تحصیل صحت جائز بلکہ مامور بہ ہے اسی طرح ان اشغال کو جمعیت خاطر کی تحصیل کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے۔ عبادت مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے۔ یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے کہ جہر کو دفع وساوس اور جمعیت خاطر کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے خود جہر کو طاعت مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔

قبول ہدیہ کے متعلق امام غزالیؒ کی تحقیق پر اشکال اور جواب

۵۷۔ حضرت امام غزالی رح نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو ہدیہ اس نیت سے دے کہ یہ شخص صالح اور بزرگ ہے اور واقع میں وہ ایسا نہ ہو تو ہدیہ قبول کرنا اس کیلئے جائز نہیں اس پر مولانا رشید احمد صاحب کانپوری نے جو حضرت رح کے شاگرد تھے یہ سوال کیا کہ اس کا نتیجہ تو یہ ہے کہ ہدیہ کا لینا اور دینا کسی حال بھی جائز نہ ہو کیونکہ جس شخص کو صالح اور بزرگ سمجھ کر ہدیہ دیا جا رہا ہے اگر وہ خود بھی اپنا معتقد ہو، اور اپنے کو بزرگ صالح سمجھتا ہو تو یہ تزکیہ نفس ہے جو نص قرآن

ولا تزکوا انفسکم۔ اپنے نفوس کو عیب سے پاک نہ کہو۔

کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو صالح اور بزرگ نہیں سمجھتا تو امام غزالی رح کی تحقیق پر اسکو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

حضرت رح نے جواب دیا کہ امام غزالی رح کی مراد یہ ہے کہ جو شخص قصد کر کے

لوگوں کو اپنی بزرگی اور نیکی کا معتقد اسلئے بنائے کہ وہ اس کو ہدیہ دیں گے یہ حرام ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا فریب ہے۔ لیکن بغیر کسی کوشش اور قصد کے لوگ کسی کے معتقد ہو جاویں اور اس کو نیک بزرگ سمجھ کر ہدیہ پیش کریں وہ اپنے دل میں جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں۔ تو ایسی حالت میں قبولِ ہدیہ ممنوع نہیں۔

(جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ)

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ ۵۸ اوّل عمر سے عفیف اور متقی تھے۔ شہرت اور امتیاز سے سخت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ دو حرف علم کی وجہ سے شہرت کی بلاء میں مبتلا ہو گیا ورنہ میں تو کسی اور ہی طرح گمنامی کی زندگی گذارتا۔

علامہ شبلی نعمانی کا قول کہ قوم کی اصلاح صرف مقدس اور بزرگ ہستیوں سے ہو سکتی ہے

۵۹۔ ارشاد فرمایا کہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمتے جب دہلی میں نظارۃ المعارف قایم فرمایا تو تھانہ بھون آئے تھے انھوں نے فرمایا کہ میں علامہ شبلی نعمانی سے ملا، تو مسلمانوں کی عام بے راہروی اور پریشانی اور مبتلائے آفات ہونے کا تذکرہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں قوم کی اصلاح کی تدبیر کیا ہے۔ علامہ شبلی نے کہا کہ قوم کی اصلاح صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کا قوم پر مکمل اثر ہو اور یہ اثر بغیر تقدس کے نہیں ہو سکتا اور تقدس بغیر تقویٰ اور کثرت عبادت و ذکر اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مہمان کافر کا اکرام اور دینی مضرت سے احتیاط (۶۰) ارشاد فرمایا کہ اگر مسٹر گاندھی بھی میرے پاس آئیں تو میں ان کا بھی اکرام کروں گا مگر ایک شرط ضرور لگاؤں گا کہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کا یہاں موقعہ نہ دیا جائے گا۔

سیاسی تدابیر جو خلافِ شرع ہوں مسلمانوں کیلئے مفید نہیں ہوتیں کفار کیلئے مفید ہوں تو اس سے دھوکہ نہ کھائیں

۶۱۔ ارشاد فرمایا کہ سیاسی تدابیر جو کفر و اسلام سے مرکب ہوں جب اسکو کفار اختیار کرتے ہیں تو اسلام سے قریب ہوتے ہیں اس لئے کامیاب ہوتے ہیں اور جب مسلمان ان تدابیر کو اختیار کریں تو کفر سے قریب ہوتے ہیں اس لیئے ناکام ہوتے ہیں مسلمان قوم کا ایک خاص مزاج ہے اس کو کفار کی اقوام کے مزاج پر قیاس کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسا ایک "بوجھ بجھکڑ کا قیاس" مشہور ہے کہ

گاؤں کا ایک آدمی کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اور اب وہاں سے اترنا چاہا تو گرنے کا خطرہ ہوا۔ شور مچایا کہ لوگو میری جان بچاؤ کسی طرح یہاں سے اتارو۔ لوگ جمع ہو کر اپنے بوجھ بجھکڑ کے پاس گئے اور تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ ایک مضبوط لمبا رسّا لو اور درخت کے اوپر پھینک دو۔ اس شخص سے کہو کہ اپنی کمر میں باندھ لے پھر تم سب مل کر جھٹکا دو وہ نیچے آجاوے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سب عقلمند ہی لوگ جمع تھے اس کے کہنے پر پورا عمل کیا۔ کھجور پر چڑھا ہوا انسان ایک منٹ میں نیچے آ رہا مگر ہڈی پسلی کوئی سالم نہ رہی اور دم توڑ دیا۔ یہ لوگ اپنے مرشد بوجھ بجھکڑ کے پاس دوڑے کہ وہ تو مر گیا۔ بوجھ بجھکڑ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کو کیا کروں اس کی موت آگئی تھی اسے کون بچا سکتا تھا۔ ورنہ میری تدبیر تو بالکل سلامتی کی یقینی تھی میں نے اسی تدبیر سے بہت سے کنویں میں گرے ہوئے لوگوں پر استعمال کر کے ان کی جان بچائی ہے۔

بوجھ بجھکڑ نے کنویں کی گہرائی پر کھجور کی بلندی کو قیاس کر لیا اور اس غلط قیاس کا نتیجہ سامنے آگیا۔

اسی طرح مسلمان اللہ کے نزدیک بلندی پر ہیں، کفار پستی میں ہیں۔ ان

دونوں کی نجات کیلئے ایک ہی تدبیر مفید ہو نا ضروری نہیں ۔

نظم و انتظام ہر چیز میں مطلوب و محمود ہے

(۶۲) فرمایا کہ ہمارے ماموں صاحب درویش آدمی تھے مگر آزاد منش ۔ اس لئے بہت سی چیزوں میں مجھے ان سے اختلاف رہتا تھا ۔ وہ آیات وروایات سے اپنی فہم کے مطابق استدلال کیا کرتے تھے جو میرے نزدیک قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں تھے ۔ مگر ان کا ایک استدلال مجھے پسند آیا ۔ انھوں نے فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کی ذرہ (جنگ کیلئے لوہے کا لباس) بنانے کا طریقہ سکھلایا گیا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

قدّر فی السرد ۔ یعنی ذرہ کی آہنی کڑیاں ایک انداز کی ہونی چاہییں ۔

کیونکہ یہ کڑیاں اگر چھوٹی بڑی ہو جائیں تو گو جنگی مقصد میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا مگر فطری نظم کے خلاف ہے اور زرہ کا حسن اس سے مختل ہو جاتا ہے ۔

کسی بزرگ پر اعتقاد کا معیار

(۶۳) ارشاد فرمایا کہ میں جو اپنے بزرگوں کا معتقد ہوں اس کی بناء یہ نہیں کہ میں ان کو سب سے بڑا عالم سمجھتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک یہ احتمال موجود ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑے علماء موجود ہوں ۔

بلکہ میرے اعتقاد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ والے تھے ۔ دنیادار نہ تھے ۔ دنیا میں رہے ، مگر ان کو دنیا کی ہوا نہ لگی تھی ۔ دنیا کے جاہ و مال کی خواہش سے بالکل الگ تھلگ تھے ان کا جو کام تھا وہ دینی داعیہ اور دینی تقاضا تھا خواہ اس میں اپنی تمام ذاتی مصالح برباد ہو جادیں ۔ (۲۸ ربیع الثانی ۵۹ھ)

ایک آیت کی تفسیر سے شبہ کا ازالہ

۶۴ ۔ ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت ؎ ۔

لم تقولون ما لا تفعلون۔ یعنی "کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہیں کرتے"
اس کے ظاہر سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ جو شخص خود کوئی نیک عمل نہیں کر رہا اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسروں کو اس نیکی کی طرف دعوت دے حالانکہ تصریحات یہ غلط ہے۔ اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو دعوت پر محمول کر لیا حالانکہ یہ آیت دعوت کے متعلق نہیں بلکہ دعویٰ کے متعلق ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو کام تم نے کیا نہیں یا جو وصف تم میں موجود نہیں اس کا دعویٰ نہ کرو۔

دعویٰ کبھی عملی بھی ہوتا ہے

۶۵۔ فرمایا کہ جس طرح قولاً کسی ایسے کام یا ایسے وصف کا دعویٰ جائز نہیں جو مدعی میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح اپنی صورت و سیرت اور چال ڈھال سے ایسا دعوےٰ ممنوع ہے۔ اس سے ایک حدیث کے مفہوم پر جو اشکال ہوتا ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ صحابہ اہلِ صفہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا۔ مرنے کے بعد ان کی جیب میں سے ایک دینار (ساڑھے چار ماشے سونے کا ایک سکہ) برآمد ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا
کیۃ من النار۔ یعنی "یہ دینار جہنم کی آگ کا ایک داغ ہے"
پھر ایک دوسرے صاحب کے انتقال کے بعد جیب سے دو دینار نکلے تو فرمایا
کیتان من النار۔ یعنی "یہ جہنم کے دو داغ ہیں۔
اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے ایک دو دینار پر تو زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی جس کی عدم ادائیگی کے احتمال پر جہنم کی وعید ہو سکے۔ اس کے علاوہ ایک دو دینار کے کسی کی ملک میں ہونا کوئی شرعی جرم نہیں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ جن کو انھوں نے اسلامی ضروریات میں صرف کیا۔ ہجرت کے وقت سات ہزار باقی تھے جن کو ساتھ لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کے مطابق خرچ کئے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت زبیرؓ صحابہ کرام میں بڑے مالدار حضرات تھے۔ ہزاروں دینار کے مالک تھے۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی اور ان دو صاحبوں کے ایک یا دو دینار پر اتنی شدید وعید ارشاد فرمائی اس کی کیا وجہ ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہہ یہی فرمائی ہو کہ حضرات اہلِ صُفّہ اپنی صورت اور حالت کے اعتبار سے گویا اس کے مدعی تھے کہ ہم فقیر ہیں صاحب مال نہیں۔ چونکہ یہ عملی دعویٰ حقیقت کے خلاف ثابت ہوا اس لیے اس پر وعید آئی۔

عوام کے اعتقاد قابل التفات نہیں (۶۶) فرمایا کہ میں سوچتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرا معتقد ہو گیا تو دین کا کیا فائدہ ہوا۔ ایسے ہی اگر کوئی معتقد نہ رہا تو دین کا کیا ضرر ہوا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو دنیا کا بھی کوئی ضرر نہیں۔

لباس میں تکلف کی پابندی نکما اور پست حوصلہ ہونے کی علامت ہے

۶۷۔ فرمایا کہ جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں۔ اول یہ کہ وہ نکما آدمی ہے کام میں مشغول رہنے والا اس کا پابند نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ یہ پست حوصلہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں۔ اگر وہ ہوتا تو اس میں لگ کر اپنے اوقات ضائع نہ کرتا۔

رحمتِ حق تعالیٰ کا ایک عجیب واقعہ ۶۸۔ ایک جاہل عورت مرنے کے وقت کچھ کلمات بول رہی تھی جو اس کے جاہل گھر والوں کے سمجھ میں نہیں آتے تھے وہ کسی مولوی صاحب

کو بلا کر لائے اور کہا کہ ذرا دیکھو یہ کیا بھونک رہی ہے۔ مولوی صاحب نے قریب جا کر سنا تو عربی زبان کے یہ کلمات اس کی زبان سے ادا ہو رہے تھے:

ان ھٰذین الرجلین یقولان ادخل الجنۃ۔	یہ دو آدمی یوں کہہ رہے ہیں کہ تو جنت میں داخل ہو جا۔

مولوی صاحب حیرت میں رہ گئے۔ گھر کے جاہل لوگوں کو بتلایا کہ اس کو تو جنت کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اس کے اعمال کیا تھے جن کے بدلے میں اسکو یہ نعمت ملی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بالکل بے عمل بلکہ بد عمل عورت تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا غور کرو اس کا کوئی اچھا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہو گیا ہے وہ کیا تھا۔ بہت سوچنے کے بعد لوگوں نے بتلایا کہ اس کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب اذان ہوتی تو سب کام چھوڑ دیتی اور اذان کی طرف متوجہ ہو کر سنتی تھی دوسروں کو بھی اس وقت بولنے نہیں دیتی تھی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام کی یہ عزت کرنا ہی اس کے کام آگیا، جس نے دوسری برائیوں پر پانی پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی اس رحمت عامہ کا یہ واقعہ نقل فرمانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے رحمت الٰہیہ کے متعلق انشاء کا یہ شعر بہت پسند ہے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ مجھ کو آتا ہے پیار انشاء
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دمبدم عنایت

احقر جامع کہتا ہے کہ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد برزخ میں سب کی زبان خود بخود عربی ہو جائے گی کیونکہ وہ ہی انسان کے اصلی وطن یعنی جنت کی زبان ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر انبیاء نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے امت کو سنائے ہیں۔

(کذا فی الاتقان للسیوطی)

(۷۹) حضرت قرشی مجذوم کی ایک کرامت

جامع کرامات الاولیاء طبع مصر میں ایک عجیب واقعہ حضرت قرشی مجذوم کا نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ ولی اللہ جذامی تھے۔ اسی لئے نکاح نہیں کرتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ مگر جوان تھے طبعی تقاضے موجود تھے۔ ایک روز اس تقاضے کی بنا پر مریدوں سے کہا کہ اب ہم نے نکاح کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ آپ پیغام دو مگر اس طرح کہ ہمارا پورا حال بیان کردو۔ اگر کوئی عورت ان حالات کے باوجود نکاح پر راضی ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ صبر کرینگے۔

ایک مُرید اٹھا اور اپنے گھر گیا اس کی ایک جوان بیٹی تھی۔ اس سے پیر صاحب کا پورا حال بیان کرکے نکاح کے متعلق پوچھا۔ لڑکی نے خوشدلی سے کہا کہ مَیں راضی ہوں۔ یہ مرید خوش ہو کر واپس آیا اور قرشی مجذوم سے کہا، کہ میری لڑکی راضی ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ تم نے اس کے سامنے میری پوری حالت بتلادی تھی یا نہیں ؛ اس نے کہا کہ بالکل واضح کرکے بتلادی تھی مگر لڑکی نے کہا کہ میں ان کی خدمت گزاری کو دینی سعادت سمجھ کر قبول کرتی ہوں۔ چنانچہ نکاح ہوگیا۔

قرشی رح صاحب کرامات وتصرفات تھے لڑکی کی اس بلند حوصلگی کو سن کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ جب میں اس کے پاس جاؤں تو میری صورت تندرست اور حسین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا جب گھر میں تشریف لے گئے تو ایک جوان رعنا، کی صورت میں تھے۔ لڑکی نے ان کو دیکھ کر پردہ کرلیا اور کہا کہ تم کون ہو۔ قرشی مجذوم نے کہا کہ میں تمہارا شوہر قرشی ہوں۔ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ تو مجذوم ہیں۔ تم وہ نہیں ہو۔ تب حضرت قرشی نے واقعہ کرامت ذکر کرکے بتلایا کہ اب میں جب بھی تمہارے پاس آؤں گا اسی صورت میں آؤں گا۔

لڑکی کی عالی حوصلگی دیکھئے اس نے جواب دیا کہ افسوس آپ نے میری نیّت اور اس کے ثواب کو برباد کردیا۔ مَیں نے آپ سے نکاح محض معذور سمجھ

کر خدمت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا تھا۔ دنیوی راحت اور خواہش نفسانی کیلئے نہیں، اب اگر اپنی اصلی صورت میں مجھے ملنا چاہیں تو میں خادمہ ہوں ورنہ مجھے طلاق دے دیجئے۔ حضرت قرشی رح یہ سننے کے بعد اپنی اصلی ہیئت وصورت میں آگئے اور لڑکی ان کے ساتھ اسی حالت میں رہنے لگی۔

حضرت گنگوہیؒ کے تفقہ پر حضرت نانوتوی کی شہادت

(۷۰) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح فرماتے تھے کہ آج کل اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ آج میں کسی فقیہ کو ضرور دیکھوں گا وہ اس وقت تک اپنی قسم سے سبکدوش نہ ہوگا جب تک مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زیارت نہ کرے۔

مطلب یہ تھا کہ ہمارے اس خطہ میں صرف حضرت گنگوہی فقیہ کہلانے کے مستحق ہیں اور کوئی نہیں۔ یہ واقعہ نقل فرما کر حضرت رح نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی جو بات امتیاز کی ہے وہ یہ کہ ان میں کوئی تصنع اور تکلف نہ تھا۔

بیماری میں حضرت نانوتوی کا تیمم نہ کرنا اور حضرت مولینا محمد یعقوبؒ کی تنبیہ

۷۱۔ حضرت نانوتوی رح ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور پانی کا استعمال مضر تھا۔ مگر حضرت رح تکلیف کے باوجود وضو ہی کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کیلئے تیمم جائز ہے، کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں۔ مگر مولانا اس عزیمت پر عمل کرنے کیلئے تکلیف و مشقت برداشت کرتے تھے۔

ایک روز حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب عیادت کیلئے آئے اور یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مرادف ہے۔

اس وقت آپ کو تیمم کرنے ہی میں زیادہ ثواب ملے گا۔ مولانا نے انکے فرمانے کو قبول فرمایا۔

اہل علم کیلئے انتظامی کاموں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے

۷۲۔ ارشاد فرمایا کہ میں تو اپنے دوستوں کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو کسی دینی مدرسہ میں درس تدریس کا موقع نصیب فرماویں تو انتظام و اہتمام کو اپنے لیے قبول نہ کریں کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ مدرس اور علمی خدمت کرنے والوں کیلئے یہی زیبا ہے کہ اپنے اسی شغل میں لگے رہیں۔ مقامی اور ملکی سیاست سے یکسو رہیں۔ (رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ)

ذکر جہر اور اشغال صوفیہ اور بدعت کی حقیقت

۷۳۔ ارشاد فرمایا کہ عام احادیث سے ذکر اللہ میں جہر کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سب سے بڑے فقیہہ اور محتاط بزرگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تھے۔ ان کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ ذکر اللہ میں جہر کو کوئی شخص افضل یا زیادتی ثواب کا موجب سمجھ کر جہر کرے تو بدعت ہے۔ ہاں جمعیت خاطر اور قطع وساوس کی ایک تدبیر و علاج کی حیثیت سے کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ زکام میں گل بنفشہ پکا کر پینے کو اگر کوئی شخص خاص عبادت اور ثواب سمجھنے لگے تو یہ بھی بدعت ہو جائے گا۔ اور محض علاج و تدبیر کیلئے کرے تو بدعت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

اس معاملہ میں امیر شاہ خان صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ایک حدیث کی جو تحقیق نقل کی ہے وہ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذا فھو رد۔
یعنی "جس شخص نے ہمارے دین میں کسی نئی چیز کو بڑھایا۔ وہ مردود ہے۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمہ نے فرمایا کہ حدیث میں جس چیز کی ممانعت فرمائی ہے وہ احداث فی الدین ہے۔ لیکن دین کے احکام کو بروئے کار لانے کیلئے جن ذرائع وسائل کی ضرورت پیش آئے اس کا حدیث وقرآن میں منصوص یا مذکور ہونا ضروری نہیں۔ وہ ہر زمانہ میں ہر کام کی مناسبت سے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ جیسے اس زمانے میں حج کیلئے ہوائی جہاز اور جہاد کیلئے ٹینک اور بم وغیرہ کا استعمال ہے کہ اس کو احداث فی الدین نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ احداث للدین کہا جائے گا وہ جائز ہے۔

اسی طرح جمعیت خاطر اور قطع وساوس کیلئے ذکر میں جہر یا اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرنا بھی احداث فی الدین نہیں بلکہ للدین ہے۔

حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ

۴۷۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی جنھوں نے مثنوی مولانا رومی رحہ کا تکملہ لکھا ہے اور خاتم مثنوی کے نام سے معروف ہیں۔ بڑے عالم اور مفتی تو معروف ہیں ہی ان کا تقویٰ بھی بے مثال تھا۔ حضرت سید احمد صاحب بریلوی شہیدؒ سے بیعت ہوئے تو فرمایا کہ ہم قرآن کریم کو پہلے بھی پڑھتے تھے مگر حضرت سید صاحب رحہ سے تعلق کے بعد اس کا اور ہی رنگ نظر آنے لگا۔

بچوں کے معلم ایک متقی بزرگ

۴۸۔ ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں حافظ حسین علی ایک متقی بزرگ تھے گنگوہ کی لال مسجد میں امام اور بچوں کے معلم تھے۔ ان کی بزرگی کیلئے تو حضرت گنگوہیؒ کی یہ شہادت کافی ہے کہ ایک مرتبہ کسی گاؤں کے لوگوں نے ان کو اپنے یہاں لے جانا چاہا تو انھوں نے کہہ دیا کہ میں حضرت گنگوہی رحہ کا خادم ہوں اپنے معاملہ میں خود مختار

نہیں۔ حضرت سے اجازت لے لوں تو چلا آؤں گا۔ ان لوگوں نے حضرت گنگوہیؒ سے اجازت چاہی تو آپؒ نے فرمایا

"واہ میاں گنگوہ میں ایک ہی تو مسلمان ہے وہی تمہیں دے دوں یہ کیسے ہو سکتا ہے"

ان کے تقویٰ اور خشیت کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات کسی کوتاہی پر بچوں کو مارنے کی نوبت آجاتی تو پھر یہ سوچتے تھے کہ شاید مجھ سے کچھ زیادتی ہو گئی ہو تو ان بچوں کو بلا کر کہتے کہ ہم نے تمہیں مارا ہے۔ تم ہمیں مار کر اپنا بدلہ اتار لو۔ بعض شریر بچے اس کیلئے تیار بھی ہو جاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب مجھے ان کے اس معاملہ کی خبر ہوئی تو میں نے کہا کہ ان کے اس عمل کا منشار تو خوف خدا اور خشیت ہے جو انسان کیلئے بہترین سرمایہ ہے۔ مگر اس طرز عمل سے بچوں کی تربیت خراب ہو جائے گی وہ بے ادب ہو جائیں گے۔ اچھی صورت یہ ہے کہ اول تو مارنے کے وقت اس کا پورا خیال رکھیں کہ حد اور ضرورت سے تجاوز نہ ہو پھر دوسرے وقت ان کے ساتھ ایسا شفقت و محبت کا برتاؤ کریں کہ وہ خوش ہو جاویں۔

بعض اوقات عمل غلط ہوتا ہے مگر اس کا داعیہ صحیح اور قابلِ قدر ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کی حکایت

۷۵۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ دریافت کیا کہ اس نے کیا جرم کیا تھا لوگوں نے بتلایا یہ ڈاکو ہے۔ اوّل چوری میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا مگر پھر بھی یہ چوری سے باز نہ آیا۔ تو بایاں پاؤں کاٹا گیا۔ پھر بھی باز نہ آیا تو سولی کی نوبت آئی۔ حضرت جنیدؒ آگے بڑھے اور اس کے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا بوسہ دیا۔ لوگوں نے حیرت

سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اس کے وصفِ استقلال و استقامت کو بوسہ دیا ہے جو اس کے نفس میں تھا اگرچہ اس بے وقوف نے اس کو شر و معصیت میں استعمال کیا اور اس کی بجا طور پر سزا پائی مگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی خیر و طاعت کے معاملات میں ایسی ہی استقامت نصیب ہو جائے۔

سبحان اللہ ان حضرات کی نظر کس قدر عمیق اور گہری ہوتی ہے کہ ہر چیز کے حدود کو ہر حال میں پہچانتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے نفس میں جو ملکات اور جذبات حق تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ وہ اگر اپنی جگہ محمود ہی ہوتے ہیں ان کو بے جا اور شر و گناہ میں استعمال کیا جائے تو گناہ کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ انھیں کو نیک کام میں لگا دیا جائے تو انسان کے اعلیٰ ترقیات کا ذریعہ بنتے ہیں اس کی تائید حضرت فاروق اعظم رضؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ کے سامنے عراق کے خزائن اور فاروقِ اعظم رضؓ کی دُعاء

۷۶۔ حضرت فاروق اعظم رضؓ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا۔ کسریٰ کے خزائن مسجد نبوی میں لاکر ڈھیر کر دیئے گئے تو حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے بارگاہِ حق تعالیٰ میں عرض کیا کہ یا اللہ آپ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے

زُیّن للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ۔

یعنی لوگوں کے دلوں میں خواہشاتِ نفسانی کی چیزیں۔ عورتیں۔ بچے۔ سونے چاندی کے ڈھیر وغیرہ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔

اس لیے میں یہ دعاء تو نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے مگر یہ دعاء کرتا ہوں کہ ان چیزوں کی محبت آپ کے راستہ اور آپ کی رضا جوئی میں

ہمارے لئے معین ومددگار ہوجائے۔ حضرت رح نے اس واقعہ کو نقل کرکے فرمایا کہ اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رذائل کا ازالہ مقصود نہیں۔ اِمالہ مقصود ہے یعنی رذائل کے جذبات ودواعی کو خیر و طاعت کی طرف مائل کردینا مطلوب ہے اصل داعیہ کو زائل کرنا نہیں۔ کیونکہ ملکات اور دواعی مثلاً شہوت وغضب وغیرہ یہ اپنی ذات میں مذموم نہیں۔ شہوات کو حلال میں صرف کیا جائے اور قوت غضب کو شیطان اور کفر کے مقابلہ میں خرچ کیا جائے تو یہی درجات عالیہ کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ حضرت مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ؎

شہوت دنیا مثال گلخن ست — کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

نفس کی اصلاح کبھی مال کے خرچ کرنے سے ہوتی ہے کبھی خرچ نہ کرنے سے

۷۷۔ ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب جو میرے مخصوص دوستوں میں ہیں انھوں نے بعض رذائل کی اصلاح میں باربار خلاف ورزی ہوجانے سے تنگ ہوکر اپنے نفس پر بطور سزاء ایک بڑی رقم ماہوار صدقہ کرنا تجویز کرلیا۔ مجھے اطلاع ہوئی تو میں نے منع کردیا کہ تمھیں ایک پیسہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ خرچ کریں گے تو تشویش میں پڑجائیں گے اور اہل وعیال کے حقوق جو ان کے ذمہ ہیں ان میں کوتاہی ہوگی۔ (۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ)

ایک رومی بزرگ خلیل پاشا

۷۸۔ ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایک رومی بزرگ خلیل پاشا نامی تھے۔ پہلے ترکی سلطنت کی طرف سے ینبوع کے گورنر رہے۔ پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کرلی۔ ان کی درویشی کا بھی ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ ان کے والد بڑے بزرگ، اور

کامل شیخ تھے۔ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میرا بیٹا دنیادار ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غم نہ کرو وہ بھی آپ جیسا ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں خود بخود ان کا دل دنیا سے اٹھ گیا۔ گورنری چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

میری ان سے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملے۔ میں نے کہا کہ حضرت حاجی صاحب کے ہوتے ہوئے مَیں نے کسی دوسرے بزرگ سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال بھی خواب ہی میں بیان کی کہ مقصود بیت اللہ شریف کے پاس حاضری ہے جو شخص ایک راستہ سے وہاں پہنچ جائے اس کے ذمہ نہیں کہ پھر لوٹ کر جائے اور دوسرے راستہ سے پہنچے۔ وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔

مَیں نے صبح کو یہ خواب حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ ان کی زیارت ضرور کرو۔ مَیں نے عرض کیا کہ اب حضرت کے حکم سے ضرور جاؤں گا چنانچہ مَیں حاضر ہوا۔ خلیل پاشا نے فرمایا کہ مَیں تین زبانیں جانتا ہوں۔ ترکی، عربی فارسی۔ اب مَیں آپ سے کس زبان میں بات کروں۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں ترکی زبان کو تو نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بول سکتا ہوں۔ عربی کو سمجھ لیتا ہوں بولنے کی عادت نہیں فارسی کو سمجھ بھی لیتا ہوں بول بھی سکتا ہوں۔ انھوں نے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی ہی میں گفتگو فرمائی۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی،

خلیل پاشا نے فرمایا کہ مَیں عرب و عجم کے بہت سے علماء سے ملا ہوں۔ ہندوستان کے علماء سے بہتر علماء کہیں نہیں پاتے۔ مَیں نے پوچھا کہ آپؒ نے ان میں کونسا وصف ایسا پایا تو فرمایا کہ وہ محبت دنیا نہیں ہیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے ہیں۔

ایک آیت کی تفسیر پر شبہ اور اس کا جواب

۷۹۔ چند نو تعلیم یافتہ حضرات نے سوال کیا کہ حضرت آیت ھدی للمتقین کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ قرآن ہدایت ہے متقی لوگوں کیلیئے حالانکہ متقی لوگ تو خود ہی ہدایت پر ہیں ان کو تو ضرورت نہیں۔ غیر متقی جن کو ضرورت ہے ان کیلیئے یہ ہدایت نہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ کہ کسی جگہ چند انگریزی کی کتابیں رکھی ہوں جو بی اے کے کورس میں داخل ہیں ان کو یہ کہنا کہ یہ بی اے کا کورس ہے صحیح ہے یا نہیں؟ سب نے کہا کہ بالکل صحیح ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جو شخص بی اے کر چکا ہے اس کو تو اس کورس کی ضرورت نہیں۔ اور جس نے نہیں کیا وہ بی اے نہیں جو جواب آپ یہاں دیتے ہیں وہ ہی ھدی للمتقین کا جواب ہے۔ سب کے سب مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے۔ مطلب واضح ہو گیا کہ یہ کتاب متقی بنانے والی ہے۔

۱۸۵۷ء کی ایک نصیحت آمیز حکایت

(۸۰) حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ماموں جو ایک آزاد منش درویش تھے۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا کہ ایک مقام پر بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک لالہ جی (بنیہ) دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ لاشوں میں سے ایک زخمی نے جو ابھی مرا نہیں تھا آواز دی لالہ جی ذرا یہاں آؤ۔ لالہ جی گھبرا گئے اور بھاگنے لگے کہ مردہ بول اٹھا ہے اس نے پھر آواز دی کہ لالہ جی گھبراؤ نہیں میں مردہ نہیں زخمی ہو گیا ہوں اور مرنے والا ہوں۔ میری کمر میں بہت سے روپے بندھے ہوئے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ اب یہ روپیہ میرے تو کام کا نہیں تمھیں ہی دے دوں تمھارے کام آجائے گا۔ روپیہ کا نام سن کر لالہ جی پگھل گئے اور ڈرتے ڈرتے زخمی کے پاس گئے۔ جب بالکل قریب آگئے تو زخمی نے تلوار اٹھائی اور لالہ جی کی ٹانگ کاٹ دی۔ اب تو

لالہ جی گر پڑے مگر گرتے ہی اس کی کمر ٹٹولی کہ روپیہ تو سنگوالوں۔ زخمی نے کہا لالہ جی تم باؤلے ہوئے ہو کوئی میدان جنگ میں روپیہ بھی باندھ کر لایا کرتا ہے۔

بات اتنی ہے کہ یہاں سب مُردے پڑے ہیں میں تنہا زندہ ہوں رات ہو رہی ہے میں نے چاہا کہ کوئی بات چیت کیلئے آدمی ہو تو رات آسان ہو جاوے گی تمہیں ویسے ٹھہرنے کو کہتا تو تم کہاں رہتے۔ میں نے اُنس کیلئے تمہیں اپنے ساتھ کر لیا ہے۔ لالہ جی غصہ میں بھر کر بولے "مگا مگا اُوت کے اُوت" نہ خود چلیں نہ دوسرے کو چلنے دیں۔

ماموں صاحب نے یہ حکایت نقل کر کے فرمایا کہ آج کل اللہ کے راستہ میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود تو چلتے ہی نہیں۔ کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اسکی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

ملفوظات رمضان ۱۳۴۶ھ

حجاج بن یوسف ظالم پر بھی کوئی جھوٹا الزام لگائے گا، تو سزا پائے گا

حجاج بن یوسف اس امت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں۔ وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا۔ اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کرے گا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا۔

اختلاف مسلک کی صورت میں ضابطہ تعلقات باہمی

۱۔ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں سے خاص مشرب کا اختلاف ہو۔ ان سے نہ از خود ملنے (اور مجالست) کی کوشش کی جائے نہ ترک ملاقات کی۔ وقت پر جو صورت پیش آجائے اسی میں مصلحت سمجھی جائے۔ انقباض طبعی غیر اختیاری ہے اس کی پرواہ نہ کی جائے کہ مقتضائے غیرت بھی ہے۔ البتہ بدگمانی اور بدزبانی سے اجتناب کی سعی کی جائے۔

۲۔ جو لوگ ان کے متعلق روایات و حکایات نقل کرتے ہیں جو بدگمانی پھر بدزبانی کا سبب بنتی ہیں ان کو ایسی روایات نقل کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

۳۔ اپنے ہم مشرب لوگوں میں سے اگر کوئی شخص ان سے ملتا ہے تو اس کی فکر میں نہ پڑا جائے اور اس کی طرف سے عذر یا مصلحت کی تاویل کر لی جاوے اور جب تک وہ اپنے سے ملتا رہے تعلق نباہا جائے کہ لوگ دنیا کیلئے تعلقات نباہتے ہیں اگر کوئی دین کیلئے ایسا کرے تو کیا حرج ہے۔ (۱۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ)

بزرگوں کی صحبت سے اصل مقصود کیا چیز ہے

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اصل مطلوب ان کا مذاق حاصل کرنا ہے مگر وہ درحقیقت سعی و عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ محض اللہ تعالیٰ کی موہبت ہے وہ جب چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں۔ باقی رہے اعمال و افعال وہ اختیاری ہیں ایک دم میں بدل سکتے ہیں مگر مذاق صحیح بعض اوقات پچاس برس میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

قبل از ہجرت جہاد اور مقابلہ کفار کی اجازت نہ ہونے پر ایک اشکال و جواب

ارشاد فرمایا کہ قبل از ہجرت جتنے حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ کسی حال ان لوگوں سے کم نہ تھے جن کو حضرت خالد بن ولید نے جبلہ بن ایہم کے مقابلہ پر جنگِ یرموک میں بھیجا تھا۔ کیونکہ جبلہ کا لشکر ساٹھ ہزار تھا اور حضرت خالدؓ نے ان کے مقابلہ کیلئے صرف تیس صحابہ کا انتخاب کیا تھا۔ جس

پر حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے کہا کہ کیا آپ مسلمانوں کو ہلاک کرانا چاہتے ہیں؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا نہیں میں نے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا ہے جو ساٹھ ہزار سے کم نہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے پھر فرمایا کہ میرا اطمینان نہیں ہوتا تو ان کے اصرار پر تیس صحابہ کا اور اضافہ کر کے ساٹھ کر دیا اور ان کو ساٹھ ہزار کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ دن بھر تلوار چلنے کے بعد ساٹھ ہزار بھاگتے نظر آئے۔

اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ قبل از ہجرت حضرات صحابہ میں ضعف و قلت ضرور تھی مگر ساٹھ کے عدد سے تو زیادہ تھے اور ان سے قوت میں کم بھی نہ تھے۔ پھر ان کو قتال سے منع کیوں کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس وقت مجموعی حالات کے اعتبار سے موقع قتال کا نہ تھا۔ اگرچہ نفس قوت فی الجملہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ شاید یہ مصلحت بھی مانع قتال ہو کہ یہ زمانہ افراد سازی کا تھا۔ دشمنوں کے ہاتھوں مصائب و شدائد جھیلنے اور اس پر صبر کرنے سے ان حضرات کا تزکیہ مقصود تھا کہ ان کا ہر عمل صلح و جنگ خالص اللہ کیلئے ہو جائے نفسانی جذبات کیلئے نہ رہے۔ اس لئے اس زمانے میں نفسانی جذبات کو کچلنے اور عفو و درگذر اور صبر سے کام لینے کے احکام آتے رہے۔ جب تزکیہ نفوس کا اطمینان ہو گیا۔ اس وقت قتال کے احکام آئے۔ (جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ)

حصولِ علم کیلئے کثرت مطالعہ سے زیادہ ادب مشائخ ضروری ہے

فرمایا علمی تحقیق سے زیادہ ضرورت ادب کی ہے بلکہ بزرگانِ سلف کا ادب کرنے سے حق تعالیٰ تحقیق کی شان بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ بزرگان سلف کا ادب چھوڑ کر جو تحقیق کی جائے اس میں لغزش اور غلط فہمی کا بڑا خطرہ ہے۔

شبہات سمجھنا آسان اور جواب سمجھنا مشکل کیوں ہے

ارشاد فرمایا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شبہات کو تو عوام بھی اکثر سمجھ لیتے ہیں۔ مگر جواب کا سمجھنا انھیں مشکل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شبہات کا منشاء جہل ہے۔ جہل کی بات عوام کی سمجھ میں جلد اتر جاتی ہے اور جواب کا منشاء علم ہوتا ہے وہ ہر شخص کے بس میں نہیں آتا۔

حضرت کے اُجلا لباس رکھنے پر بعض لوگوں کا اعتراض

حضرت رحمہ عموماً لباس صاف ستھرا اچھا استعمال فرماتے تھے اکثر کرتہ چکن کا بھی زیب تن دیکھا گیا ہے۔ اس پر بعض ناواقف لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ تکلف کا لباس درویشی کے خلاف ہے۔ ایک روز فرمایا کہ میں ایسا شبہ کرنے والوں کو تو جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ دیتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے طبعی طور پر تکلف کا بڑھیا لباس پسند نہیں۔ اور خود جب کبھی بناتا ہوں تو بہت سادہ ہی بناتا ہوں اور جو مجھ سے اجازت لے کر بناتا ہے اس کو بھی سادگی کی تاکید کر دیتا ہوں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بہت سے دوست اپنی محبت سے کوئی بڑھیا لباس بنا لاتے ہیں۔ ان سے کہہ بھی دیتا ہوں کہ یہ تکلف کا لباس پسند نہیں مگر اپنے بدن کے بنے ہوئے لباس کو واپس کرنا بھی اس کو بیکار کرنا ہے اور اس کا استعمال نہ کرنا بھی ایک قسم کا تکلف ہے اس لئے شکر کے ساتھ استعمال کرتا ہوں۔

حضرت کے ماموں صاحب کا ایک پسندیدہ شعر

اے فخر رسل عز و بسالت بتو نازد
معراج کند فخر رسالت بتو نازد

عورتوں کے مہر میں افراط و تفریط فرمایا کہ عورتوں کے مہر میں ایک طرف تو یہ افراط پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کو نام آوری سمجھتے ہیں کہ مہر بڑا ہو خواہ اتنا زیادہ ہو کہ اس کے ادا کرنے یا وصول کرنے کا تصور بھی نہ ہو سکے یہ شرعاً مذموم ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا۔ مہر بقدر وسعت رکھنے کو پسند کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دنیا میں کون با عزت ہو سکتا ہے آپ نے اپنی صاحبزادی کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے ناواقف بلکہ بعض علماء بھی اس پر نظر نہیں کرتے کہ مہر مثل خاندان کا معتبر ہوتا ہے۔ اس خاندان کی ہر لڑکی کا وہی حق ہے۔ سارا خاندان مل کر مہر کی مقدار گھٹا دے تو بہت اچھا اور حدیث کے حکم کی تعمیل ہے لیکن سارے خاندان کا مہر زیادہ ہو اور کوئی باپ اپنی بیٹی کا مہر اس سے بہت کم کر دے تو یہ بیٹی کی حق تلفی ہے۔ جو اس کیلئے جائز نہیں۔ اور باپ دادا کے سوا کوئی دوسرا آدمی مہر مثل سے کم پر نکاح کر دے تو متاخرین کے فتویٰ کے مطابق نکاح ہی نہیں ہوگا اور متقدمین کے قول پر خاندان کے اولیاء کو بذریعہ اسلامی عدالت یہ نکاح فسخ کرا دینے کا اختیار ہوگا۔ آج کل بہت سے نکاح خوان مہر فاطمی پر اصرار کرتے ہیں اور بغیر مرضی لڑکی و اولیاء کے مہر فاطمی مقرر کر دیتے ہیں اس میں بڑی احتیاط لازم ہے۔

زمانہ فتنہ کے متعلق ایک حدیث ایک حدیث میں یہ دعاء تلقین فرمائی گئی ہے کہ

واذا اردت بقوم فتنۃً فتوفنی الیک غیر مفتون۔

یعنی "یا اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ ہی میں مبتلا کرنے کا ارادہ فرمالیں تو مجھے فتنہ سے محفوظ رہتے ہوئے موت دے دیجئے"

حضرت رحمہ نے فرمایا کہ اس دعاء سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر فتنہ کے ازالہ کی کوشش اور دعاء مناسب نہیں ہوتی بلکہ ایسے موقع پر اپنے آپ کے فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعاء کی جائے۔

شرعی حیلہ بہت سے معاملات میں فقہاء رحمہم اللہ نے بعض ناجائز معاملوں کی صورت بدلنے کے حیلے لکھے ہیں جس کے بعد وہ جائز ہو جاتے ہیں اور خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض معاملات میں اس طرح کے حیلہ وتدبیر کی اجازت منقول ہے مگر بعض لوگ اس میں مغالطہ میں مبتلا ہیں۔ اس کو معاملات اور دیانات سب میں عام کر لیا ہے۔ حالانکہ حیلۂ شرعی صرف معاملات میں ہو سکتا ہے دیانات میں نہیں ہوتا۔ اسی لئے کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کا یہ حیلہ کرے کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنی کل ملکیت اپنی بیوی یا کسی لڑکے وغیرہ کے نام کر دے اور ہبہ کر کے اس کا قبضہ بھی کرا دے اور در حقیقت نیت ہبہ کرنے کی نہ ہو بلکہ یہ قصد ہو کہ جب اگلا سال پورا ہونے آویگا تو وہ مجھے ہبہ کر دیں گے اس طرح نہ ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی نہ ان پر یہ حیلہ حرام ہے اور بغیر حیلہ کے زکوٰۃ نہ لگانے کے گناہ سے زیادہ سخت گناہ ہے کیونکہ یہ حیلہ اللہ کے فرض سے بچنے کے لئے کیا گیا ہے جو دیانات سے متعلق ہے۔ بنی اسرائیل نے جن پر یوم السبت میں مچھلی کا شکار حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ حیلے کر کے شکار کرنے کی صورتیں نکالی تھیں۔ اس پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا۔

فرمایا کہ حیلہ کبھی مقصود شرع کے ابطال کیلئے ہوتا ہے وہ حرام ہے اور کبھی مقصود شرعی کی تحصیل و تکمیل کیلئے ہوتا ہے وہ جائز ہے۔ اور جو حیلہ ایسا ہو کہ اس سے عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو وہ بھی حرام ہے جیسے سود سے بچنے کے ایسے حیلے جن سے لوگ سود ہی کو حلال سمجھنے لگیں سب حرام ہیں۔

تعویز گنڈے حضرتؒ کو عملیات مروجہ کی پابندیوں کو پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؒ کو آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ نے یہ فرما دیا تھا کہ کوئی کبھی ضرورت سے تعویز مانگے تو انکار نہ کرو اور وقت پر جو کوئی قرآن کی آیت یا اللہ کا نام اس مرض کے مناسب سمجھ میں آ جاوے وہ لکھ دیا کرو۔ حضرت کا معمول اسی کے مطابق رہا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک کاشتکار نے مجھ سے کہا کہ میرے کھیت میں چوہے بہت پیدا ہو جاتے ہیں اور بڑا نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کیلئے کوئی تعویز دے دیں۔ حضرت نے پانچ پرچوں پر قرآن کریم کے یہ الفاظ لکھ دیئے:۔

"لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ"

اور فرمایا ان کو کسی مٹی کی کلھیا یا ڈبے وغیرہ میں بند کرکے ایک کھیت کے درمیان اور چار چاروں گوشوں میں دفن کر دیں۔

اسی طرح ایک شخص نے بچے کی ولادت کے بعد بیوی کی چھاتیوں میں دودھ کی زیادتی اور اس سے شدید تکلیف کی شکایت کی تو حضرت نے آیت قرآن "قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ" کاغذ پر لکھ کر دے دیں کہ اس کو سینہ پر بندھوا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے تکلیف دور فرما دی۔

اہل اللہ پر جوش تقریروں کے عادی نہیں ہوتے، اس کی وجہ

فرمایا کہ جس شخص کو معرفت حق کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اس کے نزدیک نظریات بھی بدیہیات بن جاتے ہیں اور بدیہی امور کے بیان کا کوئی آدمی خاص اہتمام نہیں کیا کرتا۔ نصف النہار کے وقت آفتاب کا وجود ثابت کرنے کیلئے کوئی پر جوش تقریر نہیں کی جا سکتی۔ اسی حالت کے متعلق صوفیہ کرام نے فرمایا ہے:۔

من عرف اللہ کل لسانہ — یعنی "جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے اس کی زبان گویائی سے تھک جاتی ہے۔

ایک حدیث میں جو ارشاد ہے:۔

الحیاء والعیّ من الایمان۔ — یعنی "حیا اور کلام سے عاجز ہونا ایمان میں سے ہے۔

اس کا مفہوم بھی کلام اور تقریر سے وہ عجز ہے جو معرفت حق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ نا اہلیت اور جہل کی وجہ سے جو عجز ہوتا ہے وہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ایمان کا شعبہ نہیں ہو سکتا۔ وہ شرعاً مذموم۔ اس پر فرمایا کہ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے:۔

"کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا"

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دریا کے پہلے کنارے پر کھڑے ہیں دریا کو عبور نہیں کر سکے اور جو لوگ دریا کو عبور کر کے اس کی مشکلات کو حل کر کے دوسرے کنارے پہنچے ہوئے ہیں اگرچہ وہ بھی دریا کے کنارے ہی پر کھڑے ہیں مگر ان دونوں میں بڑا فرق ہے ان کے متعلق "کجا دانند" نہیں جا سکتا وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر صورت کے اعتبار سے دو کناروں پر کھڑے ہوئے یکساں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک تو وہ جاہل ہے جو کسی چیز کی حقیقت سے واقف ہی نہیں۔ اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ جواب اور گفتگو سے حقیقتاً عاجز ہوتا ہے دوسرا وہ عارف کامل ہے جو سب چیزوں سے اتنا واقف ہے کہ نظری چیزیں بھی اسے بدیہی معلوم ہوتی ہیں وہ بھی زیادہ لمبی گفتگو اور بڑی تقریر سے عاجز ہوتا ہے۔ یہی وہ عجز ہے جس کو حدیث میں جزو ایمان قرار دیا ہے۔

دین کے معاملے میں ہر شخص کی خودرائی عجیب ہے فرمایا کہ دنیا کے تمام فنون اور سب شعبہائے زندگی میں جو شخص کسی خاص فن سے واقف نہیں ہوتا اس کو یہ کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی کہ میں اس فن کو نہیں جانتا۔ ایک بڑے ماہر انجینیر سے آپ آنکھ کی تکلیف کا علاج پوچھیں تو بے ساختہ کہہ دے گا کہ میں ڈاکٹر نہیں۔ کسی ڈاکٹر سے انجینری کا مسئلہ پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں انجینیر نہیں۔ مگر دین کو ایسا لاوارث سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص اس میں اپنی رائے ٹھونسنے کی فکر میں ہے۔ وہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ میں عالم نہیں۔

سہارنپور کے ایک ڈپٹی مجسٹریٹ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ ان کے ذہن پر یہ سوار تھا کہ دنیا میں سود خواری کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی اس لئے کسی طرح اسے حلال کیا جائے۔ حضرت رحؒ نے فرمایا کہ بنی امیہ کے دور میں مسلمانوں کو ترقی حاصل ہوئی تھی یا نہیں، اقرار کیا کہ بڑی ترقی ہوئی۔ حضرت نے پوچھا کہ کیا انھوں نے سودی کاروبار کیا تھا یا سود کو حلال کیا تھا۔ تو کوئی جواب نہیں تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ترقی سود پر موقوف نہیں پھر انھوں نے ایک آیت کے متعلق کچھ سوال کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ فلاں صاحب نے اس کی تفسیر اس طرح لکھی ہے۔ وہ صاحب نرے ایک اردو ادیب تھے عالم نہیں تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جس قانون پر عدالت میں فیصلے کرتے ہیں وہ مجھے دے دیجئے میں اس کی ایک شرح لکھوں اور آپ میری شرح کے مطابق عدالتی فیصلے نافذ کریں اور حکومت سے مواخذہ ہو تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ اشرف علی نے اس قانون کی یہی شرح کی ہے پھر دیکھئے کہ حکومت کی طرف سے آپ کو کیسے کیسے خطاب ملتے ہیں۔

بزرگوں کے تبرکات کا اثر فرمایا کہ ایک متقی پرہیزگار بزرگ نے مجھے ایک انگرکھا (اچکن) مومی چھینٹ کا دیا تھا میں اس کو متبرک سمجھ کر پہنتا تھا۔ اس کا یہ اثر تھا کہ جب تک وہ بدن پر رہتا معصیت اور گناہ کا خطرہ تک نہ آتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے کپڑوں میں کیا رکھا ہے مگر میں نے تو یہ مشاہدہ کیا ہے۔

مسلمانوں کی مالی خوشحالی بھی نعمت ہے فرمایا کہ میں جب کسی مسلمان کو مستغنی اور خوشحال دیکھتا ہوں تو بڑی مسرت ہوتی ہے۔ دارالعلوم کے سابق صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب صاحبزادہ حضرت نانوتوی کا جب دکن حیدر آباد میں بحیثیت مفتی ریاست ایک ہزار ماہوار تنخواہ پر تقرر ہوا تو گو یہ صورت مجھے طبعاً پسند نہ تھی مگر اس لحاظ سے مسرت ہوئی کہ ایک عالم دین کی قدر اہلِ دنیا کی نظر میں

بڑھی۔ میں پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن صرف چند گھنٹے کے لیئے گیا۔ جس کا اصل سبب مولوی شبیر علی صاحب کی شادی نکاح میں اورنگ آباد جانا تھا وہاں دوستوں کا خیال ہوا کہ حیدر آباد کے قریب چل کر اس کو دیکھیں۔ میں نے صرف اس نیت سے ان کی رفاقت قبول کر لی کہ یہاں انگریزوں اور ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان مالی اور رہاہ کے اعتبار سے کم نظر آتے ہیں وہاں مسلمان ریاست ہے۔ مسلمانوں کی خوشحالی اور عزت و شوکت دیکھ کر دل خوش ہوگا۔

باہمی اتفاق تواضع سے پیدا ہوتا ہے

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رح فرمایا کرتے تھے "اتفاق کی جڑ تواضع ہے"۔ "دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا" کیونکہ جب کسی شخص میں تواضع ہوتی ہے تو اس کو یہ کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنا دے اور اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

ایک حدیث پر اشکال اور اس کا جواب از حضرت گنگوہی رح

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"مجھے یونس ابن متّٰی نبی پر فضیلت نہ دو"

مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے اپنے استاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے اس کے متعلق یہ سوال کیا کہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل سب کے سردار سب کے امام ہیں پھر اس حدیث میں حضرت یونس علیہ السلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کرنے کو کیوں منع فرمایا ہے۔ یہ اشکال حدیث کے تمام شارحین نے نقل کیا اور اپنی اپنی طرز کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ حضرت گنگوہی رح نے

اصحاب کے انداز پر یہ جواب دیا کہ خود یہی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیّت کی دلیل ہے کہ اپنے کو افضل کہنے سے منع فرمایا جو لوگ افضل ہوتے ہیں ان کا یہی طریق ہے۔

مولانا فخر الحسن صاحب کا اس جواب سے اطمینان نہ ہوا۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجھے اپنی نسبت سے کیسا سمجھتے ہو۔ مجھے اپنے سے افضل کہتے ہو یا نہیں، سب نے کہا کہ اس میں تو ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت گنگوہی رح نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر میں آپ سے کوئی بات قسم کھا کر کہوں تو آپ اس کو سچ سمجھو گے یا نہیں، سب نے کہا کہ بلا کسی شبہ و تردد کے اس کو سچ سمجھیں گے۔ اس پر حضرت گنگوہی رح نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سے ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ حضرت رح کی اس قسم پر سارا مجمع محو حیرت رہ گیا اور حضرت رح مجلس سے اٹھ کر اپنے حجرہ تشریف لے گئے۔

حضرت گنگوہیؒ کا اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کے ساتھ معاملہ

فرمایا کہ ایک معاملہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے ایک فتویٰ لکھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کے مشہور مرید امیر شاہ خان صاحب نے اس پر کچھ اعتراض کیا اور لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا۔ اس کے بعد خیال آیا کہ میں نے بے ادبی کی تو دوسرا خط معذرت اور معافی کے لئے لکھا۔ حضرت گنگوہی نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مجھے آپ کا پہلا خط جس میں اعتراض تھا پسند آیا یہ دوسرا پسند نہیں آیا۔ کیونکہ پہلے خط میں آپ نے جو کچھ لکھا وہ خالص دین کیلئے تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی نیت بے ادبی کرنے کی نہیں تھی۔ اس لئے ذرّہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔

بقول مولانا رومی ؎

گفتگوی عاشقاں درکار رب   جوشش عشق است نے ترک ادب

اس کے برعکس ایسا ہی ایک واقعہ اور پیش آیا کہ جس شخص نے حضرت سے کوئی فتویٰ لیا تھا۔ اس نے اس پر مناظرانہ انداز سے اعتراضات لکھ کر بھیجے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جواب لکھ دیا ہے اگر پسند نہیں تو جس عالم پر اعتماد ہو اس سے رجوع کرو۔ فوق کل ذی علم علیم۔

مثنوی رومی کا خلاصہ دو چیزیں ہیں، توحید اور ضرورتِ شیخ

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے جتنا مثنوی مولانا رومیؒ کا مطالعہ کیا یہ ثابت ہوا کہ ساری مثنوی کا خلاصہ ایک توحید کو بیان کرنا ہے۔ دوسرے اصلاحِ نفس اور وصول الی اللہ کیلئے شیخ کامل کی ضرورت۔

حضرت حکیم الامتؒ کی کتب بینی

ارشاد فرمایا کہ مجھے زیادہ کتب بینی کا ذوق نہیں ہوا کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا۔ عمل کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد و اعتقاد تھا۔ جو کچھ قرآن و سنت کی تعبیر میں انھوں نے فرمایا تھا اس پر دل مطمئن تھا۔

ایک صاحب نے حضرتؒ کی تصانیف جو ایک ہزار کے قریب ہیں ان کا ذکر کر کے عرض کیا کہ آپ نے اتنی تصنیفات فرمائی ہیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں چند کتابیں دیکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں :۔

حاجی امداد اللہؒ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔

ان کتابوں نے مجھے سب دوسری کتابوں سے بے نیاز بنا دیا۔ شاید ایسے ہی

حضرات کے متعلق کسی کا شعر ہے ؎

وانت الکتاب المبین الذی

باحرفہ یظھر المضمر

تو ہی وہ واضح کتاب ہے جس کے حروف سے مخفی مضامین ظاہر ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کی خاص شان

ایک صاحب کو بعض حضرات صحابہ کے متعلق کچھ شبہات رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ سمندر میں اگرچہ ہزاروں گندگیاں اور نجاستیں ڈال دی جائیں مگر سمندر ہی سب پر غالب رہتا ہے گندگیوں کا اثر اس پر غالب نہیں آتا۔

نیت صحیح ہو تو عملی کوتاہیاں اکثر معاف ہو جاتی ہیں

فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نظر انسان کے قلب اور اس کی نیت وارادہ پر ہوتی ہے اگر وہ خالص اللہ کے لیے ہو مگر عمل میں کوتاہی ہو جائے تو وہ اکثر معاف ہو جاتی ہے۔

مدارس دینیہ عربیہ کی خاص اہمیت

فرمایا کہ جوں جوں آزادی اور الحاد و بے دینی پھیلتی جاتی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے کہ مجھے مدرسہ دیوبند سے ایسی محبت اور تعلق بڑھ گیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا نہ تھا اسی طرح دوسرے مدارس دینیہ کی بھی اہمیت دل میں بڑھ گئی ہے۔ یہاں تک کہ فنونِ عقلیہ، منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ جو ان مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ان کو بھی مفید اور ضروری سمجھنے لگا۔ کیونکہ موجودہ دہریت اور سائنس

پرستی کا علاج اس کے سوا نہیں کہ علماء خود ان فنون سے واقف ہوں تاکہ تعلیم یافتہ لوگوں کے شبہات کا جواب ان کی نفسیات کے مطابق دے سکیں اور ان کی نظروں میں کم حیثیت نہ سمجھے جائیں۔ یہ فنون خود کوئی دین نہیں ہیں مگر ان سے دین کی خدمت بھی لی جا سکتی ہے۔

حال میں ایک صاحب نے قرآنِ کریم کی دو آیتوں کے ظاہری تعارض کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو ریاضی کی مدد سے ہی اس کا جواب دیا اور انکی تسلی ہو گئی۔

سوال یہ تھا کہ قیامت کے دن کا طویل ہونا ایک آیت میں بقدر ایک ہزار سال کے آیا ہے۔ دوسری آیت میں خمسین الف سنۃ یعنی پچاس ہزار سال کے برابر آیا ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت رحؒ نے ریاضی کے اصول پر فرمایا کہ اس میں کیا بعد ہے کہ ایک افق کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہو اور دوسرے افق کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کے برابر۔ اس کی پوری تفصیل بیان القرآن میں لکھ دی گئی ہے۔

(ملفوظ ۱۹ ؍ شعبان ۱۳۴۷ھ)

عبادت کے اظہار اور اخفاء میں اعتدال

فرمایا کہ اپنی نفلی عبادات اور دینی کمالات کا اظہار جو عموماً نفس کے تقاضا سے ہوتا ہے اس کا مذموم ہونا تو سبھی جانتے ہیں۔ بہت زیادہ اخفاء کا اہتمام بھی کچھ اچھا نہیں کیونکہ اس میں بھی غیر اللہ کی طرف ایک گونہ التفات تو پایا جاتا ہے اگرچہ منفی انداز سے سہی۔ محققین کا مذاق یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھے نہ اظہار کا قصد کرے نہ اخفاء کا۔ صوفیائے کرام میں جو ایک فرقہ ملامتیہ کے نام سے معروف ہے۔ درحقیقت ان کا مقصد اخفاء اعمال کا اہتمام تھا نہ کہ ارتکاب معاصی کا۔ عوارف میں ملامتیہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔

خواب اور تعبیرِ خواب

ایک صاحب نے خط میں اپنا خواب لکھا تھا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

"جاگنے کی باتیں لکھو۔ خوابوں کے پیچھے مت پڑو۔"

پھر فرمایا اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو خواب سننے اور تعبیر دینے کا اہتمام فرماتے تھے تو جواب یہ ہے کہ اب نہ ایسے خواب دیکھنے والے ہیں نہ ایسے تعبیر دینے والے۔

کسی کو قبلہ و کعبہ کہنا

حضرت سے سوال کیا گیا کہ لوگ اپنے بڑوں کو قبلہ کعبہ لکھتے ہیں یہ کیسا ہے۔ فرمایا کہ مجاز ہے اس لئے کوئی حرج نہیں مگر ترک اس کا اولیٰ ہے۔

سنّتِ نبوی پر عمل بلا نیّت وارادہ بھی ہو تو برکت سے خالی نہیں

سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک کام سنت کے مطابق کرتا ہے مگر اس کو نہ اس کا سنت ہونا معلوم ہے نہ اس نے اتباع سنت کی نیت سے کیا۔ تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا۔ فرمایا کہ ثواب تو بغیر نیت کے نہیں ملے گا۔ مگر موافقت سنت کی برکت سے پھر بھی محروم نہ رہے گا۔

دِل کے متعلق چند اشعار

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا ایک فارسی شعر ہے ؎

دِلے دارم جواہر خانہ عشق است تحویلش
کہ دارد زیرِ گردون میر ساما نے کہ من دارم!

خواجہ عزیزالحسن صاحب رح نے حضرت رح کی مجلس میں یہ شعر پیش کیا، تو حضرت نے بہت پسند فرمایا اور فرمایا دل کے متعلق بزرگوں کے مختلف مذاق ہیں۔ قدسی کے اشعار بھی اس بارہ میں خوب ہیں ؎

دارم دلے اما چہ دِل صد گونہ حرمان در بغل
چشمے و خون در آستین اشکے و طوفان در بغل
روزِ قیامت ہر کسے آید بدستش نامۂ
من نیز حاضر میشوم تصویرِ جانان در بغل

اس کے آخری شعر کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ تصرف کر کے اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

من نیز حاضر میشوم تفسیرِ قرآن در بغل

ارشاد

مَیں بے ادبی کو معاصی سے زیادہ مضر سمجھتا ہُوں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مشائخ اور علماء کی شان میں بے ادبی کرنے سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے عواقب اور نتائج بہت خطرناک ہیں۔

رشوت کی تعریف

فرمایا کہ رشوت کی جامع تعریف جو تمام اقسام رشوت پر حاوی ہے یہ ہے کہ کسی غیر متقوم چیز کا عوض لینا۔

طریقِ صوفیاء کی اصل

فرمایا کہ اس طریق میں اصل چیز صحبتِ شیخ اور محبت شیخ ہے۔ تعلیم و تلقین اس کے بغیر کارگر نہیں ہوتی اور صحبت بلا تعلیم و تلقین کے بھی مفید ہوتی

ہے ۔ پہلے بزرگوں کی عام عادت زیادہ تعلیم و تلقین کی نہ تھی ان کی صحبت کی برکت ہی سے اصلاح ہو جاتی تھی ۔ غالباً حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے منصب امامت میں لکھا ہے کہ بزرگوں کا فیض صحبتِ آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے ۔ خواہ استفادہ کرنے والے کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور قصداً استفادہ کرے یا نہ کرے ۔ آفتاب کا فائدہ سب کو برابر ملتا ہے ۔ اسی طرح خاص خاص بزرگوں کا فیض صحبت بھی ایسا ہی عام ہوتا ہے ۔ اور علامت ایسے بزرگوں کی یہ ہوتی ہے کہ ان کی وفات کے وقت عام قلوب میں ایک ظلمت و کدورت محسوس ہونے لگتی ہے ۔ حضرت رحؒ نے فرمایا کہ اس کی تائید اس جملہ سے ہوئی ہے جو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر فرمایا تھا ۔

واللہ ما انفضنا ایدینا من التراب حتی انکرنا قلوبنا ۔ یعنی ” خدا کی قسم کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد اپنے ہاتھ بھی مٹی سے نہیں جھاڑے تھے کہ ہمارے قلوب میں تغیر محسوس ہونے لگا ۔

فرمایا مشائخ کی صحبت میں رہنے والا ہر وقت اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے خواہ اس کو نفع کا احساس اور استحضار ہو یا نہ ہو ۔

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

سماع جائز کے شرائط از سلطان نظام الدین اولیاءؒ

ارشاد فرمایا کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائد الفواد" میں جائز سماع کے شرائط لکھی ہیں جن کا خلاصہ چار چیزیں ہیں جن کا تعلق سماع کے ارکان اربعہ سے ہے یعنی سامع۔ مُسمِع۔ مسموع۔ آلاتِ سماع۔ ہر ایک کے متعلق جواز کی شرائط حضرت نظام الاولیاء کے نزدیک یہ ہیں۔

سامع اہل دل باشد از اہلِ ہویٰ نباشد۔ یعنی سننے والا صاحبِ دل ہو، صاحب ہویٰ نہ ہو جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے چلے۔

مُسمِع (یعنی سنانے والا) مرد باشد زن وکودک نباشد۔ یعنی سنانے والا مرد ہونا چاہیے کوئی عورت یا امرد لڑکا نہ ہو۔

مسموع (یعنی جو نظم یا اشعار وغیرہ سنائے جائیں) ہزل وفحش نباشد۔ یعنی وہ کلام جو سنایا جائے، ہزلیات اور فحش کلام نہ ہو۔

آلاتِ سماع اس کے متعلق فرمایا۔ چنگ ورباب درمیان نباشد۔ (یعنی چنگ ورباب وغیرہ مزامیر کے ساتھ گانا نہ ہو) یہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ پہلے زمانے کے بعض صوفیاء سے جو سماع ثابت ہے وہ انھیں شرطوں کے ساتھ ہے۔ آج کل اہلِ ہوس تے گانا بجانا تو لے لیا۔ ان کے

اصلی کمالات سے بالکل بیگانہ وہ اہلِ سماع بھی اہلِ سماء تھے اور اب اہلِ ارض ہیں جو اخلد الی الارض کے مصداق نظر آتے ہیں۔

اہلِ کمال کے پہچاننے کا حکیمانہ معیار

ارشاد فرمایا کہ کسی عالم کے علم کا مقام اور درجہ معلوم کرنا ہو تو طلباء سے دریافت کیا جائے اور کسی صوفی بزرگ کا درجہ معلوم کرنا ہو تو اس زمانے کے مشائخ اہلِ طریق کا معاملہ دیکھا جائے کہ اس کے ساتھ کیا اور کیسا ہے وہ اس کو بزرگ صادق الحال سمجھ کر اسی طرح کا معاملہ کرتے ہیں یا نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس پر ایک شاہی حجّام کا قصّہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے حجّام کو خط بنانے کیلئے طلب کیا وہ اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ یہ بڑا پریشان ہوا کہ اب اس کی تلافی کیسے کروں۔ اس نے شاہی خدام سے بات کرلی کہ جب بادشاہ سو جائیں تو مجھے موقع دیں کہ مَیں خط بنا دوں۔ خدام شاہی نے اس کی ہمدردی سے اس کو منظور کرلیا۔ اس نے پہنچ کر سوتے ہوئے بادشاہ کا خط اس طرح بنا دیا کہ اس کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ وہ بیدار ہوئے تو خط بنا ہوا دیکھا۔ درباریوں سے پوچھا تو انھوں نے پورا واقعہ سنا دیا۔ بادشاہ اس کے کمال سے خوش ہوئے اور اس کو استاد کا شاہی خطاب دیا گیا۔ یہ معاملہ شہر میں مشہور ہوا تو ان کے رشتہ برادری کی عورتیں اُن کے گھر میں بیوی کو مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو گئیں۔ جب بیوی کو معاملہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک بڑی دانشمندانہ بات کہی وہ یہ کہ یہ خطاب اگر حجاموں کی برادری یا کسی ماہر حجّام کی طرف سے ملتا تو مجھے خوشی ہوتی کہ وہ اس کے کمال کی دلیل تھی۔ بادشاہ اس فن کو کیا جانے۔ اس کے لقب و خطاب دینے سے میرے نزدیک اس کی کوئی عزت نہیں بڑھی۔

جب خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حلیہ شریفہ کے خلاف ہو

اس میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے درمیان اختلاف تھا کہ اگر کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کسی ایسی ہیئت وصورت میں کی جو منقول و مذکور حلیہ شریفہ کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ شریعت کی مسنون ہیئت سے بھی مختلف ہو تو یہ رؤیاء صادقہ ہے یا نہیں۔

شجاعت اور رحم عموماً متلازم ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگوں نے ظلم وچوری اور بے رحمی کا نام شجاعت رکھ لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں حقیقی شجاعت زیادہ ہوتی ہے اس میں ضعیفوں پر رحم بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بے رحمی اور سنگدلی کا مظاہرہ اُن ہی لوگوں سے ہوتا ہے جن میں شجاعت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں رحم وترس نہیں۔ جب مقابلہ پر آتے ہیں تو مخالف کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں کہ انسانیت لرز اٹھتی ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی شجاعت عطا فرمائی ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ کمزور دشمن قبضہ میں آگیا تو اس کے ساتھ کبھی بے رحمی کا معاملہ نہیں کرتے۔

جس شخص کی بیوی بے پردہ ہو، اس کی امامت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک سوال آیا کہ جس شخص کی بیوی پردہ نہ کرتی ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں۔ حضرتؒ نے

تحریر فرمایا کہ جہاں مقتدی بھی سب ایسے ہی ہوں وہاں جائز ہے جیسے ننگوں کی جماعت پھر فرمایا کہ پورا پردہ آج کل کہاں ہے کسی کی عورتیں باہر پھرتی ہیں اور کسی کے گھر میں اجنبی غیر محرم مرد آتے ہیں ان کی عورتوں کو دیکھتے ہیں ان دونوں شقوں سے کون خالی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

سرسید اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ

جس زمانے میں سرسید نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی ہے اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اکابر علماء نے رکھی۔ سرسید کو خبر ملی تو کہنے لگے کیا ہوگا۔ مسجدوں کے ٹکڑے کھانے والے اور دو چار پڑھ جائیں گے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قرن اول میں اس کے صدر مدرس تھے ان کو سرسید کا یہ جملہ پہونچا تو دعا کی کہ یا اللہ اس کا عملی جواب تو آپ ہی دے سکتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے کہ اس مدرسہ کا پڑھا ہوا کوئی آدمی دس روپیہ سے کم کا ملازم نہ ہوگا یہ اب سے تقریباً سو سال پہلے کی بات ہے، جبکہ اُس وقت کے دس روپیہ آجکل کے پانسو کی برابر تھے مراد غالباً یہ تھی کہ وہ معاشی پریشانی کا شکار نہ ہوگا۔

جن ملکوں میں عشاء کا وقت نہیں آتا، صبح ہو جاتی ہے، ان میں نماز کا مسئلہ

اس مسئلے کے متعلق اس مجلس میں جو ارشاد فرمایا اس کے نقل کرنے سے پہلے اصل مسئلہ سمجھ لیا جائے وہ یہ ہے کہ قطب شمالی کی جانب کے بعض ملکوں میں رات اور دن کا یہ نظام نہیں ہے جو ہمارے عام بلاد میں پایا جاتا ہے۔ بلغار وغیرہ میں سال کے بعض ایام ایسے آتے ہیں کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد

ابھی شفق سفید غائب نہیں ہوتا کہ پھر آفتاب نکل آتا ہے، گویا عشاء اور وتر کی نمازوں کا وقت ان ایام میں آتا ہی نہیں۔ یہ سوال قدیم فقہاء کے زمانے میں زیرِ بحث آیا تو ان میں رائیں مختلف ہوئیں۔ ایک جماعت نے فرمایا کہ ان پر بھی نمازِ عشاء فرض ہے۔ اگرچہ اس کی ادائیگی طلوعِ آفتاب کے بعد کرنا ہوگی کیونکہ ہر روز میں پانچ نمازوں کا فرض ہونا قرآن و سنّت سے ثابت ہے اس میں کسی ملک یا کسی خطہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور اپنے اس فتویٰ پر انھوں نے زمانہ دجّال کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آیا ہے کہ دجّال کے زمانے میں ایک دِن ایک سال کا ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جو دن سال بھر کا ہوگا کیا اس دن میں بھی صرف پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس میں اندازہ لگا کر ہر روز کی پانچ نمازیں ادا کرنا ہوں گی۔

دوسری جماعت فقہاء نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت ان کے پانچ اوقات کے ساتھ مشروط ہے۔ جس جگہ کسی نماز کا وقت بالکل ہی نہ آئے وہاں وہ نماز ساقط ہو جائے گی۔ جیسے وضوء کے چار فرض ہیں لیکن اگر کسی کے پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو اس پر پاؤں دھونے کا فرض عائد نہیں ہوتا۔ صرف تین فرض رہ جاتے ہیں۔ اور حدیث دجّال پر اس مسئلے کے قیاس کو صحیح نہیں قرار دیا۔

قطبِ شمالی کی جانب کے ملکوں میں لیل و نہار کے اوقات میں اس کے سواء اور بھی مختلف صورتیں آفتاب کے طلوع غروب کی پیش آتی ہیں۔ ان سب میں نمازوں کے متعلق یہی دو نظریئے فقہی ہیں۔ بعض فقہاء پانچوں نمازوں کو فرض قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جس نماز کا وقت وہاں نہ ملے وہ نماز ساقط ہو جاتی ہے فرض ہی نہیں ہوئی۔

علامہ ابن عابدین شامی نے "ردّ المحتار" میں اس مسئلے کی تحقیق اور فقہاء کی دونوں جماعتوں کی تحقیقی بحثیں نقل فرمائی ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرّہ کے سامنے بھی یہ سوالات چند مرتبہ

آئے جو امداد الفتاوٰی مبوّب جلد اول صلا تا صلا میں درج ہیں۔ حضرت ؒ نے فتویٰ ان حضرات فقہا کے قول پر دیا ہے جن کے نزدیک ایسی صورت میں وہ نماز فرض ہی نہیں رہتی جس کا وقت نہ ملتا ہو۔ اس تفصیل کے بعد وہ ملفوظ لکھا جاتا ہے جو اس مجلس میں ارشاد فرمایا:۔

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحؒ نے فتوحات میں تصریح کی ہے کہ دجّال کے زمانے میں جو دن ایک سال کا ہوگا وہ درحقیقت ایک سال نہیں ہوگا بلکہ نظامِ شمسی اپنی حالت پر بدستور رہے گا۔ طلوع و غروب آفتاب کا اپنے مقررہ اوقات پر ہوتا رہے گا۔ مگر لوگوں کو دجّال کے دجل کے سبب طلوع و غروب نظر نہ آئیں گے۔ وہ سال بھر تک مسلسل ایک ہی دن محسوس کرینگے۔

ابو حنیفۂ عصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے فتوحات کی اس تحقیق کی بناء پر فرمایا کہ اس سے واضح ہوگیا کہ اہلِ بلغار اور قطب شمالی کی طرف ملکوں کے مسئلے کو زمانہ دجال کے مسئلے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہاں درحقیقت ہر نماز کا وقت اپنے مقررہ وقت میں آئے گا۔ لوگوں کو نظر نہ آئے گا اسلیئے وہاں یہ حکم دیا گیا کہ اوقات کا اندازہ کر کے سال بھر کے دنوں کی نمازیں اس ایک دن میں پڑھیں۔ بخلاف اہل بلغار وغیرہ کے کہ ان پر وقت عشاء آتا ہی نہیں۔ اس لیے ان پر عشاء کی نماز ان ایام میں فرض ہی نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا کہ اصل مدار قرآنِ کریم کی آیت ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا کی تفسیر پر ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ بے شک نماز مؤمنین پر ایک فرض مؤقّت ہے۔ اس آیت کی تفسیر اگر یہ کی جائے کہ ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں فرض ہیں تب تو اہلِ بلغار وغیرہ پر ہر روز کی پانچ نمازیں فرض ہوں گی کسی نماز کا وقت ملے یا نہ ملے۔ لیکن اگر تفسیر آیت کی یہ ہو جیسا کہ الفاظ قرآن سے یہی ظاہر ہے کہ ہر روز کے مقررہ اوقات میں پانچ نمازیں

فرض ہیں تو جن بلاد میں کسی نماز کا وقت ہی نہ آتا ہو وہ نماز ان کیلئے فرض نہ ہوگی۔ (انتہٰی)

حضرت گنگوہی رح کی تحقیق تو شیخ اکبر کی تحقیق سے مستفاد ہے۔ حضرت قاضی عیاض رح نے بھی حدیث دجال کے متعلق تقریباً یہی موقف اختیار کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ حدیث دجّال ایک خلاف قیاس حکم کو بیان کر رہی ہے اس لیے وہ صرف زمانہ دجال کے ساتھ مخصوص حکم ہوگا جو صاحبِ شرع نے اس خاص زمانے کیلئے جاری فرمادیا ہے۔ اگر آپ یہ صریح حکم اس زمانے کیلئے ارشاد نہ فرماتے تو اجتہاد فقہی کے اعتبار سے وہاں بھی یہی کہا جاتا کہ اس ایک سال کے دن میں صرف پانچ ہی نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جائیں گی۔ مگر حدیث صریح کی بناء پر وہاں قیاس کو چھوڑ دیا گیا اور جو حکم خلافِ قیاس کسی خاص مسئلے میں وارد ہو اس میں اصول یہی ہے کہ دوسرے مسائل کو اس پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ (ردالمحتار شامی صـ۳۳۷ ـ ج ۱)

قاضی عیاض کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر زمانہ دجال کے یکسالہ دن کو اپنی حقیقت پر رکھ کر ایک ہی دن قرار دیا جائے اور شیخ اکبر کے قول کو نظر انداز کیا جائے پھر بھی حکم فقہی یہی ہے کہ ان ممالک میں جس نماز کا وقت نہ ملے وہ نماز فرض نہیں اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ جگہ فقہی مسائل کی مکمل تحقیق و تفصیل بیان کرنے کی نہیں ہے۔ وہ ردالمحتار شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں طویل النہار یا طویل اللیل ملکوں میں نماز کے مسائل کے ساتھ روزے کے احکام بھی بیان کر دیئے ہیں۔

تنبیہ

اس مسئلے میں ان فقہاء کے اقوال کی ترجیح جو ایسے مواقع میں سقوط فرض

کے قائل ہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے تو امداد الفتاویٰ میں بھی منقول ہے۔ اس ملفوظ میں اہم بات قابل یاد رکھنے کے یہ ہے کہ فقیہہ العصر حضرت مولانا گنگوہی رحہ کے نزدیک بھی اسی کو ترجیح ہے۔

جو کشف تلبیس سے خالی ہو وہ بھی شرعی حجت نہیں!

مذکور الصدر ملفوظ میں شیخ اکبر نے جو کچھ فرمایا وہ ظاہر ہے کہ ان کا ایک کشف ہے اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس سے احکام شرعیہ میں استدلال کیسے درست ہوا۔ اس پر فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحہ کا اصل استدلال اس کشف پر مبنی نہیں۔ بلکہ آیت قرآن کنتایا موقوتا کی ظاہر تفسیر پر مبنی ہے ان کے کشف کو محض تائید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت شیخ اکبر کے بعض کشف تلبیس شیطانی سے پاک ہوتے ہیں جو تجربہ سے ثابت ہے لیکن کسی کشف کا خالی از تلبیس ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کو شرعی حجت بنا لیا جائے۔ جیسے کسی شخص نے عید کا چاند تنہا دیکھا ہو اور اس کو اس دیکھنے میں کوئی شبہ اور تلبیس بھی نہ ہو مگر اس کا تنہا دیکھنا حجت شرعیہ نہیں اس کی بنا پر قاضی لوگوں کو عید کرنے کا حکم نہیں دے سکتا۔

مثنوی کے ایک شعر کی شرح و تقریر

مولانا رومی نے فرمایا ہے ؎

پس زبون وسوسہ باشی دلا	گر طرب را باز دانی از بلا!
گر مرادت را مذاق شکر است	نامرادی نے مراد دلبر ست

فرمایا کہ مؤمن کی شان یہ ہونا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنی خواہش کے مطابق کام ہونے پر خوش اور راضی رہتا ہے۔ خلاف طبع خلاف تمنا کام

ہو جانے پر بھی اسی طرح دل سے راضی رہے جیسا کہ حدیث میں رضا بالقدر کی دعا تلقین فرمائی گئی یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بندے کیلئے مقدر کر دیا ہے وہ اگرچہ اس کی طبیعت اور خواہش کے خلاف ہو مگر یہ تصور کرے کہ ہمارا رب کریم رحیم بھی ہے حکیم بھی۔ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اور انجام کار میرے لئے رحمت ہے۔ اسی مضمون کو پہلے شعر میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اپنی خواہش اور خوشی کو بہتر اور جو کچھ تقدیری طور پر سامنے آیا اس کو برا سمجھا۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔

اور دوسرے شعر میں اسی رضاء بالقضاء کی تحصیل کیلئے ایک عاشقانہ تصور یہ دیا ہے کہ تم غور کرو کہ تمھیں ایک چیز بھلی معلوم ہو رہی تھی اس کی طلب میں تھے۔ محبوب حقیقی کو وہ چیز پسند نہ تھی۔ اس نے دوسری صورت اختیار فرمائی تو عاشق کا فرض ہے کہ محبوب کی پسند پر اپنی پسند کو قربان کر دے۔ اور فرمایا کہ اگر تمھیں اپنی مراد اور خواہش شیریں معلوم ہوتی ہے اور تمھارے محبوب حقیقی کو تمھاری نامرادی اور ناکامی پسند ہے تو تم اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان کر کے دل سے راضی رہو۔ ایک اور بزرگ نے بھی یہی مضمون اس شعر میں فرمایا ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

تقلیل کلام کے متعلق ایک حدیث کی شرح

مشکوٰۃ باب حفظ اللسان میں ایک حدیث ہے:۔

العی من الایمان۔ یعنی "بولنے اور کلام کرنے میں کمی اور رکاوٹ ایمان کا جز ہے۔"

فرمایا کہ مومن کی اصل شان یہ ہونا چاہیے کہ اس کا قلب فکر آخرت

میں ہمہ وقت مشغول ہو اور جب یہ حالت ہو گی تو اس کے ساتھ عی یعنی کلام کی بستگی لازمی ہے۔ طلاقت لسان اور بیان کی روانی ایسی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ البتہ کسی عارضی ضرورت سے کوئی دوسرا حال غالب آ جائے تو اس وقت طلاقت لسان اور بیان کی روانی اور خطابت کا زور بھی تقریر میں پیدا ہو جاتا ہے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات کے وقت آپؐ کی حالت کا بیان صحابہ کرام سے منقول ہے۔

طالبین کیلئے ایک حکیمانہ نصیحت

ارشاد فرمایا کہ اس عالم میں جیسے اسباب سے آثار پیدا ہوتے ہیں مثلاً گرم چیز کے استعمال سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح بعض اوقات آثار سے بھی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو کھانا کھانے کا سبب بھوک اور کھانے کی رغبت ہے اور عموماً یہی ہوتا ہے کہ پہلے بھوک لگتی ہے اور کھانے کی رغبت پیدا ہوتی ہے پھر اس کے تقاضا سے کھانا کھایا جاتا ہے۔ مگر شیر خوار بچے کو دیکھئے کہ جب ماں باپ اس کا دودھ چھڑانا چاہیں تو وہاں پہلے سے رغبت نہیں بلکہ نفرت و اعراض ہوتا ہے اس کی رغبت تو صرف ماں کے دودھ کی طرف ہوتی ہے۔ مگر ماں باپ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ کھلاتے چٹاتے ہیں۔ اس کھلانے سے بچے میں رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو لوگ تماکو کھانے یا پینے کے عادی ہیں ان سے پوچھئے کہ تماکو کا عشق پہلے ان کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کی مجبوری سے کھانا شروع کیا یا معاملہ برعکس ہوا کہ پہلے کھانا شروع کیا اس سے عشق کے درجہ تک رغبت پہنچ گئی اسی طرح جس طرح باطن میں کمال ایمان انسان کے اعمالِ صالحہ کا سبب بنتا ہے اسی طرح بعض اوقات دِل میں داعیہ نہیں ہوتا مگر عمل شروع کر دینے سے دل میں بھی شوق و رغبت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے سالک اور طالب کو

چاہیے کہ مرشد نے جو معمولات بتلا دیئے ہیں ان کے پورا کرنے میں اسکا انتظار نہ کرے کہ دل لگے گا تو کروں گا بلکہ ہونا یوں چاہیئے کہ ان کو کرنا شروع کر دے۔ آہستہ آہستہ دل بھی لگ جائے گا۔

---

۱۶ ار صفر ۱۳۵۵ھ

ایک صاحب نے حضرت رح کو خط میں لکھا کہ میں ڈاڑھی منڈاتا ہوں اور فلاں فلاں گناہوں کا مرتکب ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اگر ان حالات میں آپ اجازت دیں تو حاضر ہو جاؤں۔

حضرت رح نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کا ظاہر خراب ہے، اور باطن اچھا ہے اور میرا باطن خراب ہے ظاہر اچھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ اگر دونوں کے عیوب ایک جیسے ہوتے تو مناسبت ہو جاتی اور عدم مناسبت کی صورت میں کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے تکلیفِ سفر ضائع ہوگی۔ مناسب نہیں۔

اور پھر خود ہی فرمایا کہ اسی طرح کا ایک مضمون ایک اور صاحب نے بھی لکھ کر اجازت مانگی تھی۔ ان کو میں نے لکھ دیا تھا کہ جس حال میں بھی ہو آجاؤ۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا خط پڑھ کر فکرِ اصلاح مترشح ہوئی تھی اور اِن کے خط سے اسکی امید نہ ہوئی اس لیے جواب مختلف ہو گئے۔

خطرات نفسانیہ اور شیطانیہ میں فرق

ارشاد فرمایا کہ اگر ایک ہی معصیت کا تقاضا نفس میں بار بار پیدا ہو تو یہ علامت اس کی ہے کہ یہ خطرہ نفسانی ہے اور اگر ہر مرتبہ مختلف قسم کے

گناہوں کا تقاضا اور خطرہ دل میں پیدا ہو تو وہ خطرہ شیطانی سمجھا جائے۔ کیونکہ نفس کا خطرہ اپنی خواہش شہوت ولذت پورا کرنے پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی کو مکرر پیش کرتا رہتا ہے۔ اور شیطان کی غرض تو صرف یہ ہے کہ یہ کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ ایک گناہ کے خطرہ کو اس نے دفع کر دیا تو وہ دوسرے گناہ کا خیال پیدا کر دیتا ہے۔ اور جو خطرات عقائد کے متعلق ہوں وہ سب محض شیطانی ہوتے ہیں۔

۹ صفر ۱۳۵۵ھ کو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد میں ۱۶ صفر ۱۳۵۵ھ کو تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے یہاں آنے میں اب بھی جلدی کی کیونکہ والدہ صاحبہ ابھی زیادہ پریشان ہوں گی۔ میرا تو دل چاہتا تھا کہ اگر میں سفر کے قابل ہوتا تو ایک دو روز کیلئے خود وہاں پہنچتا اور ان کو تسلی دیتا۔ مگر میں تو کسی کام کا نہیں رہا۔ اور فرمایا کہ دل تو یہی گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم پر فضل ہوا ہوگا۔

شعر شاعری میں بزرگانِ دیوبند کی احتیاط اور اعتدال پسندی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے سامنے ایک فارسی قطعہ پیش کیا گیا جس کا تعلق ایسے لوگوں سے تھا جو بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ قطعہ یہ تھا۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست — چراغ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش — دروغے را جزا باشد دروغے

حضرت مولانا نے سنا تو فرمایا کہ اس میں تو مخاطب کو کافر ہی کہہ دیا گیا ہے کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کو جھوٹ قرار دینا کافر ہی کہنا ہے۔ پھر خود اس میں ایک شعر کا اضافہ اپنی طرف سے اس طرح کر دیا ؎

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست — چراغ کذب را نبود فروغے

مسلمانت بخوانم در جوابش | دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر خود مؤمنی فبہا و الا | دروغے را جزا باشد دروغے

تعویذ گنڈا

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ اپنے مقاصد میں اور دفع امراض و مصائب میں تعویذ گنڈے وغیرہ کی تو بڑی قدر کرتے ہیں اس کیلئے کوشش بھی کرتے ہیں اور جو اصل تدبیر ہے یعنی اللہ سے دعاء اس میں غفلت برتتے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ کوئی نقش و تعویذ دعا کے برابر مؤثر نہیں۔ ہاں دعاء کو دعاء کی طرح مانگا جائے اور موانع قبول سے پرہیز کیا جائے۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا۔ اتفاقاً کانپور میں طاعون کی وبا پھیلی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں پر تین مرتبہ سورۂ قدر انا انزلناہ پوری پڑھ کر دم کر کے کھلایا پلایا جائے۔ مریض کو صحت ہو جائے گی اور تندرست محفوظ رہے گا اور فرمایا کہ پھر اس کا مشاہدہ تجربہ سے ہو گیا۔

انگریزوں کی دوستی بھی فتنہ ہے دشمنی بھی

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انگریزوں کی دوستی فتنہ باطنہ ہے اور ان کی دشمنی (بحالت موجودہ کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں) فتنہ ظاہرہ ہے اور ہم دونوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء میں تلقین فرمائی ہے:۔

اللھم انا نعوذ بك من الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔

یعنی "یا اللہ ہم تمام فتنوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں جو ظاہر اور کھلے ہوئے فتنے ہیں یا جو چھپے ہوئے فتنے ہیں۔

بڑھاپے میں بھی غیر محرم عورتوں اور امرد لڑکوں سے علیحدہ رہنے کا اہتمام پورا کرنا چاہیے

بعض مشائخ سن رسیدہ بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب غیر محرم عورتیں بے پردہ سامنے آویں یا امرد لڑکوں سے کام لیں تو کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں۔

حضرتؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اس میں اکثر دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے۔ بڑھاپا کتنا ہی چھا جائے مگر شہوت اور میلان باقی رہتا ہے۔ اور بوڑھوں کیلئے یہ میلان زیادہ مضر ہوتا ہے کیونکہ قوت مقاومت ضعیف ہو جاتی ہے۔ قلبی گناہ اور نظر کے گناہ میں ابتلاء تو ہو ہی جاتا ہے۔ اس لیے اس سے بہت پرہیز اور احتیاط کرنا چاہیے۔

اہل بدعت اور خلافِ مسلک لوگ جو عبادت گذار ہوں انکی شخصیات کے معاملہ میں احتیاط

اکابر دیوبند کی جس طرح مسائل میں حق گوئی اور صاف گوئی معروف و مشہور ہے جس کو سب جانتے ہیں۔ اسی طرح ان کے تقویٰ اور تواضع کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے وہ یہ کہ مسئلہ میں تو کسی کی رعایت نہیں۔ اپنے نزدیک جو حق بات ہے وہ صاف کہہ دیں لیکن اس کے خلاف کرنے والے حضرات کی شخصیات اور ذاتیات پر گفتگو آئے تو اس میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ ان کی بدگوئی سے خود بھی احتیاط کرتے ہیں دوسروں کو بھی احتیاط کی تلقین کرتے ہیں۔ جس پر ان کی زندگی کے واقعات بکثرت شاہد

ہیں۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ سے کسی نے کہا کہ میرٹھ کے مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل بکثرت میلاد پڑھتے اور پڑھواتے ہیں آپ کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ بھائی ان کو حب رسول کا بڑا درجہ حاصل ہے دُعا کرو مجھے بھی وہ حاصل ہو جائے

(ملفوظ حکیم الامت ۱۲ رمضان ۱۳۴۵ھ)

یہ سوال چونکہ دوسرے ایک عالم کی شخصیت اور اپنی ذلت کے تقابل کا تھا اس لئے اس وقت کسی مسئلہ کی تحقیق کی جاتی تو وہ اپنے نفس کی طرف سے مدافعت اور دوسرے عالم کی شخصیت پر جرح ہوتی اس سے اجتناب فرمایا اور تواضع کا پہلو اختیار کیا۔

اگر صرف مسئلہ پوچھا جاتا کہ مروجہ قسم کی محفل میلاد کا کیا حکم ہے تو وہی فرماتے جو ان کی تحریرات اور فتاویٰ میں مذکور ہیں۔

ایک مشہور پیر صاحب بازاری عورتوں کو بھی مرید کر لیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحہ کی مجلس میں کچھ لوگ اُن کو بُرا کہنے لگے تو حضرت رحہ نے بہت خفا ہو کر فرمایا کہ تم نے ان کا عیب تو دیکھ لیا یہ نہیں دیکھا کہ وہ راتوں کو اللہ کے سامنے عبادت گذاری اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ لوگوں کو خاموش کر دیا اور اشارہ اس بات کی طرف کیا کہ کسی شخص کے اچھے عمل کو اچھا اور بُرے کو بُرا کہہ دینا تو دینی حق ہے لیکن کسی شخص کو بُرا یا بھلا اس کے مجموعہ اعمال کی بناء پر کہا جا سکتا ہے جس کا عموماً لوگوں کو علم نہیں ہوتا اس لئے کسی شخص کی ذات کو بُرا کہنے میں بہت احتیاط چاہیے۔

حضرت مولانا نانوتوی رحہ کے خاص بے تکلف مرید امیر شاہ خان نے ایک مرتبہ فضل رسول صاحب جو اس زمانے کے اہلِ بدعت میں سے تھے۔ ان کا نام بگاڑ کر فضل رسول کے بجائے فصل رسول حرف صاد کے ساتھ کہا حضرت رحہ نے ناراض ہو کر سختی سے منع فرمایا کہ وہ جیسے بھی کچھ ہوں، تم تو

آیت قرآن ولا تنابزوا بالالقاب کے خلاف کر کے گناہگار ہوئے گئے۔
ایک معروف ومشہور اہل بدعت عالم جو اکابر دیو بند کی تکفیر کرتے تھے اور ان کے خلاف بہت سے رسائل میں نہایت سخت الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ان کا ذکر آگیا تو فرمایا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ان کے متعلق معذب ہونے کا گمان نہیں۔ کیونکہ ان کی نیت ان سب چیزوں سے ممکن ہے کہ تعظیم رسول ہی کی ہو۔

مجالس رمضان المبارک ۱۲۹۸ھ

ارشاد فرمایا کہ آج کل دو چیزیں منکرات میں سے بہت عام ہوگئیں۔ ایک تصویر، دوسرے اسپرٹ اور الکحل کا استعمال۔ احقر نے عرض کیا کہ کیا اس ابتلاءِ عام اور عموم بلوے کی کوئی رعایت حکم میں کی جا سکتی ہے تو ارشاد فرمایا کہ حلت وحرمت میں عموم بلوے معتبر نہیں بلکہ نجاست وطہارت میں معتبر ہے وہ بھی جبکہ کسی چیز کی نجاست وطہارت میں مجتہدین سلف کا اختلاف ہو۔

ارشاد فرمایا کہ جب میں مدرسہ دیوبند میں تعلیم پاکر فارغ ہوا تو یہ ارادہ تھا کہ اب اپنے اخراجات کا بار والد صاحب پر نہ ڈالوں گا۔ کہیں بقدرِ ضرورت ملازمت کر کے اپنی ضروریات پوری کروں گا۔ لیکن دس روپیہ سے زائد کی طرف کبھی دھیان بھی نہ جاتا تھا۔ (حالانکہ حضرت ایک متمول گھرانے کے فرد تھے مگر اپنی زندگی سادہ رکھنے کے عادی)۔

پھر فرمایا کہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اپنے بزرگوں کی تجویز پر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس مقرر ہوگیا اور میری تنخواہ وہاں پچیس روپیہ ماہوار تجویز ہوئی تو میں دل میں کہتا تھا کہ اتنا روپیہ کیا کروں گا۔

ارشاد فرمایا کہ انسان کے دل میں جو سوالات آتے رہتے ہیں ان کے جواب کبھی کسی عالم کی مجلس میں اور بیان میں خود بخود آجاتے ہیں مگر تجربہ یہ ہے کہ خود سوال کرنا اور جواب حاصل کرنا زیادہ نافع بھی ہوتا ہے اور اس کا

اثر بھی دیرپا ہوتا ہے۔

قیافہ کے واقعات کا ذکر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ نوشیرواں کے پاس ایک پست قد آدمی آیا اور فریاد کی کہ مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے۔ نوشیرواں نے کہا تو غلط کہتا ہے۔ پست قد کا آدمی خود فتنہ ہوتا ہے۔ اس پر ظلم کون کر سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ بجا ہے مگر جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے وہ مجھ سے زیادہ پست قد ہے۔ دیکھا گیا تو بات صحیح نکلی۔

حضرت رحؒ جن لوگوں کے نام خلافِ شرع دیکھتے ان کو سنت کے موافق بدل دینے کا اہتمام فرماتے تھے مگر یہ کمال تھا کہ نام کی تبدیلی ایسی کر دیتے تھے کہ نمایاں فرق معلوم نہ ہو اور نام بدلنے میں زیادہ الجھن نہ ہو۔

ایک انگریز خاتون کو مولانا حبیب احمد کیرانوی رحؒ نے مسلمان کیا تھا۔ اُس کا خاندانی نام فرزادہ تھا۔ حضرت نے اس کا اسلامی نام فریدہ رکھ دیا۔ اسیطرح ایک شخص کا نام پیر بخش تھا۔ حضرت نے اس کا نام کبیر بخش تجویز فرما دیا۔

ایک خاتون نے خط میں سوال کیا کہ ایام حیض میں قرآنِ مجید کی چند سورتوں کی تلاوت کا سونے کے وقت جو معمول ہے وہ جاری نہیں رہتا؛ تو اس وقت مجھے کیا پڑھنا چاہیے؛ حضرت نے تحریر فرمایا لا الہ الا اللہ، اور استغفار پڑھا کریں لیکن جس وقت نجاست کا تسلسل ہو، اس وقت یہ بھی نہ پڑھیں کہ خلافِ ادب ہے جیسے استنجا کے وقت۔

ارشاد فرمایا کہ ملازمت کانپور کے زمانے میں ایک درویش کانپور آئے۔ مجھ پر مہربان تھے مجھے چار روپیہ روز کا ایک عمل دستِ غیب کا لکھ کر دے گئے۔ میں نے تحقیق کرنا چاہا کہ یہ چار روپیہ کہاں سے آئیں گے تو معلوم ہوا کہ اس عمل کے ذریعہ چار روپیہ مسخر ہو جاتے ہیں وہ جہاں کہیں جا دیں۔ بعینہٖ پھر اس کے پاس واپس آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں جنات کے عمل کو دخل ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو چوری ہوئی۔ ہم نے یہ چار روپیہ گھر کا کوئی

سامان کسی سے خریدا وہ چار روپیہ پھر واپس ہمارے پاس آگئے جو اس کا حق تھا اس لیے یہ عمل حرام ہے۔

افسوس ہے کہ بعض ناواقف درویش بھی اس کو کرامت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں جو قطعی حرام اور گناہ ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہر زمانے کے مناسب ظہور میں آئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے مثال سلطنت جن وانس اور وحوش وطیور پر اور ہوا پر۔ یہ بھی بطور معجزہ تھی۔ اِسی لیے سلیمان علیہ السلام نے یہ دعاء کی کہ

هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ — یا اللہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما دیجئے جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ سلطنت وحکومت بطور معجزہ تھی اور معجزہ ہر پیغمبرؑ کا غیر مشترک ہوتا ہے۔

جنکو کوئی کام کرنا ہوتا ہے انکو شبہات بہت کم ہوتے ہیں، اور بہت جلد رفع ہو جاتے ہیں زیادہ تدقیق میں وُہ پڑتے ہیں جنکو کام کرنا نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے پیشِ نظر کوئی مقصد ہوتا ہے اور وہ اس کے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو شبہات بہت کم پیش آتے ہیں۔ اور ذرا سے اشارہ میں دفع ہو جاتے ہیں۔ سوالات اور شبہات کی بھرمار صرف وہ لوگ کیا کرتے ہیں جن کو کام کرنا نہیں ہوتا۔

یہاں سے دہلی جانے والے کو جب کہیں راستہ میں شبہ ہو جائے تو کسی

سے راستہ پوچھتا ہے تو بقدرِ ضرورت معلوم ہو جانے پر چلنا شروع کر دیتا ہے بہت زیادہ تدقیقات میں نہیں پڑتا نہ زیادہ قیل وقال کرتا ہے۔ اسی طرح کسی بھوکے آدمی کو کھانا دیا جائے تو وہ بہت سوالات و تدقیقات میں نہیں پڑتا کہ گندم کہاں کا ہے، چاول کہاں سے آیا ہے، آٹا کہاں پیسا گیا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتا ہے کہ کھانا بھوک کو رفع کرنے کیلئے اللہ نے دے دیا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

حضرات صحابہ کرام کا دین کے معاملات میں یہی رنگ تھا کہ کام کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ گوش بر آواز رہتے۔ جب کسی کام کا حکم ہو فوراً اس طرف چل دیں۔ اوّل تو دین کے معاملات میں ان کو شبہات و سوالات پیدا ہی نہ ہوتے تھے اور جو ہوتے تو ادنیٰ اشارہ اور مختصر تقریر سے کافور ہو جاتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ سچی اور صحیح بات کا یہی طبعی اثر ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ۔ یعنی "سچی بات اطمینانِ قلب کا سبب بنتی ہے اور جھوٹ شک و شبہ کا۔"

ایک طرف بات سیدھی سچی دوسری طرف قبول اور اطاعت کا جذبہ قوی اسلئے شبہات کی کوئی عمر ہی نہ ہوتی تھی۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے درمیان ایک معاملہ میں اختلاف رائے پیش آیا۔ صدیقِ اکبر نے ایک دو مرتبہ فرما دیا:۔

واللہ ھو خیر۔ واللہ ھو خیر۔ یعنی "خدا کی قسم خیر اسی میں ہے۔"

فاروقِ اعظمؓ فرماتے ہیں کہ ان کلمات سے مجھے بھی اس معاملہ میں شرح صدر ہو گیا جس میں حضرت صدیقؓ کا شرح صدر پہلے ہو چکا تھا اور اختلاف رائے ختم ہو گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ واللہ ھو خیر نہ کوئی معاملے اور مسئلے کی دلیل ہے نہ کسی

بحث کا جواب مگر طالبِ حق کیلئے غور و فکر کی دعوت ہے وہ ہی اس جگہ کافی ہوگئی۔

باپ جو بیٹے کو نصیحت کرتا ہے عادۃً وہ دلائل بیان نہیں کرتا۔ لمبی تقریر نہیں کرتا بیٹے کی مصلحت کو مختصر لفظوں میں بتلاتا ہے وہی کافی ہوجاتی ہے۔ قرآنِ کریم کے ارشادات عموماً اسی رنگ کے ہوتے ہیں۔

کسی مسلمان کی تکفیر یا تفسیق کے معاملہ میں بڑی احتیاط لازم ہے

ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اپنے انجام اور آخرت کی فکر درپیش ہوتی ہے اس کی زبان دوسروں کے حق میں آزادانہ نہیں کھلتی۔ وہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ اس کے اور اپنے انجام کا علم نہیں ؎

ہیچ کافر را بخواری منگرید   کہ مسلمان بودنش باشد امید

پھر فرمایا کہ علماء اہلِ فتویٰ کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ فیصلہ کرے کون مسلم ہے کون کافر۔ کون صالح ہے کون فاسق۔ مگر کسی معین شخص کیلئے ایسا حکم کرنا بڑا کٹھن مسئلہ ہے۔ بڑی احتیاط لازم ہے۔ اور الحمد للہ علمائے حق ہمیشہ اس کی رعایت رکھتے ہیں لیکن بے فکرے لوگ پھر بھی علماء پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ علماء لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ کافر بناتے نہیں کافر بتلاتے ہیں۔ یعنی جو شخص اپنے باطل عقیدے کے سبب کافر ہو چکا ہے مگر اس کا کفر مخفی ہے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کیلئے بتلاتے ہیں کہ یہ اپنے عمل سے کافر ہو چکا ہے۔

تکبّر کی حقیقت اور ایک اشکال کا جواب

ارشاد فرمایا کہ اوصاف کمال میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مختلف درجات رکھے ہیں کوئی ناقص ہے کوئی کامل کوئی اکمل۔ مثلاً ایک شخص کی

نگاہ قوی بہت باریک اور دور کی چیز کو دیکھتی ہے دوسرے کی ضعیف ہے جو اُن کو نہیں دیکھ سکتی۔ ایک شخص کو دو آنکھیں سالم ملی ہیں۔ دوسرے کی دونوں یا ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے۔ اب اگر کوئی بینا آدمی اپنے آپ کو نابینا سے اکمل سمجھے یا قوی البصر بہ نسبت ضعیف البصر کے اپنے کو اکمل سمجھے تو یہ تکبر میں داخل نہیں۔ اس کے خلاف پر مجبور کیا جائے تو تکلیف مالا یطاق ہو جائے گی۔ ایک شخص جو کسی کتاب کا ایک حرف نہ پڑھ سکتا ہو نہ لکھ سکتا ہو، دوسرا آدمی عالم فاضل حافظ و قاری اور مفسّر محدّث ہے۔ وہ یہ کیسے باور کرے کہ ناخواندہ آدمی اس سے زیادہ کامل ہے۔ اس لیے اگر ایک عالم یہ سمجھے کہ مجھے لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ اس وصف میں میں بہ نسبت دوسرے کے کامل ہوں اور یہ کمال بھی کوئی میری ذاتی جاگیر نہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ کا انعام اور عطیہ ہے تو یہ تکبر میں داخل نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے کو کسی خاص وصف میں دوسرے سے اکمل جاننا تکبر نہیں۔ ہاں افضل اور بہتر جاننا تکبر ہے۔ کیونکہ افضل اور بہتر ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول اور انجام بخیر ہونے پر ہے اس کا کسی کو علم نہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان سے افضل جاننا جائز نہیں۔

حاضرات محض خیالی چیز اور مسمریزم کی قسم ہے

ارشاد فرمایا کہ بہت سے تعویذ گنڈے والے حاضرات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کے قائل ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ حاضرات محض خیالات کا تصرّف ہے۔ اگر اس مجلس میں کوئی آدمی یہ خیال جما کر بیٹھے کہ یہ کچھ نہیں، بالکل باطل ہے تو حاضرات کا ظہور اُسے نہ ہو سکے گا۔ ہم نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ جب تک یہ خیال جمائے بیٹھے رہے۔ حاضرات والے عاجز ہو گئے، کچھ نظر نہ آیا اور جب یہ خیال ہٹا لیا تو سب کچھ نظر آنے لگا۔

علمِ کلام کا صحیح مقام

ارشاد فرمایا کہ علم کلام کی ضرورت بدعات اعتقادیہ کی وجہ سے پیدا ہوئی لوگوں نے عقائد اسلامیہ میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے شروع کیے تو علماء کو شبہات دور کرنا ضروری ہوگیا اس سے علم کلام پیدا ہوا۔ اور یہ ٹھیک ایسا ہی ہے جیسے ہمارے زمانے میں علمِ فقہ میں جزئیات فقہیہ۔ اور یہ تحقیق کہ نماز میں فرض کتنے ہیں واجب کتنے اور سنت مؤکدہ کیا ہیں، اور مستحبات یا مکروہات کیا۔ جب لوگوں نے نماز کی ادائیگی میں کوتاہیاں، اور نقائص پیدا کئے تو فقہاء کیلئے ضروری ہوگیا کہ اعمالِ نماز کا تجزیہ کر کے بتلائیں کہ اس میں کون سا فرض یا واجب ہے جس کے بغیر نماز ادا ہی نہیں ہوتی۔ کونسا عمل مسنون یا مستحب ہے جس کے ترک کر دینے کے باوجود نماز ادا ہو جاتی ہے گو ناقص ہو۔

حضرات صحابہ کرام کے زمانے میں نہ یہ بدعات اعتقادیہ پیش آئی تھیں اور نہ احکام شرعیہ میں اتنے نقائص اور کوتاہیاں اس لیے اس وقت نہ علم کلام کی ضرورت تھی نہ موجودہ طرز کے علم فقہ کی۔ بعد میں جب ضرورت پیدا ہوئی تو یہ علوم وفنون ضروری سمجھے گئے مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ علمِ کلام کی تحقیقات کو صرف مانع اصطلاحی کا درجہ دیا جائے جس کا حاصل ایک احتمال پیدا کرنا ہے کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو عقیدہ کا درجہ دینا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ جن حضرات علماء نے علمِ کلام کے اشتغال کو منع کیا ہے وہ اسی غلو اور حد سے تجاوز کی بناء پر کیا ہے۔ مثلاً حضرات متکلمین نے فلاسفہ کے اس قول کو رد کیا کہ جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے اس کے بالمقابل جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے قرار دی۔ تو جو لوگ جزءِ لایتجزیٰ کے مسئلے کو مانع یعنی احتمال پیدا کرنے کے درجے میں رکھیں وہ کوئی خلافِ شرع کام

نہیں کر رہے لیکن اگر یہ عقیدہ بنالیں کہ جسم کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہے، تو شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہونے کی بناء پر ایسا عقیدہ رکھنا غلط اور ناجائز ہوگا۔

عمل میں احتیاط اور بدگمانی میں فرق

ارشاد فرمایا کہ گلستاں اور بوستاں کے دو شعروں میں تضاد ہے۔ شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں تو یہ فرمایا ہے کہ ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی ! پارساداں و نیک مرد انکار

اس کا حاصل تو یہ ہے کہ کسی کے باطنی معاملات کی تفتیش نہ کرے جو ظاہر میں نیک ہو اس کو نیک ہی سمجھے۔

اور بوستاں میں فرمایا کہ ؎

نگہ دار آں شوخ در کیسہ دُر کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

اس کا حاصل یہ ہے کہ سارے لوگوں کو چور سمجھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ کوئی تضاد نہیں۔ پہلا شعر اعتقاد رکھنے کے متعلق ہے کہ جن کی ظاہری صورت نیک لوگوں کی دیکھو اِن کو نیک ہی اعتقاد کرو۔ بلاوجہ بدگمانی نہ کرو۔ اور بوستاں کا شعر عملی احتیاط اور معاملات میں بیدار مغزی کیلئے ہے کہ عمل میں ہر ایک نیک و بد سے اپنی چیز کی ایسی حفاظت کرو جیسے چوروں سے کی جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ حاصل یہ ہے کہ اعتقاد رکھنے کی صورت میں تو گلستاں پر عمل کرو اور معاملہ کرنے میں بوستاں پر۔

احقر کہتا ہے کہ حدیث میں بھی اس طرح کے بظاہر مختلف ارشادات آئے ہیں۔ ایک حدیث میں اهل الجنة بُلْه فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگ سب بھولے بھالے ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ مومن ذہین صاحبِ فراست ہوتا ہے وہ کسی کے دھوکے میں نہیں آتا۔

ان دونوں حدیثوں کا یہی محمل ہے کہ پہلی حدیث میں مؤمن کا یہ حال بتلایا ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب پر نظر نہیں کرتا۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور دوسری حدیث میں معاملات کے اندر احتیاط کرنے کی تلقین ہے تاکہ دھوکہ نہ کھائے۔

واللہ اعلم

طریقِ تصوّف میں ترکِ تعلقات اور ترکِ عزائم

ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اس طریق کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی تمام تعلقات سے یکسو ہو کر اصلاحِ باطن کی فکر میں لگے اور اپنے سب عزائم اور ارادوں کو بھی شیخ کے حوالے کر کے فارغ ہو جائے۔ تعلقات اس طریق میں سخت مضر ہیں بلکہ عزمِ تعلقات بھی مضر ہے۔

کسی شخص میں کوئی عیب دیکھو تو اسکے دوسرے کمالات سے قطع نظر نہ کرو

ارشاد فرمایا کہ میرا تجربہ ہے کہ جو عورتیں انتظام میں پھوہڑ (بدنظم) ہوتی ہیں ان میں جوہرِ عفت پورا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کی عفت و پاکدامنی کے اعلیٰ وصف کا استحضار کیا کرے تاکہ دل کی کدورت دور ہو جائے۔ قرآنِ کریم کی یہی تعلیم ہے۔

عسیٰ ان یجعل اللہ فیھن خیرا کثیرا۔ یعنی "کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہی خیر کثیر اور بڑی بھلائی عطا فرما دیں۔

بیوی کو واجب نفقہ سے کچھ زائد دینے کا مشورہ

ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے دوستوں کو مشورہ دیا ہے کہ بیوی کو جو نم

بطور نفقہ کے دیتے ہو وہ اس کی شرعاً مالک نہیں ہوتی۔ اگر کچھ بچ جائے تو وہ شوہر کی ہی ملکیت ہوتی ہے بجز اس کے کہ یہ تصریح کر کے اس کے سپرد کرے کہ یہ تمھاری ملکیت ہے۔ اس لیے گھر کے خرچ کیلئے جو رقم اس کو دی گئی ہے وہ اس کو اپنی ضروریات سے زائد کسی کام میں خرچ کرنے کی مجاز نہیں۔ مثلاً وہ اپنے کسی حاجتمند عزیز کی یا اور کسی مسکین کی مدد کرنا چاہے تو گھر کے خرچ کیلئے دی ہوئی رقم سے خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔ اس لیے مصلحت اس میں ہے کہ بیوی کو نفقہ ضروریہ کے علاوہ بھی کچھ رقم مالک بنا کر دے دی جاوے تاکہ وہ آزادی سے اس کو اپنی منشاء کے مطابق خرچ کر سکے۔ دوسروں کی دست نگر نہ رہے۔ اور فرمایا کہ بیوی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ کی خاطر اس نے اپنے سب تعلقات کو چھوڑ دیا۔ میں تو اہلِ طریق سے کہا کرتا ہوں کہ ایک نوعمر لڑکی جو کام ایک دن میں کر کے دکھا دیتی ہے وہ تم نے برسوں میں بھی اللہ کیلئے کیا کہ سب تعلقات کو اس پر قربان کر دیتے۔

امراء دنیا کے ساتھ بزرگوں کا معاملہ

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت میں جب امراء و رؤساء میں سے کچھ لوگ آتے تھے تو ان کے ساتھ کبھی بے رخی کا معاملہ نہ کرتے بلکہ حسبِ حیثیت ان کا اکرام فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بعض جاہل یا مغلوب الحال صوفی دنیا داروں سے بے رخی اور اعراض کا معاملہ کرتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ جب یہ لوگ کسی عالم یا درویش کے پاس حاضر ہوں تو یہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی دنیوی غرض تو ہوتی نہیں، دین ہی کا فائدہ حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں اس وقت وہ نعم الامیر (اچھا امیر) کہلانے کے مستحق ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:۔

نعم الامیر علی باب الفقیر ویئس   یعنی "وہ امیر بہت اچھا ہے جو کسی درویش

الفقیر علی باب الامیر۔ کے دروازہ پر جائے۔ اور وہ درویش بہت برا ہے جو کسی امیر کے دروازے پر (دنیا کی غرض کیلئے) جائے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ آنے والے امراء سے اپنی کوئی حاجت پیش نہ کرے سب سے استغناء کا معاملہ رکھے جب ہی ان کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

دیانت وامانت وہ ہے کہ ہر قدم ہر معاملے میں اسکی فکر رہے

شاہ لطف رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ حضرت کے خلیفہ مجاز تھے۔ تھانہ بھون ہی میں قیام رہتا تھا۔ صاحب کشف وکرامات تھے۔ ایک روز حضرت رحمۃ نے ان کا واقعہ نقل فرمایا کہ ان کے پاس ایک کارڈ بیرنگ آیا۔ (پہلے کارڈ بھی لفافہ کی طرح بیرنگ چلتے تھے) انھوں نے بے ضرورت سمجھ کر اس کو بغیر پڑھے ہوئے واپس کر دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آپ کارڈ کا مضمون تو پڑھ لیتے پھر ہی واپس کرتے۔ تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مضمون پڑھ لینے کے بعد واپس کرنا خیانت ہوتی کیونکہ کارڈ سے فائدہ اٹھانا مقصود ہے وہ فائدہ میں اٹھا لیتا اور ڈاک خانہ کو اس کی خدمت کا معاوضہ نہ ملتا۔ ایسے چھوٹے چھوٹے معاملات پر نظر انہی لوگوں کی جاتی ہے جن کے دل پر آخرت کی فکر اور خوف خدا چھایا ہوا ہو۔

ارشاد فرمایا کہ علماء کی ایک مجلس میں ایک سرکاری افسر موجود تھے، ایک عالم نے اپنی بات ان سے چھپانے کیلئے عربی زبان میں بات شروع کی۔ یہ افسر بزرگوں کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے اور عربی زبان جانتے تھے فوراً بول اٹھے کہ غالباً آپ عربی زبان میں جو بات کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کا کوئی راز ہے اس لیے میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں عربی زبان سمجھتا ہوں اگر اس کا اظہار نہ کروں تو خیانت ہوگی۔ اس لیے میں یہاں سے اٹھ جاتا ہوں۔ یہ عالم صاحب حیرت میں رہ گئے اور فرمایا کہ اب تک تو واقعی راز ہی تھا۔ آپ سے

اس کا اخفاء مقصود تھا۔ مگر اب آپ کی دیانت داری معلوم کر کے آپ بھی ہمراز ہو گئے۔ مَیں صفائی سے اُردو ہی میں بات کرتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔

یہ سب بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا ورنہ آج کل تو لوگ اس کو بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں کہ کسی کا راز اُن کو معلوم ہو جانا اور پھر جتلاتے پھرتے ہیں کہ ہم نے ان کو بے وقوف بنایا ان کی سب باتیں معلوم کر لیں۔ یہ ہیں آدابِ معاشرت جس سے مسلمان مسلمان بنتا ہے۔

مسئلہ تقدیر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت معلوم ہونے پر موقوف ہے وہ کسیکو حاصل نہیں ہو سکتی!

فرمایا کہ ایک زمانے میں مسئلہ تقدیر میں مجھے ایسی الجھن پیش آئی کہ سخت پریشان رہتا تھا۔ موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ مگر پھر سکون ہُوا تو اس طرح کہ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہونا ہی بے عقلی ہے کیونکہ تقدیر درحقیقت اللہ جل شانہ کی ایک صفت ہے اور جس طرح انسان کو حق تعالیٰ کی ذات کی کُنہ اور حقیقت کا علم ناممکن ہے۔ اِسی طرح اس کی کسی صفت کی اصل حقیقت کا ادراک بھی ناممکن ہے۔ جس طرح ہم ذات و صفات پر بغیر علمِ حقیقت کے ایمان لائے ہیں اسی طرح اس پر بھی ایمان لانا واجب ہے۔

جو کام لایعنی (بے فائدہ) ہو وہ اگرچہ گناہ نہ ہو مگر مُضر پھر بھی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر عمل خواہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے۔ سرسری نظر میں تجزیہ کیا جائے تو اس کی تین قِسم معلوم ہوتی ہیں۔ اور بعض حضرات نے

تین ہی قسمیں لکھی بھی ہیں۔ ایک وہ عمل جو اس کیلئے مفید ہے دوسرے وہ جو مضر ہے تیسرے وہ جو نافع ہے نہ مضر۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ تیسری قسم بھی دوسری یعنی مضر کی فہرست میں داخل ہے۔ کیونکہ جتنا وقت اور توانائی اس بے فائدہ کام میں صرف ہوئے اگر وہ کسی مفید کام میں صرف کئے جاتے تو اس سے بڑا فائدہ ہوتا اس فائدہ سے محرومی خود ایک مضرت اور خسارہ ہے۔ جیسے کوئی تاجر اپنا سرمایہ کسی کام میں لگائے اور اس سے نہ نفع ہو نہ نقصان مگر وہ پھر بھی اس کو اپنا نقصان اور خسارہ سمجھتا ہے کہ متوقع نفع سے محرومی ہو گئی۔

دین کے معاملے میں شبہات کا اصل سبب اللہ کی محبت و عظمت کی کمی ہے

ارشاد فرمایا کہ دین کے احکام و معاملات میں شبہات پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت پوری نہیں ہوتی وہ طرح طرح کے شبہات کا شکار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین کبھی اس طرح کے شبہات میں مبتلا نہیں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شبہات کا اصل علاج بھی دو چیزیں ہیں۔ محبت و عظمت۔ اور ان دونوں کے حصول کا طریقہ اہل محبت و عظمت کی ساتھ مجالست ان کی صحبت میں رہنا ہے جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ کسی محقق بزرگ اللہ والے کی خدمت میں چند روز عقیدت کے ساتھ بیٹھنے سے اکثر شبہات خود بخود دور ہو جاویں گے جو برسوں کی بحث و مباحثہ سے کبھی دور نہ ہوئے۔

اور فرمایا کہ اگر کسی شخص کو طبعاً یہی پسند ہو کہ احکام دین کے اسرار اور

حکمتیں اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اسرار کی تفتیش اور اس میں بحث و مباحثہ کو ترک کرے۔ انقیاد و اطاعت میں لگ جائے تو یہ اسرار اس پر خود بخود منکشف ہو جائیں گے پھر فرمایا واللہ ثم واللہ یہی طریق ہے۔

میں نے جب سے درس تدریس کا کام شروع کیا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جو بات مجھے معلوم نہ ہو صاف کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ خواہ شاگرد سوال کرے یا کوئی اور یہ بات مجھے اپنے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حاصل ہوئی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں اسلام مباحثوں اور تحقیقی مجلسوں سے نہیں پھیلا بلکہ عمل اور اطاعت سے پھیلا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اسلام دو جماعتوں سے پھیلا ہے۔ تجار اور صوفیہ اور فرمایا کہ حقیقت میں دین کی سب سے بڑی تبلیغ یہ ہے کہ اپنے حالات معاملات اخلاق کو درست کر لیا جائے اس کو دیکھ دیکھ لوگ خود بخود مسلمان اور نیک ہو جاویں گے۔

مدارس اسلامیہ کیلئے ایک مفید مشورہ

عام طور سے مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ اور خزانہ، وقف سے قرض دینا درست نہیں۔ حضرت قدس اللہ سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کیلئے الگ چندہ کر کے ایک قرضہ فنڈ قایم کر لیا جائے اسی میں سے قرض دیا جائے۔ اور خود پیش قدمی کر کے اپنی طرف سے پانسو روپیہ اس مد کیلئے عطا فرما دیئے[1]۔ حضرت ؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو سب اہلِ

---

[1] الحمد فنڈ دار العلوم کراچی میں بھی ایک بندہ خدا نے قرضہ کیلئے ایک رقم جمع کر دی ہے۔ قرض اسی مد سے دیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

مدارس سے کتنا ہوں کہ مدرسین۔ ملازمین۔ طلباء کے متعلق جتنے معاملات اور حالات پیش آتے ہیں۔ اہلِ فتویٰ علماء سے استفتاء کر کے ان سب کے احکام جمع کر لیے جاویں وہی مدارس اسلامیہ کا قانون ہو جاوے۔ اس میں سب سے بڑی مصلحت تو اتباعِ شریعت ہے اور اہلِ انتظام کیلئے بھی یہ سہولت ہے کہ جس شخص کی منشاء کے خلاف ان کو کچھ کرنا پڑے گا۔ وہ شرعی قانون پیش کر کے اپنا عذر بتا سکیں گے اور دوسروں کیلئے بھی حجت ہوگا۔

حقیقی تصوّف کے احکام و مسائل درحقیقت شرعی احکام ہیں مگر کتبِ فقہ میں انکی تدوین ایک خاص وجہ سے نہیں ہوتی

عام طور پر لوگوں نے تصوف کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اوراد و اشغال اور کشف والہام یا اذواق و مواجید کا نام تصوّف رکھ دیا ہے اسی سبب سے وہ احکامِ شرعیہ سے الگ سا محسوس ہوتا ہے۔ درحقیقت طریقت نام ہے شریعت پر مکمل اور پورے پورے عمل کا جس میں اعمالِ ظاہرہ نماز روزہ وغیرہ کیطرح اعمالِ باطنہ کی اصلاح بھی ایک اہم جزء ہے۔ اعمالِ باطنہ میں سب سے پہلے عقائد کی درستی اس کے بعد اخلاق کی اصلاح ہے تکبر۔ حسد۔ بغض۔ حرص۔ حب جاہ ومال وغیرہ سے بچنے۔ تواضع۔ قناعت اور صبر شکر اللہ ورسول کی کامل محبت وغیرہ حاصل کرنے کا اہتمام ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر جلد اوّل فصل سوم میں لکھا ہے کہ اعمالِ باطنہ اور ان کے احکام کی تدوین سلف صالحین صحابہ و تابعین پھر آئمہ مجتہدین کے زمانے میں اس لیے ضروری نہیں سمجھی گئی کہ ان کا اہتمام عملی طور پر ہر مسلمان کے گھرانے میں ایسا تھا کہ ان کا ہر شخص

واقف اور ان پر عامل تھا۔ بعد میں جب لوگوں میں جہالت غفلت اور کوتاہیاں شروع ہوئیں تو عہدِ سلف ہی کے آخری دور میں اس کی تدوین بھی شروع ہو گئی۔ اور یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حدیث و فقہ کی تدوین نہیں ہوئی۔ اکابر امت نے جوں جوں ضرورت تدوین کی محسوس کی اسی تدریج سے حدیث کی پھر فقہ اور اصول فقہ کی تدوین ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال باطنہ کے احکام کتب فقہ میں مدون نہ ہونے سے اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ شرعی احکام نہیں یا ان کی اہمیت نماز روزہ وغیرہ احکام سے کچھ کم ہے۔

شیخ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو کیا کرنا چاہیئے

ارشاد فرمایا کہ جو طالب اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھے اس کیلئے ادب یہ ہے کہ جب شیخ کچھ کلام کرے تو پوری توجہ سے اس کو سنے۔ اور جب خاموش رہے تو یہ ذکر اللہ میں مشغول رہے اگرچہ ذکر قلبی بھی اس وقت کافی ہے۔ مگر میں ذکر لسانی کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ ذکر قلبی میں اکثر غفلت پیش آجاتی ہے۔ اور یہ آدمی سمجھتا رہتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں۔ اور فرمایا کہ ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے الفاظ دھیان میں رہیں۔ دوسرے محض تفکر یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی رحمت اور اس کی نعمتوں میں غور و فکر۔

نماز میں خشوع اور حضور قلب کا آسان نسخہ

ارشاد فرمایا کہ خشوع نماز کی روح ہے اس کے حاصل کرنے کیلئے مشائخ نے بہت سے طریقے اور اعمال لکھے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس کی کوشش

میں زیادہ کھپ جانے سے تکان پھر اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اس لیے اس میں اعتدال چاہیے اور اس کی حد یہ ہے کہ جو الفاظ نماز میں زبان سے ادا کرتا ہے وہ محض یاد سے پڑھتا نہ چلا جائے بلکہ ایک ایک لفظ پر اس طرح دھیان لگائے جیسے کچا حافظ قرآن کے الفاظ کو سوچ سوچ کر نکالتا ہے۔ اور اس میں بھی اگر کسی وقت غفلت ہو جائے تو اس کے قلق اور آئندہ کی فکر چھوڑ کر فوراً اسی طریقہ پر آجائے کہ جو الفاظ زبان سے ادا کر رہا ہے اس پر دھیان لگا دے۔ نماز میں استغراق کی کیفیت مطلوب نہیں کہ اس کو اور کسی چیز کی خبر ہی نہ رہے۔ استغراق اور چیز ہے خشوع اور چیز۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں استغراق نہیں ہوتا تھا۔ اس پر وہ حدیث شاہد ہے جس میں فرمایا ہے کہ جماعت نماز کے وقت اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر فرما دیتے تھے کہ بچے کی ماں اس کے رونے سے نماز میں پریشان ہوگی۔ اگر استغراق کی کیفیت ہوتی تو بچے کے رونے کی آواز کیسے آپ کو معلوم ہوئی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ استغراق ایک غیر اختیاری حالت ہے اس میں ترقی نہیں ہوتی ترقی انہی اعمال میں ہوتی ہے جو اپنے اختیار سے کئے جاویں۔ خشوع بھی ایک اختیاری عمل ہے۔ وہی مطلوب ہے۔

علماء کو صوفیا پر ترجیح

ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ علماء کو صوفیہ پر ترجیح دیتا ہوں کیونکہ دین اور اس کی حدود کے محافظ علماء ہی ہیں اسی لیے میں علماء کیلئے خلوت نشینی پر اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ درس تدریس وعظ و تبلیغ یا تصنیف و فتویٰ میں اپنا زیادہ وقت صرف کیا کریں۔ یہ میرا فیصلہ عقلی ہے ورنہ طبعی طور پر میں صوفیاء سے عشق رکھتا ہوں۔

اہلِ طریقت کیلئے ہدایت

فرمایا کہ ذکر اللہ اور نوافل و عبادت میں ایک خاص لذت ہے جو دنیا کی ساری لذتوں سے فائق ہے۔ مگر مبتدی کو اس لذت و حلاوت کی فکر میں نہ رہنا چاہیے کیونکہ اعمال دین مبتدی کیلئے دواء کا حکم رکھتے ہیں۔ دواؤں میں مزا اور لذت کہاں۔ البتہ منتہی کیلئے یہی اعمالِ غذاء لذیذ بن جاتے ہیں پھر فرمایا کہ لوگ اس طریق میں مزے کے طالب ہیں حالانکہ یہاں تو لوہے کے چنے چبانے ہیں۔ جب تک اس منزل سے نہ گزر جائے لذت و حلاوت حاصل نہیں ہوتی۔

جس کسی کو کوئی کام بتاؤ آسان کر کے بتاؤ خواہ وہ اپنا نوکر ہی ہو!

ارشاد فرمایا کہ عام طور پر لوگ کسی کو کام کیلئے مامور کرتے ہیں اور پوری بات بتاتے نہیں۔ پھر وہ گڑبڑ کرتا ہے تو خفا ہوتے ہیں۔ خصوصاً شاگردوں اور گھریلو نوکروں کے معاملے۔ یہ بہت پیش آتا ہے۔ ادب کی بات یہ ہے کہ کسی کام پر مامور کرنے کے وقت پوری بات صاف اور سہل طریقے سے سمجھائی جائے۔

کشف و الہام کے ذریعہ جو علم حاصل ہو قابلِ اطمینان نہیں اطمینان صرف اس علم سے ہو سکتا ہے جو بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملا ہے

ارشاد فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تحقیق اگرچہ یہ ہے کہ مشائخ

کاملین کے کشف و الہام میں غلطی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے فرمایا ہے کہ جو علم کسی امتی کو کشف و الہام کے طریقے سے حاصل ہوتا ہے وہ مستحکم قابل اطمینان نہیں بلکہ مکمل اطمینان اس علم پر ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملتا ہے۔ فرمایا کہ کشف و الہام میں بعض اوقات صاحب کشف کا امتحان بھی مطلوب ہوتا ہے اور نبی کی تعلیم میں ابتلاء و امتحان کا امکان نہیں کیونکہ نبی کی شان صرف ہادی کی ہوتی ہے۔ ضلالت و گمراہی اس کے راستے میں نہیں آ سکتی۔ بخلاف کشف کے کہ اس کا تعلق تکوینی امور سے ہے اور تکوین و تقدیر میں ہدایت و ضلالت دونوں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی شان جدا ہے۔ ہدایت اور ضلالت دونوں ان کی قدرت و مشیت سے ہوتی ہیں۔ اسی لئے خواب میں شیطان ملعون اپنی خدائی کا دعویٰ تو کر سکتا ہے مگر خواب میں بھی اس کو یہ کہنے کی قدرت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے آپ کو نبی یا رسول ظاہر کرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں انسان دھوکہ کھا سکتا ہے اور خدائی کے دعوے میں ایسا دھوکہ نہیں ہو سکتا ادنیٰ عقل والا بھی خود اس کو باطل سمجھے گا۔

طریق میں مبتدی اور منتہی کے حالات کا فرق!

ارشاد فرمایا کہ ابتداء میں انسان کا قلب اس کی نظر کے تابع ہوتا ہے جس طرف نظر جاتی ہے اسی طرف قلب کا دھیان لگ جاتا ہے اور رسوخ کے بعد معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کہ نظر قلب کے تابع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے منتہی کیلئے خشوع حاصل کرنے کے واسطے آنکھ بند کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کاملین کو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔

جذب و سلوک کے معاملے میں رحمتِ حق کا ایک خاص مظہر

ارشاد فرمایا کہ مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت گنگوہیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں جس چیز کو وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) کہا جاتا ہے اس کیلئے عادۃ اللہ یہ ہے کہ پہلے بندہ کی طرف سے سلوک ہوتا ہے یعنی اپنی سعی و عمل کے ذریعہ اللہ کا راستہ طے کرنا جب انسان اپنے حد اختیار تک یہ کام کرلیتا ہے تو پھر حق تعالیٰ کی طرف سے جذب ہوتا ہے اور اسی جذب سے منزل مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ بغیر جذب حق کے سلوک محض کافی نہیں ہوتا۔ مگر قدیم زمانے میں اس سلوک کیلئے محنت شاقہ اور بڑے مجاہدات شرط تھے اس کے بعد جذب کی نوبت آتی تھی۔ اس زمانے میں انسانی قویٰ کا انحطاط ہے۔ اس لیے مجاہدات شاقہ کے بغیر ہی جذب حق نصیب ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اتباع سنت کا پورا اہتمام کرے کیونکہ جذب علامت محبوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے) آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ اس اتباع سنت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو جاؤ گے۔

آئمہ مجتہدین سب کے سب صاحبِ مقامات اولیاء اللہ تھے

امام غزالی رحمہ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں اکثر ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ۔ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کے متعلق ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات صحابہ و تابعین کی طرح ظاہر و باطن ہر حیثیت سے مکمل اولیاء اللہ

تھے۔ اگرچہ ان کو اس طرح کے رسمی مجاہدات کی نوبت نہیں آئی جو عموماً صوفیائے کرام میں معروف تھے۔ اسی سلسلہ ذکر میں ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمہ کے ایک شعر کا عام لوگ غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے طریقت دوسری چیز یہ آئمہ مجتہدین اصحابِ شریعت تھے اصحابِ طریقت نہ تھے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

بوحنیفہ شافعی درسے نہ کرد — زاں طرف کہ عشق می افزود درد

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے اس شعر کے بین السطور میں دو لفظ لکھ کر سارا اشکال ختم کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ بوحنیفہ شافعی کے نیچے لکھ دیا۔ اسے علماء ظاہر مقصد یہ ہے کہ اس شعر میں ابوحنیفہ و شافعی کی ذات مراد نہیں۔ بلکہ اس کا وصف مشہور مراد ہے یعنی ظاہر شریعت کا علم رکھنے والے جیسے مشہور ضرب المثل میں لکل فرعون موسیٰ کہا جاتا ہے۔ وہاں خاص فرعون اور حضرت موسیٰ کی ذات مراد نہیں ہوتی بلکہ فرعون سے مراد مطلق گمراہ اور موسیٰ سے مراد مطلق ہادی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفہوم شعر کا یہ ہے جو شخص صرف جزئیات فقہیہ کو یاد کرے اور صرف ظاہر شریعت پر عامل اور باطن کے فرائض اور محرمات و مکروہات سے واقف نہ ہو۔ اور ان حضرات آئمہ مجتہدین کا یہ حال نہ تھا کہ باطن کے احکام سے ناواقف یا غافل ہوں کیونکہ وہ بھی قرآن و سنت کے ایسے ہی ضروری احکام ہیں جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔

تقلید شخصی

ارشاد فرمایا کہ نفس کی آزادی اور بے راہ روی کا علاج تقلید شخصی سے بہتر کوئی نہیں۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ تو اپنے معاصرین کی بھی تقلید کرتے تھے۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں تقلید شخصی ہی

کا نام وحدتِ مطلب ہے۔ یعنی کسی ایک شیخ کو اپنا مربی و مصلح بنا کر تمام معاملات میں اسی کے تابع عمل کیا جائے۔ مختلف مشائخ اور بزرگوں کے اعمال پر نظر ڈال کر اپنے لیے کوئی راہِ عمل تجویز کرنے والا نفس کے دھوکے سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

عورتوں میں علم دین

فرمایا کہ قصبہ کاندھلہ کی اکثر عورتیں مشکوٰۃ اور درمختار تک پڑھی ہوئی ہیں اور بہت کم عورتیں ہیں جو حافظ نہوں اور رمضان میں تمام رات سوتی ہوں۔

خط کا جواب اسی کاغذ پر لکھنا

حضرت رہ کا بڑا حکیمانہ معمول تھا کہ ہر خط کا جواب اسی خط کے حاشیہ پر لکھتے تھے تاکہ سوال جواب دونوں ساتھ رہیں اور جواب لکھنے میں بھی تطویل کی ضرورت نہ ہو۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ لوگ میرے اس معمول کو اہانت سمجھتے ہیں اور میں اس کو اعانت سمجھتا ہوں۔

مدارس اسلامیہ کے چندہ کے متعلق اہم مشورہ

ارشاد فرمایا کہ ان مدارس دینیہ کا وجود بھی ضروری ہے اور ان کی بقاء بھی چندہ پر موقوف ہے۔ (مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بیشمار خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن میں سب سے بڑی خرابی چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے جو عوام کیلئے زہر ہے اور پھر چندہ کرنے والے حضرات بھی اکثر محتاط نہیں ہوتے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دینے والا شرما شرمی کچھ دے نکلے اس کا اخلاص ختم ہوا۔ ان کیلئے ایسا چندہ لینا جائز نہیں)۔

اس لیئے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریکِ عام کی جائے۔ خطاب خاص سے پرہیز کیا جائے اور خطاب خاص صرف اس صورت سے جائز ہے کہ خطاب کرنے والا کوئی با اثر شخصیت کا مالک نہ ہو جس کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ چندہ دینے پر مجبور ہو جاویں۔

مسئلہ جبر و اختیار مختصر الفاظ میں

ارشاد فرمایا کہ ہمارے افعال تو ہمارے اختیار میں ہیں مگر اختیار ہمارے اختیار میں نہیں اور اس سے جبر لازم نہیں آتا۔ دیکھو حق تعالیٰ مختار مطلق ہیں مگر اختیار حق خود مقدور نہیں۔ بلکہ لازم ذات ہے۔

انابت الی اللہ کی برکت علوم وفنون میں

ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چار مسائل میں اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا فرمایا ہے ان میں کبھی کوئی شک شبہ نہیں پیش آتا۔ اوّل مسئلہ تقدیر۔ دوم مسئلہ حقیقت روح۔ سوم مشاجرات صحابہ۔ چہارم وحدت الوجود۔ ظاہر ہے کہ یہ شرح صدر کتابی علوم میں بڑی محنت اٹھانے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ توجہ الی اللہ اور اپنے آپ کو اس کی فکر میں لگا لینے کا ثمرہ تھا۔

حکیمانہ جواب

ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ آپ کے یہاں رویت ہلال کس دن ہوئی۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر میں لکھ دوں تو کیا یہ آپ کے لیئے حجت ہوگا کہ اس پر عمل کر سکیں۔ (اور جب یہ نہیں تو سوال جواب فضول ہے)۔

دلائل الخیرات اور ماثورہ درود و سلام

ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ جتنی دیر میں آدمی دلائل الخیرات کی ایک منزل پڑھتا ہے اتنی دیر تک درود و سلام کے وہ الفاظ پڑھ لیا کرے جو احادیث میں منقول و ماثور ہیں۔

ملفوظ حضرت شاہ ولی اللہ

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے فرمایا ہے کہ

نسبت صوفیہ غنیمتے است کبریٰ و امار سوم شان ہیچ نہ یرزند

ہندوستان کے مشہور بزرگونکی تاریخ ایک انگریز کے قلم سے

انگریز دنیا کے کاموں میں بڑے ہشیار ہیں جب ہندوستان میں آنا شروع کیا تو فارسی زبان سیکھی یہاں کے امراء و سلاطین کے آداب سیکھے۔ پھر حکومت ہند پر غالب آنے کے بعد بھی ایک زمانے تک سلاطینِ اسلام کی رسوم کو جاری رکھا۔ حضرت رحمہ نے فرمایا کہ ایک انگریز نے جنگ ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان کے مشہور بزرگوں کی تاریخ فارسی زبان میں لکھی تھی جس کا نام مفتاح التواریخ رکھا تھا۔

بعض اولیاء اللہ کی سادگی

حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ جو تھانہ بھون کے اقطاب ثلاثہ میں سے ایک تھے۔ ان کا رنگ عجیب تھا کہ ان کے ظاہری حالات کو دیکھ کر کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ کوئی صاحب نسبت بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ ان کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب کا بھی یہی رنگ تھا کہ صاحبِ

نسبت بزرگ اور ولی اللہ ہونے کے باوجود عام لوگوں کی صف میں انہی کی طرح رہتے تھے۔ بھوپال میں تحصیلدار کی حیثیت سے ملازم رہ کر وقت گزارا ہے۔ حضرت رہ نے ان کا واقعہ ذکر فرمایا کہ ایک مشّاق فقیر جس نے مسمریزم کی مشق کی ہوئی تھی۔ اپنی خیالی قوت اور توجہ سے لوگوں پر اثر ڈالتا تھا۔ ایک دن مولوی محمد یوسف صاحب کی مجلس میں پہنچ گیا اور اپنا باطنی تصرف کرنے کا قصد کیا۔ مولوی صاحب کو فوراً احساس ہو گیا تو یہ شعر پڑھا ؎

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

ملفوظات ۱۱؍ رمضان ۱۳۴۸ھ

اپنے کمالات کے اخفاء و اظہار میں معتدل فیصلہ

بعض اکابر اولیاء اللہ اس کا بڑا اہتمام فرماتے تھے کہ جو عبادت کریں، چھپ کر کریں جو نیک کام کریں کسی کو خبر نہ ہو۔ بعض حضرات تو لوگوں کے سامنے ایسے کام کرتے تھے جو دیکھنے والوں کی نظر میں عیب اور گناہ ہوں حالانکہ وہ درحقیقت گناہ نہیں ہوتے تھے۔ منشاء یہ تھا کہ لوگ ہمارے معتقد نہ رہیں بدگماں ہو جائیں۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سنّت کا معتدل طریق یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھے نہ اخفاء کا اہتمام کرے نہ اظہار کا۔

اور فرمایا کہ میرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ میرے کسی قول فعل سے کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ کسی غیر واقعی کمال کا کوئی معتقد ہو جائے۔ بلکہ غیر واقعی عیب کا کوئی معتقد ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

علماء کے درمیان اختلافی مسائل میں توسع

فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے مزاج میں ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں بڑا توسع تھا۔ میں نے (یعنی حضرت حکیم الامۃ نے)

ان سے ایک مسئلہ پوچھا جس میں مولانا کا فتویٰ حضرت گنگوہیؒ کے فتوے سے مختلف تھا۔ اپنی تحقیق کے مطابق مسئلہ بتلا دیا اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ مولانا گنگوہی کا فتویٰ اس معاملے میں اس طرح ہے اب تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو اختیار کر لو۔

خلقِ خدا کو فائدہ نری علمی تحقیق سے نہیں بلکہ عملی تقدس سے پہنچتا ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے نقل کیا کہ علامہ شبلی نعمانی نے ان کے سامنے فرمایا کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قوم کو اصلاحی فائدہ وہ شخص پہنچا سکتا ہے جس میں تقدس و تقویٰ ہو۔ اس کے بغیر کتنا ہی بھاری عالم اور محقق ہو، اصلاحِ خلق اس سے نہیں ہو سکتی۔

عمرِ رفتہ پر چند آنسو

در ۱۳۹۰ھ

اس وقت کہ مجالس حکیم الامۃ کے یہ صفحات زیرِ قلم ہیں :-

۲۱ر شعبان ۱۳۹۰ھ کو میری عمر کے پچھتر سال پورے ہو کر چھہترویں منزل شروع ہوئی ۔ پون صدی کی عمرِ طویل اور مہلت حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور ہر قدم پر اپنے بیشمار انعامات و احسانات سے نوازا۔ حق تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں کے سایہ میں پل کر اس کی نافرمانیوں ، گناہوں ، غفلتوں میں اس پون صدی کے مہلت ضائع ہو جانے کے وقتی استحضار نے چند اشعار لکھوا دیئے جن میں میرے اپنے تو صرف ابتدائی دو شعر ہی ہیں ۔ باقی سب دوسرے بزرگوں کے دعائیہ اشعار ہیں جو مختلف مقامات سے لئے ہوئے حسبِ حال سمجھ کر اس لیے لکھ لئے ہیں کہ بزرگوں کے دل سے نکلے ہوئے کلمات ہیں ۔ شاید ان کے بار بار پڑھنے سے ہی کچھ اصلاحِ عمل کی توفیق اور فکرِ آخرت پیدا ہو ۔ اسی فائدے کے پیشِ نظر ان اشعار کو اس مجموعہ " مجالس حکیم الامۃ " میں شائع کیا جا رہا ہے :-

۱۔ پنج و ہفتاد آمد از عمر عزیز	بے عمل بے علم بے رشد و تمیز
۲۔ وائے برمن فرصت عمر دراز	دادہ ام در غفلت و در حرص و آز

۳۔ بے گنہ نگذشت برمن ساعتے — باحضور دل نہ کردم طاعتے

۴۔ صد ہزاران دام ودانہ است ای خدا — ما چو مرغان حریص بے نوا

۵۔ می رہانی ہر دمے مارا وباز — سوئے دامے می رویم ای بے نیاز

۶۔ از چو ما بیچارگان این بند سخت — کہ کشاید جز تو ای سلطان بخت

۷۔ خویش را دیدیم ورسوائی خویش — امتحان ما مکن اے شاہ بیش

۸۔ اے خداوند کریم بردبار! — دہ امانم زین دوشاخہ اختیار

۹۔ جذب یک راہہ صراطِ مستقیم — بہ زدو راہہ تردد اے کریم!

۱۰۔ ہین کہ از تقطیع ما یک تار ماند — مصر بودیم ویکے دیوار ماند

۱۱۔ البقیہ البقیہ اے خدیو — تا نہ گردد شاد کلی جان دیو

۱۲۔ ای ہمیشہ حاجت مارا پناہ — بار دیگر ما غلط کردیم راہ!

۱۳۔ گر ہزاران دام باشد ہر قدم — چون تو با مائی نباشد ہیچ غم

۱۴۔ تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست — بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

۱۵۔ کار تو تبدیل اعیان وعطا — کار ما سہوست ونسیان وخطا

۱۶۔ سہو ونسیان را مبدل کن بعلم — من ہمہ جہلم مرادہ صبر وحلم

۱۷۔ کیمیا داری کہ تبدیلش کنی — گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی

۱۸۔ بادشاہا جرم مارا درگذار! — ما گنہگاریم وتو آمرزگار

۱۹۔ بر در آمد بندۂ بگریختہ — آبروئے خود بعصیان ریختہ

۲۰۔ مغفرت دارد امید از لطف تو — زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

۲۱۔ چشم دارم کز گنہ پاکم کنی — پیش ازین کاندر لحد خاکم کنی

۲۲۔ اندر آندم کز بدن جانم نبری
اے خدا با نور ایمانم بری

بندہ محمد شفیع
یکم رمضان ۱۳۹۰ھ

اولیاء اللہ سے خلقِ خدا کو بلا ارادہ بھی فائدہ پہنچتا ہے

ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ درست اور قوی ہو جاتا ہے اس سے مسلمانوں کو بلا قصد بھی نفع پہنچتا ہے اس کی مثال آفتاب جیسی ہوتی ہے کہ خود آفتاب کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس سے کس کس کو کیا کیا فائدے پہنچ رہے ہیں اور جن کو فائدہ پہنچتا ہے وہ بھی کچھ قصد وارادہ نہیں کرتے اس کے باوجود فوائد پہنچتے ہیں۔ اور فرمایا کہ بحمداللہ ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا۔

صحبتِ شیخ کا ایک خاص ادب

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ مرید کو اپنے شیخ سے بھی بہت لپٹنا نہ چاہیے کہ ہر وقت ہر حال میں ساتھ ہی لگا رہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے کوئی بشر خالی نہیں ہوتا۔ مرید کی نظر جب ایسی کمزوریوں پر پڑتی رہے گی تو دل میں بے اعتقادی پیدا ہوگی اور وہ اس کیلئے سخت مضر ہے کہ وہ ایک دیوار بن کر درمیان میں حائل ہو جاتی ہے۔ شیخ سے استفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ (انتہیٰ)

یاد آیا کہ حضرت شیخ عبدالوہابؒ شعرانی کی کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ شیخ الاسلام محی الدین نووی شارح مسلم جب اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوتے تو راستہ میں یہ دعاء کرتے جاتے تھے کہ یا اللہ شیخ کے کسی عیب و کمزوری پر میری نظر نہ پڑے تاکہ ان سے استفادہ میں خلل نہ آئے۔ طالب مرید کیلئے یہ نصیحت بہت اہم ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ استاد یا پیر سے کھلے طور پر گناہ کبیرہ اور حرام چیزوں کا ارتکاب دیکھتا رہے اور اعتقاد میں فرق نہ آئے۔ ایسے حالات میں اس کی بزرگی کا

اعتقاد حرام اور اس سے بیعت فسخ کرنا واجب ہے۔ حضرت رحؒ نے ایک اور موقع پر ایسے ہی معاملے میں فرمایا تھا کہ ایسے حال میں عقیدہ کا زائل ہو جانا واجب ہے مگر اس کی بھی بے ادبی سے اور گستاخی سے بچنا چاہیے۔

(محمد شفیع)

اہلِ معصیّت سے بغض بھی ضروری ہے اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا بھی۔ دونوں کو کس طرح جمع کیا جائے

سوال کیا گیا کہ معصیت اور گناہوں بغض و نفرت اور اہلِ معصیت سے اجتناب اور قدرت ہوتے کی صورت میں ان کو سزا دینا بھی واجب ہے اور تواضع بھی واجب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کھلا ہوا تضاد ہے ان کو کس طرح جمع کیا جائے اس پر فرمایا کہ جس شخص کو کسی گناہ کی بناء پر سزا دے رہا ہے یا اس سے قطع تعلق کر رہا ہے اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ کسی شہزادہ سے کوئی جرم صادر ہو اور سرکاری حکم اس کو سزا دینے کا جاری ہو سزا دینے والے عموماً جلاد ہوتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ خصوصاً شہزادے کے مقابلہ میں۔ مگر اس کے دل میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہیں آتا کہ میں شہزادہ سے افضل اور برتر ہوں کہ اس کو کوڑے لگا رہا ہوں یہی مثال ہر مصلح اور احکام شرعیہ کی تنقید کرنے والے کو اپنے لئے سمجھنی چاہیے کہ جس گناہگار سے اجتناب کر رہا ہے یہ سمجھ کر کرے کہ میں اللہ کی طرف سے اس پر مامور ہوں کہ اس سے خصوصی تعلق نہ رکھوں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک مجھ سے افضل و برتر ہو۔ اور اس کا کوئی عمل ایسا مقبول ہو جو اس کو مجھ سے بڑھا دے یا میرا کوئی عمل خدانخواستہ ایسا بُرا ہو جو مجھے اس کے درجہ سے بھی گرا دے۔ اس طرح تواضع بھی پوری قائم رہتی اور اہلِ

فسق و فجور سے جو معاملہ شرعی کیا جاتا ہے وہ بھی اپنی جگہ رہتا ہے۔ اس کا دوسرا عنوان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغض و نفرت اور قطع تعلق دراصل فساق فجار کے اعمال سے ہے خود ان کی ذات سے نہیں۔ (انتہیٰ)

یاد آیا کہ حضرت رحمہ نے ایک اور موقع پر کسی کالج میں اپنا وعظ ہونے کا ذکر فرمایا اور یہ کہ وعظ کے بعد ایک نو تعلیم یافتہ صاحب کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے بڑی نفرت ہے۔ تو حضرت نے جواب دیا کہ ان سے تو نہیں۔ ہاں ان کے بعض اعمال سے ضرور نفرت ہے۔ یہ صاحب کہنے لگے کہ وہ اعمال کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ سب کا کوئی ایک عمل نہیں۔ ہر شخص کے اعمال و احوال مختلف ہیں ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی برا اور فاسق فاجر آدمی ہو اس کی ذات سے نفرت مقصود شرعی نہیں بلکہ اس کے ناجائز عمل سے بغض و نفرت مقصود شرعی ہے۔ (محمد شفیع)

کسی کی آزادی میں خلل نہ ڈالو

ارشاد فرمایا کہ آزادی بڑی نعمت ہے اس لئے کسی کی آزادی میں ہرگز خلل انداز نہ ہونا چاہیے۔ لوگوں کے سونے آرام کرنے یا کوئی درود وظیفہ پڑھنے اور لکھنے پڑھنے کے اوقات میں بلا ضرورت شدیدہ ان کی ملاقات کیلئے جانا یا کسی کام کو کہنا ان کی آزادی سلب کرنا ہے اس میں بڑی احتیاط چاہیئے جس سے کوئی کام ہو یا ملاقات مقصود ہو اس کی فرصت کا وقت معلوم کر کے جانا چاہیے۔ اور فرمایا کہ میں ایک مجلس یا ایک کھانے پر مختلف جناس کے لوگوں کو جمع کرنا اسی لئے پسند نہیں کرتا کہ ان کی آزادی میں خلل پڑتا ہے۔ ان کی باہم مناسبت اور بے تکلفی نہیں ہوتی سب ایک قید سی محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے میں سفر میں یہ بھی شرط لگاتا تھا کہ کھانا سب کے ساتھ

کھلنے کا پابند نہ رہوں گا۔

اِسی پر فرمایا کہ جن کاموں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو آزاد رکھا ہے۔ ان میں اپنی طرف سے نئی نئی قیدیں بڑھانا خود اپنی آزادی کو سلب کرنا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ کیلئے کوئی قید وضو بے وضو کی نہیں رکھی۔ اسی طرح کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں ذکر اللہ کی اجازت ہے تو اگر کوئی شخص اپنے اوپر یہ پابندی لگالے کہ جب کوئی ذکر اللہ کرے تو باوضو ہی کرے یا کھڑے ہی ہو کر کرے یہ خود اپنی خداداد آزادی کو سلب کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ انسان پر شرعی مقاصد کے ماتحت خود بہت سی پابندیاں عائد ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی پابندی نہیں لگائی وہاں بھی پابندی اپنے اوپر عائد کرلی جاوے تو عادۃً اس پر دوام والتزام نہ ہو سکے گا کیونکہ شریعت کی عائد کردہ پابندیوں کا نبھانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن تحصوا ولکن سددوا وقاربوا۔ یعنی "تم ان تمام پابندیوں کو مکمل طور پر پورا نہ کرسکو گے جو تم پر عائد کی گئی ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو درست رکھنے اور قریب قریب رہنے کا انتظام واہتمام کرلو تو یہ بھی کافی ہے۔

پھر فرمایا کہ بدعت کے ممنوع وناجائز ہونے کی ایک ذوقی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی خداداد آزادی کو سلب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا ثواب کسی کو پہنچانے کیلئے کوئی قید نہیں رکھی بس دل میں نیت کرلینا یا زبان سے کہہ دینا کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے یہ کافی ہے اس پر کچھ قرآن کی سورتیں پڑھنے پڑھوانے کی پابندیاں جو لوگوں نے اپنے اوپر لگالی خود بھی اس سے کافی پریشان ہوتے ہیں۔

کسی کی تعظیم کیلئے کھڑا ہونا

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اس شخص پر بہت خفا ہوتے تھے جو ان کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو۔ (انتہیٰ)

(جو حضرات مقتدا ہیں ان کیلئے یہی مناسب ہے کہ اس فعل پر ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار کریں اگرچہ دوسروں کیلئے ایسے وقت جب کوئی بزرگ عالم مجلس میں آئے تعظیماً کھڑا ہو جانے کی اجازت ہے)۔

حنفی اور محمدی

فرمایا کہ بہت سے غیر مقلد حضرات اپنے کو محمدی کہتے اور لکھتے ہیں اور حنفی شافعی کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر حنفی شافعی شرک ہے تو محمدی کہنا کیوں شرک سے خارج ہو گیا۔

جہاد ۱۸۵۷ء

فرمایا کہ تھانہ بھون اور شاملی میں جو اس وقت جہاد ہوا اس کے امیر المؤمنین ہمارے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے سب متعلقین شریکِ جہاد تھے۔ بحکم قضا و قدر مسلمانوں کو آخر کار ناکامی ہوئی۔ مجاہدین کی گرفتاری کے احکام انگریزوں کی طرف سے جاری ہوئے حضرت گنگوہیؒ گرفتار ہو کر جیل بھیج دیئے گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ روپوش ہو گئے مگر تین روز کے بعد خود ہی ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ ثور میں تین روز روپوش رہے تھے۔ یہ سنت پوری کر لی۔ اب روپوش نہ رہوں گا۔ گرفتاری مقدر ہے تو ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا فرما دیئے کہ گرفتاری سے بھی بچ گئے۔ حضرت سید الطائفہ

روپوش رہے اور اسی حال میں ایک روز گنگوہ تشریف لے گئے۔ حضرت گنگوہیؒ جیل میں تھے ان کے گھر والوں کو تسلی دینا مقصود تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صفیہ چھوٹی بچی تھی ان کو گود میں بٹھایا اور دو روپیہ اُن کو دیئے۔ انھوں نے یہ روپیہ لے کر حضرت ہی کے قدموں پر رکھ دیئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ لڑکی زاہدہ ہو گی۔ حضرت گنگوہیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق اس لڑکی کو زاہدہ ہی بنایا ہے۔ اس پر کبھی زکوٰۃ فرض ہونے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب غریبوں اور عزیزوں پر خرچ کر ڈالتی ہیں۔

نرمی اور سختی

فرمایا کہ میں نرمی چھوڑنے کو سختی کے ساتھ روکتا ہوں تو یہ سختی ظاہر میں تو سختی ہے مگر درحقیقت نرمی پر مجبور کرنا اور اس کا خوگر بنانا ہے۔

محفلِ میلاد

فرمایا کہ اس کے متعلق پہلے میرا یہ خیال تھا کہ اس محفل کا اصل کام ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے نزدیک خیر و سعادت اور مستحب ہی ہے۔ البتہ اس میں جو منکرات اور غلط رسمیں شامل کر دی گئی ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اصل امر محفل مستحب کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ دراصل ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہ کا مسلک تھا۔ حضرتؒ کی غایت شفقت و عنایت اور محبت کے سبب میرا بھی ذوق یہی تھا۔ اور یہی عام طور پر صوفیائے کرام کا مسلک ہے۔ حضرت مولانا رومی بھی اسی کے قائل ہیں۔ انھوں نے فرمایا ؎

بہر کیکے تو گلیمے را مسوز

لیکن ہمارے فقہاء حنفیہ کا مسلک ان معاملات میں یہ ہے کہ جو مباح یا مستحب مقاصد شرعیہ میں سے ہو اس کے ساتھ تو یہی معاملہ کرنا چاہیے کہ اگر اس میں کچھ منکرات شامل ہو جائیں تو منکرات کے ازالہ کی فکر کی جائے اصل کام کو نہ چھوڑا جائے۔ مثلاً مسجدوں کی جماعت میں کچھ منکرات شامل ہو جائیں تو اس کی وجہ سے جماعت چھوڑ دینا جائز نہیں ہوگا بلکہ منکرات کے ازالہ کی کوشش مقدور بھر واجب ہوگی۔ اسی طرح اذان تعلیم قرآن وغیرہ کا معاملہ ہے کہ وہ مقاصد شرعیہ میں سے ہیں اگر ان میں کچھ منکرات شامل ہو جاویں تو ازالۂ منکرات کی کوشش کی جاوے گی اصل کام کو نہ چھوڑا جائے گا۔ لیکن جو مستحبات ایسے ہیں کہ اصل مقاصد شرعیہ ان پر موقوف نہیں۔ اگر ان میں کچھ منکرات و بدعات شامل ہو جاویں تو ایسے مستحبات ہی کو ترک کر دینا چاہیئے مثلاً زیارت قبور ذکر رسول کیلئے کسی محفل و مجلس کا انعقاد کہ اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف نہیں۔ وہ بغیر اس مجلس اور خاص صورت کے بھی پورے ہو سکتے ہیں اگر ان میں منکرات و بدعات شامل ہو جاویں تو یہاں ایسی مجالس اور ایسے اجتماعات ہی کو ترک کر دینا لازم ہو جاتا ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال ائمہ میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں جن کو علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں جمع فرما دیا ہے۔

جس درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیعت لینا اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا قرآن میں مذکور ہے جب اس کے نیچے لوگوں کا اجتماع اور بعض منکرات کا خطرہ حضرت فاروقِ اعظم رض نے محسوس فرمایا تو اس درخت ہی کو کٹوا دیا حالانکہ اس کے نیچے جمع ہونے والے حضرات صحابہ کوئی ناجائز کام نہ کرتے تھے۔ محض تبرکاً جمع ہوتے اور ذکر اللہ و ذکر رسول ہی میں مشغول رہتے تھے مگر چونکہ ایسا اجتماع مقصود شرعی نہیں تھا اور آئندہ اس میں شرک و بدعت کا خطرہ تھا اس لیے اس اجتماع ہی کو ختم کر دیا گیا۔ اس طرح کے اور

بھی متعدد واقعات حضرت فاروقِ اعظمؓ اور دوسرے حضرات صحابہ سے بکثرت منقول ہیں۔ کتاب الاعتصام میں وہ مستند کتابوں کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان احادیث وآثار کی بناء پر فقہاء حنفیہ کا مسلک ایسے معاملات میں یہی ہے کہ جو امر اپنی ذات میں مستحب ہو مگر مقصودِ شرعی نہ ہو۔ اگر اس میں منکرات و بدعات شامل ہوجائیں یا شامل ہونے کا خطرہ قوی ہو تو ایسے مستحبات کو سرے سے ترک کردیا جائے۔ لیکن جو امر مستحب مقاصد شرعیہ میں سے ہو یا اس پر کوئی مقصد شرعی موقوف ہو تو اس کو شمول منکرات کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے بلکہ ازالہ منکرات کی کوشش کرنا چاہیے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسی مسلک حنفی کے پابند تھے اس لئے مروجہ محفل میلاد جو بہت سے منکرات و بدعات پر مشتمل ہوگئی ہے اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کچھ زمانے تک اس مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ سے بھی میرا اختلاف رہا مگر بالآخر دلائل کی قوت اور دین کی حفاظت کے پیشِ نظر یہی مسلک احوط اور اسلم نظر آیا اسی کو اختیار کرلیا لیکن جو مسلک صوفیائے کرام نے اختیار فرمایا ہے میں اس کو بھی بے اصل نہیں جانتا۔ فقہاء مجتہدین سے حضرات شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ علامہ شامی نے مصافحہ بعد الصلوٰہ کے مسئلے میں شیخ محی الدّین نووی شافعیؒ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔ اس لئے جو صوفیائے کرام محفل میلاد خالی از منکرات پر عامل ہیں ان پر بھی اعتراض اور بدگمانی نہیں کرنا چاہیے۔

(اس ملفوظ میں سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نہیں۔
شرح و توضیح احقر کی طرف سے شامل ہے)۔

(محمد شفیع)

رذائل کی اصلاح کا ایک خاص طریقہ

ارشاد فرمایا کہ میں اپنے نفس میں جس رذیلہ (یعنی بری بات) کو محسوس کرتا ہوں کبھی کبھی اس کا علاج اس طرح بھی کرتا ہوں کہ اس کے متعلق عام مجلس میں ایک وعظ کہہ دیا۔ اس سے اس رذیلہ کا داعیہ قلب میں مضمحل ہو جاتا ہے اور اس سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

خوف صرف اللہ سے اور اپنے نفس سے چاہیے

ایک مرتبہ مکہ معظمہ کے حکام حضرت حاجی صاحبؒ سے ناراض ہو گئے اور مکہ مکرمہ سے ان کے اخراج کا ارادہ کر لیا۔ حضرتؒ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اپنے نفس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا تو عین ایمان ہے سبھی جانتے ہیں نفس سے ڈرنا اس لیے کہ سب سے بڑا دشمن انسان کا وہی ہے جو اس کو بے راہی پر ڈالتا اور برائیوں میں مبتلا کرتا ہے۔

مطالعہ کتب کیلئے ایک ہدایت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نام کو دیکھو اگر نام ہی اصل مضمون کتاب کے مناسب نہ ہو تو اس کو چھوڑ دو پھر تمہید کو دیکھو اگر وہ مضمون کتاب کے مناسب نہیں ہے تو چھوڑ دو۔ اس کے مطالعہ میں وقت ضائع نہ کرو جب نام اور تمہید متناسب دیکھو تب آگے بڑھو۔

قواعد فقہیہ اور اختلاف علماء

فرمایا کہ بعض اوقات قواعد فقہیہ کسی خاص واقعہ میں متعارض ہو جاتے ہیں۔ ایک عالم کی نظر ایک ضابطہ پر ہوتی ہے۔ دوسرے کی نظر دوسرے ضابطے پر اس لئے اختلاف رائے پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ سورۂ عبس میں جس واقعہ کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب آیا کہ آپ نے ایک غریب نابینا مسلمان کی طرف زیادہ توجہ دینے کے بجائے رؤساء مشرکین کی طرف زیادہ توجہ کیوں فرمائی۔ یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ قاعدہ تھا کہ اصول دین کی تعلیم مقدم ہے۔ فروع کی تعلیم پر رؤساء مشرکین سے جو خطاب ہو رہا تھا وہ اصول کی تعلیم کا تھا یہ نابینا صحابی جو کچھ بات کرتے وہ فروع دین کے متعلق ہوتی۔ کیونکہ وہ مومن اور اصول دین کے پہلے سے پابند تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان سے مقدم کر دیا۔ لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسرا ضابطہ بھی تھا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت نظر نہ گئی وہ یہ کہ وہ کام مقدم رکھنا چاہیے جس کا نفع متوقع اور اس کے کامیاب ہونے کی امید زیادہ ہو بمقابلہ اس کام کے جس کا نفع موہوم اور کامیابی کی توقع کم ہو۔ یہاں معاملہ ایسا ہی تھا کہ رؤساء مشرکین کیلئے تعلیم اصول کا اثر موہوم تھا اور مسلمان کیلئے تعلیم فروع کا نفع یقینی اس لیے قرآنِ کریم نے اس کو ترجیح دینے کی ہدایت فرمائی۔ اور عتاب اس پر ہوا کہ آپ نے اس ضابطہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

حضرت معاویہ رضؓ

حضرت معاویہ رضؓ کے متعلق ایک صاحب کے سوال پر حضرت ؒ

نے فرمایا کہ انتہائی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ سے گناہ ہو گیا اور فرض کر لو کہ گناہ بھی کبیرہ ہوا مگر اب یہ فیصلہ کرو اگر کسی صحابی سے گناہ سرزد ہو جاوے تو ہمیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے کیا ان کی بدگوئی اور غیبت جائز ہو جاوے گی۔ دیکھو حضرت ماعزؓ کا گناہ کبیرہ یعنی زنا پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پر سزائے رجم جاری کرنا مخصوص احادیث سے ثابت ہے مگر جب ایک صحابی نے حضرت ماعز کی غیبت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا۔

الفاظ اور ناموں میں بھی اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے

امام اعظم ابو حنیفہ رح کے پڑوس میں ایک رافضی نے اپنے دو خچروں کا نام ابوبکر اور عمر رکھا تھا (روافض کی ایسی ذلیل حرکتیں بہت معروف ہیں) ایک روز ایک خچر نے لات مار کر اس رافضی شخص کا پیٹ پھاڑ دیا۔ امام اعظمؒ کو خبر ہوئی تو فوراً فرمایا کہ یہ وہ خچر ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا تھا۔ اس نام کا بھی اثر ہونا چاہیے تھا۔ تحقیق کی گئی تو اس کی تصدیق ہو گئی۔

حضرت رح نے فرمایا کہ ناموں اور الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی ہے۔ ایک لڑکے کا نام والدین نے کلیم اللہ رکھا وہ اکثر بیمار رہتا تھا میں نے اس کا نام بدل کر سلیم اللہ رکھ دیا اس وقت سے تندرست رہنے لگا کیونکہ کلیم کے معنی معروف مجروح اور زخمی کے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی انتہائی ذکاوت

مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا صدر الدین صاحب جو علوم عقلیات فلسفہ منطق وغیرہ کے بڑے امام مانے جاتے تھے اور دونوں عربی ادب کے بھی ماہر ادیب تھے۔ ایک مرتبہ ان دونوں نے ارادہ کیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

کے علم وفضل کا بڑا چرچا ہے۔ چلو ذرا امتحان کریں کتنا اور کیسا علم رکھتے ہیں۔ راستہ میں دونوں نے عربی زبان میں دو قصیدے لکھے اور آزمائش کیلئے آپس میں یہ قصیدے باہم بدل لیئے ایک کا قصیدہ دوسرے نے لے لیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے حضرت ہم نے کچھ لکھا ہے ذرا اس کو سن لیجئے۔ حضرت نے فرمایا سنائیے۔ دونوں نے یہ دو قصیدے پڑھ کر سنائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارے کئے کہ بڑے میاں کچھ سمجھے ہی نہیں، بولتے کیا۔ پھر عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان قصیدوں کے متعلق کچھ فرمایا نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کچھ کہہ دوں گا مگر پہلے یہ تو بتلاؤ کہ قصیدوں میں تبدیلی کہاں اور کیوں ہوئی۔ اب تو انھوں نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا کہ میں نے آپ دونوں کی گفتگو اور طرزِ کلام سے دونوں کے مزاج مذاق کا جو اندازہ لگایا تھا ان قصیدوں کو اس سے مختلف پایا اس سے اندازہ ہوا کہ ان میں تبدیلی ہوگئی ہے اس کے بعد قصیدوں کے ایک ایک شعر پر اصلاح کیلئے فرمانا شروع کیا تو کوئی شعر بغیر اصلاح کے نہیں چھوڑا۔

غیر اللہ کیلئے نذر اور منّت کے ایک مسئلہ کی تحقیق

ارشاد فرمایا کہ حیوانات کے علاوہ جس کھانے یا مٹھائی وغیرہ کی کسی غیر اللہ کے نام پر نذر مانی جائے۔ اس کو بھی فقہاء نے حرام و نجس قرار دیا ہے جیسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ میں بھی اس کو صحیح سمجھتا ہوں مگر اس کو ما اھل بہ لغیر اللہ کے تحت میں داخل نہیں کرتا کیونکہ ما اھل بہ لغیر اللہ حیوانات کے معاملہ میں تو نص قطعی ہے مگر غیر حیوانات کو شامل نہیں۔ اس لیے غیر حیوانات میں یہ حرمت قیاسی ہے کہ قیاس فقہی سے دونوں

کا حکم مشترک معلوم ہوتا ہے۔

اور میں یہ نہیں کہتا کہ ما اھل میں لفظ ما کے عموم میں غیر حیوانات بھی داخل ہیں کیونکہ عموم الفاظ اصولی طور پر اسی حد تک عموم لیا جا سکتا ہے جہاں تک مقصود متکلم سے تجاوز نہ ہو۔ اس سے زیادہ عموم معتبر نہیں۔ اگر کوئی مریض اپنے معالج سے پرہیز کے متعلق پوچھے اور وہ یہ کہہ دے کہ تیل اور ترشی کے سوا سب چیز کھا سکتے ہو تو اس سب چیز کے عموم میں لوہا۔ پتھر۔ مٹی وغیرہ داخل نہیں مانی جائیں گی کہ مقصود متکلم سے تجاوز ہے۔ نص قطعی حیوانات کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اس کے عموم کو غیر حیوانات میں متجاوز کرنا میرے نزدیک اسی کی مثال ہے اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ نص ما اھل بہ سے تو صرف وہ حیوانات حرام ہیں جن کو غیر اللہ کیلئے ذبح کیا گیا ہو۔ باقی رہی دوسری اشیاء غیر حیوانات کی قسم سے جیسے کھانا اور مٹھائی وہ اگرچہ اس عموم لفظ میں داخل نہیں۔ مگر باشتراک علت ان کی حرمت بھی اس پر قیاس فقہی سے ثابت کی گئی ہے۔

(از محمد شفیع بتوضیح الفاظ)

حضرات صوفیہ کے مجاہدات اصل مقصود نہیں بلکہ ذریعہ مقصود ہیں ان میں کمی بیشی اور تبدیلی مزاج کے مناسب کی جانی چاہئے

حضرات صوفیائے کرام میں جو مجاہدات شب بیداری بہت کم کھانا بہت کم بولنا وغیرہ معروف و مشہور ہیں۔ نہ وہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اصل مقصود ہیں بلکہ ان مجاہدات کا مقصد نفس کو ایسی ریاضت کرانا ہے جس سے وہ بے قابو نہ ہو۔ شرعی حدود کے دائرہ میں رہے۔ اس لئے شیخ مصلح اور

مُربّی کا فرض ہے کہ طالب کی طاقت فرصت اور مزاج کو دیکھ کر اس کے مطابق مجاہدات تجویز کرے پہلے زمانے کے مشائخ نے جو شدید مجاہدات تجویز کئے تھے وہ اس زمانے کے مناسب تھے کیونکہ طبائع میں قوت و شدت تھی بغیر شدید مجاہدات کے نفس کو اعتدال پر قائم کرنا مشکل تھا۔ حضرت رحہ نے فرمایا کہ آج کل طبائع میں خود ضعف ہے۔ قویٰ عام طور پر کمزور ہیں پہلے چالیس روز کے مجاہدہ سے جتنا اثر ہوتا تھا وہ اب طبعی ضعف کے سبب خود بخود حاصل ہے اس لئے اس زمانے میں تقلیل طعام اور تقلیلِ منام کے مجاہدات نہ کرانے چاہیئں کہ دوسری صحت مختل ہو جاتی ہے پھر کوئی بھی کام نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ اطباء سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے زمانے کے نسخوں میں ایک آدمی کیلئے دواؤں کی جو مقدار لکھی جاتی تھی وہ اب چار آدمی بھی نہیں کھا سکتے اب تقریباً اس مقدار کا چوتھائی لکھا جاتا ہے۔ یہی حال مجاہدات صوفیہ کا بھی ہے کہ وہ دراصل دوائیں ہیں غذا نہیں۔ ان کو بقدرِ ضرورت مزاج و طبیعت کی مناسبت سے استعمال کرانا چاہیے۔ غرض یہ ہے کہ مجاہدات مقصود نہیں بلکہ طریقِ مقصود اور ذریعہ ہیں طریق اور مقصود میں امتیاز کرنا چاہیے۔

---

۱۷ رمضان ۱۳۴۸ھ

دو بزرگوں کا ایک مسئلہ میں مکالمہ رخصت اور عزیمت سے متعلق

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ مرض وفات میں باوجود شرعی گنجائش کے تیمم نہ کرتے تھے بلکہ تکلیف کے ساتھ وضوء ہی کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ آپ تو اس کو کمال سمجھتے ہوں گے کہ تیمم کی رخصت ہونے کے باوجود وضوء کرتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ کمال نہیں بلکہ ایک نقص ہے کہ تیمم جو اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت کے طور پر بیمار کیلئے مشروع اور جائز قرار دیا ہے اللہ کے اس انعام سے دل میں تنگی پیدا ہونا کوئی کمال نہیں ہو سکتا بلکہ ایک روگ ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق عمل کرنے لگے۔

حضرت رحمہ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے دل میں عقلی انقباض اور تنگی محسوس ہو تو وہ مذموم ہے۔ طبعی انقباض کا مضائقہ نہیں۔

ایک اور مقام پر حضرت رحمہ نے فرمایا کہ عبدیت کا تقاضا تو یہی ہے

کہ بیمار اپنی کمزوری اور ضعف کا اعتراف کرے۔ اللہ کی دی ہوئی رخصتوں پر خوش دلی سے عمل کرے کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے:۔

ان اللہ یحب ان تؤتی رخصہ کما یحب ان تؤتی عزائمہ۔ — یعنی "اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کو بھی ایسا ہی پسند فرماتے ہیں جیسا کہ عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں"۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو خوب انداز میں فرمایا ہے ؎

چونکہ بر میخت بہ بند دبستہ باش
چون کشاید چابک و برجستہ باش

عورت کو غیر محرم سے چہرہ کا پردہ بھی واجب ہے

حضرات فقہاء نے عورت کے چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کو ستر سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں یہ چیزیں کھلی رہیں تو نماز ہو جائے گی اس میں خلل نہ آئے گا اس میں فقہاء نے قدموں کا بھی یہی حکم بتلایا ہے اس کے علاوہ عورت کا سارا بدن ستر میں داخل ہے اس میں سے کوئی بھی عضو نماز میں کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ ستر پوشی کا ہے غیر محرموں سے عورت کا پردہ الگ مسئلہ ہے اس کا مدار فتنہ کے اندیشہ پر ہے اور ظاہر ہے عورت کا چہرہ اس کے بدن کا ممتاز حصہ ہے اس کے غیر محرموں کے سامنے کھولنے میں بڑا فتنہ ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی اس مسئلے کے متعلق حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کی نص قطعی میں ہے:۔

ولا یضربن بارجلھن۔ — یعنی "عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زیور وغیرہ کی آواز نکلے اور غیر محرموں تک پہنچے"۔

یہ ظاہر ہے کہ زیور عورت کا کوئی جزء نہیں بلکہ ایک منفصل چیز ہے۔

اور اس کی آواز سے اتنا فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بھی نہیں جتنا چہرہ کھولنے سے ہے تو جب ایک منفصل چیز کی آواز سے پیدا ہونے والے فتنہ کو اس نص قرآنی میں روکا گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کے زینت کے ممتاز حصے یعنی چہرہ کھولنے کی اجازت دے دی جائے۔

استغناء کا بڑا کمال جب ہے کہ انسان عسرت اور تنگدستی میں مبتلا ہو پھر غیر اللہ سے مستغنی رہے

ہمارے سابق بزرگوں نے اپنی عمریں بڑی عسرت اور افلاس میں گذاری ہیں اگرچہ آپ کا یہ فقر وفاقہ اور افلاس سنت نبوی کے مطابق اختیاری تھا وہ اگر چاہتے تو بڑی سے بڑی دولت جمع کر سکتے تھے مگر کبھی اس کی طرف التفات نہیں ہوا اور جو کچھ اللہ نے دیا اس کو غرباء فقراء اور دینی کاموں پر خرچ کر دیا پھر خود مفلس کے مفلس رہے۔

حضرت رح نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی کے پاس کبھی کپڑوں کے دو جوڑے سے زیادہ نہیں رہے ایک بدن پر رہتا تھا دوسرا دھلنے کے لئے دیا جاتا تھا۔ اور آج کل کے مشائخ تو نوابوں کی زندگی گذارتے ہیں وہ اگر لوگوں سے استغناء بھی برتیں اور برتنا چاہیے مگر یہ استغناء اس درجہ کا کمال نہیں جو پچھلے بزرگوں کا تھا کہ فقر و افلاس میں رہتے اور پھر استغناء کا معاملہ فرماتے تھے۔

ایک لطیفہ

حضرت رح نے فرمایا کہ مراد آباد کے ایک جلسہ میں کسی دینی کام کیلئے چندہ کی تحریک کرنا تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں تو اور کچھ نہیں کہتا۔ صرف یہ

کہتا ہوں کہ یہ "پن چکیاں" بند کر دی جاویں۔ جن میں مسلمانوں کا لاکھوں، کروڑوں روپیہ برباد ہوتا ہے۔ مراد اس سے یہ تھی کہ پان کھانا چھوڑ دیں۔ اور اس سے جو روپیہ بچے وہ چندے میں دے دیں۔

مرید کے شبہات کا علاج

ہندوستان میں تحریکات خلافت کے زمانے میں حضرت رح نے شرعی وجوہ کی بناء پر اس تحریک میں شرکت نہیں فرمائی تھی۔ اور ہندوستان کے مسلمان اور اکثر علماء اس میں شریک تھے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب جو حضرت کے مرید تھے۔ انھوں نے آپ کی عدم شرکت پر کچھ شبہات لکھ کر بھیجے۔ حضرت رح نے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ مجھ سے کچھ دنوں کے لئے عقیدت مندی کی چھٹی لے لیجئے۔ پھر فتنہ فرو ہونے کے بعد حقیقت کھل جائے اور تعلق رکھنے کو جی چاہے تو پھر قائم کر لیں۔

حضرت رح اس زمانے میں لوگوں کی تنقیدات اور شبہات کا بقدر ضرورت جواب دیا کرتے تھے مگر ایک مرید متوسل کیلئے ایسے سوال و جواب کو اس کی اصلاح میں مخل سمجھ کر یہ جواب دیا۔

حضرت رح کا طبعی اعتدال اور انصاف اور معاشرت کے آدابِ خاص

آخر زمانے میں طبعی ضعف کے سبب کچھ نہ کچھ عوارض لگے رہتے تھے جن کا علاج جاری رہتا تھا۔ معالج حکیم محمد ہاشم صاحبؒ تھانوی تھے جو حضرت رح کے بڑے معتقد مرید جیسے تھے۔ اگر ان کو حضرت بلا بھیجیں تو وہ اپنی سعادت سمجھ کر خوشی سے حاضر ہوں مگر عادت حضرت رح کی یہ تھی کہ جب

تک کوئی شدید بیماری نہ ہو جس میں اٹھنا چلنا مشکل ہو جائے۔ حکیم صاحب کو بلاتے نہ تھے بلکہ خود چل کر اُن کے مکان پر جاتے اور علاج کے متعلق مشورہ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ ان کو بلالوں تو انھیں بالکل بھاری نہ معلوم ہوگا مگر اس کو انصاف کے خلاف سمجھتا ہوں کہ ضرورت اور حاجت تو میری، اور تکلیف کریں حکیم صاحب، اس معاملہ میں وہ مطلوب اور میں طالب ہوں۔ طالب کی ذمہ داری ہے کہ خود حاضر ہو۔

میں نے خود بارہا دیکھا کہ خانقاہ کی جس سہ دری میں حضرت تشریف فرما تھے اس کے بالکل بالمقابل دوسری طرف کچھ فاصلہ سے مدرسہ تھا اور اسی کے قریب مہتمم خانقاہ آپ کے برادر زادے حضرت مولانا شبیر علی صاحب بیٹھتے تھے۔ جب کبھی حضرت کو کسی علمی مسئلے میں کسی مدرس سے بات کرنا ہوتی یا کسی انتظامی معاملہ میں بھائی شبیر علی صاحبؒ سے کام ہوتا تو اکثر خود اٹھتے اور ان کی جگہ پر پہنچ کر ان سے بات کرتے پھر واپس آکر کام میں مشغول ہو جاتے تھے ان کو بلانا پسند نہ کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ اس وقت وہ کسی ایسے کام میں ہوں جس کا چھوڑنا مشکل ہو، اور ان کو تکلیف پہنچے۔

یہ تھے وہ عادلانہ آدابِ معاشرت جو حضرتؒ صرف قول سے نہیں اپنے فعل سے بھی لوگوں کو عمر بھر تلقین کرتے رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ متوسلین میں بھی اس خاص وصف پر بہت کم لوگوں نے دھیان دیا۔

اسی سلسلے میں فرمایا کہ مجھے اگر کسی مجمع اور مجلس میں چھینک آتی ہے تو الحمدللہ آہستہ کہتا ہوں تاکہ سارے مجمع پر اس کا جواب دینا یرحمک اللہ سے واجب نہ ہو جائے کیونکہ بعض اوقات لوگوں کو التفات نہیں ہوتا یا کوئی دوسری رکاوٹ ہوتی ہے تو وہ گناہگار ہو جاویں گے۔ اور فرمایا کہ مجھے اس معاملے میں متنبی شاعر کا یہ شعر پسند ہے:۔

أُقِلُّ سَلَامِیْ حُبَّ مَاخِفْتُ عَنْكُمُ
وَاُسْكُتُ كَيْمَا لَا يَكُوْنُ جَوَابُ

یعنی "میں آپ کو بہت کم سلام کرتا ہوں تاکہ آپ پر سلام کا جواب دینے کا بار نہ پڑے اور میں اکثر ساکت رہتا ہوں، سوال بہت کم کرتا ہوں تاکہ آپ پر جواب دینے کا بار نہ ہو۔"

صاف گوئی کے درجات

فرمایا کہ اہل اللہ جو صاف گوئی اختیار کرتے ہیں کسی کا عیب اس کو بتلانا ہوتا ہے تو صاف بتلا دیتے ہیں۔ ان کی نیت چونکہ اصلاح اور ہمدردی کی ہوتی ہے اس لئے کسی کو ناگوار نہیں گذرتا بلکہ اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور جو اس وصف اصلاح و ہمدردی سے خالی ویسے ہی صاف گوئی کرنے لگے تو وہ ایک خشونت اور سختی رہ جاتی ہے وہ دوسرے کو ناگوار بھی ہوتی ہے اور اس کی طرف کشش بھی نہیں ہوتی۔

بزرگانِ دین کے تشدد کی حقیقت

فرمایا کہ گڑھی کے رہنے والے مولوی صدیق احمد صاحب ایک مرتبہ سرسید بانی علی گڑھ کے پاس ملاقات کو گئے۔ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدّث دہلوی کا ذکر آیا۔ سرسید نے فرمایا کہ لوگ ان کو دین کے معاملے میں متشدد کہتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر تو واقعی متشدد تھے۔ ذرا ذرا سے شبہات سے بھی بچتے تھے مگر عام لوگوں کیلئے متشدد ہرگز نہ تھے بلکہ ان کیلئے سہولت کی شرعی گنجائشیں تلاش کرتے تھے اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا بھی یہی حال ہے۔

عمل میں کوشش اور خدا پر بھروسہ

بہت سے ناواقف ان دونوں میں تضاد سمجھتے ہیں۔ اس کی حقیقت ایک حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَجْمِلُوا فِی الطَّلَبِ وَتَوَکَّلُوا عَلَی اللّٰہِ یعنی "اپنے مقاصد کے حصول میں مختصر کوشش کرو۔ پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔"

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ آدمی کا کام ہر مقصد میں یہ ہے کہ قانونی کوشش اور معمولی احتیاط کرے پھر قلب کی شہادت پر تفویض علی اللہ کے ساتھ اس کوشش کو جاری رکھے۔

خود تقویٰ پر عمل اور دوسروں کیلئے سہولت دینے کا اہتمام اور ہر کام میں آدابِ معاشرت کی رعایت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک ریاست میں تشریف لے گئے وہاں کے نواب صاحب نے ایک سو اکہتر روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ فرمایا کہ اس وقت کچھ دوسرے علماء بھی ساتھ تھے اتنا ہی نذرانہ ان کو بھی پیش کیا۔ مجھے اس نذرانہ میں شبہ تھا اس لئے قبول کرنے کیلئے دل آمادہ نہیں تھا۔ مگر میں انکار کر دوں تو دوسرے لوگوں کو بھی پھر یہی صورت اختیار کرنا پڑتی۔ میں نے چاہا کہ دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ خفیہ طور پر ان کے وزیر سے کہہ دیا کہ میں یہ نذرانہ نہیں لوں گا۔ اول تو میرا معمول اس طرح نذرانہ لینا ہے نہیں۔ دوسرے مجھے اس میں یہ شبہ بھی ہے کہ یہ مال نواب صاحب کی ملک تو ہے لیکن ایک بیت المال کا سا درجہ ہے۔ اور مجھے ان کے بیت المال سے کچھ لینے کا اس لئے حق نہیں کہ میں ان کی ریاست میں کوئی خدمت لوگوں کی نہیں کرتا۔ یہ ہیں آدابِ معاشرت جن

کی حفاظت سب کو کرنا چاہیے۔

اسی لئے حضرت رحؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ عبادات کے ارکان اور احکام اگرچہ عظمت سے بہت زیادہ عظیم اور افضل ہیں مگر معاشرت کے ارکان مہتم بالشان زیادہ ہیں کیونکہ ان کا اہتمام نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے کہ جب تک انسان کے اخلاق (باطنی عادات) درست نہ ہوں۔ اس میں وصول الی اللہ کی صلاحیت اور استعداد ہی پیدا نہیں ہوتی۔ (اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاق کی درستی بغیر معاشرت کی درستی کے نہیں ہوگی)۔

اللہ والوں کا جن بھی ادب کرتے ہیں

تھانہ بھون میں ایک جن تھا جس کا نام تھا شہامت۔ بہت لوگوں کو تکلیف دیتا پھرتا تھا۔ حضرت رحؒ نے اس کے نام ایک پرچہ لکھ دیا جس میں اس کو خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ یہ پرچہ دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کوئی تعویذ تو ہے نہیں جس سے جن بھاگ جائے مگر یہ ایسے شخص کا خط نہیں ہے جس کی پرواہ نہ کی جائے۔ اچھا اب ہم جاتے ہیں آگے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

صحیح ہے کہ ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

علماء میں جو بدعمل بھی ہوں عوام میں انکو رسوا کرنا اچھا نہیں

فرمایا کہ دینی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء کی نصرت کرنا چاہئے اگرچہ وہ بدعمل بھی ہوں اگر عوام کے قلب سے علماء کی وقعت گئی تو دین کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ پھر وہ سبھی علماء سے بدگمان ہو کر کسی کی بات پر بھی دھیان نہ دیں گے۔

ایک دیوانے کا کلمۂ حکمت

حضرت نے فرمایا کہ ایک مجذوب نے کیا حکمت کی بات کہی کہ عقل وہ ہے جو خدا کو پاوے۔ اور خدا وہ ہے جو عقل میں نہ آوے۔ حضرت نے خدا کو پانے کی تشریح یہ فرمائی کہ خدا کو پانے کی کوشش میں لگا رہے اس سے غافل نہ ہو۔

۲۱ رمضان ۱۳۴۸ھ بعد الجمعہ

مجذوب اور عام دیوانے میں فرق

بہت لوگ عام پاگلوں کو مجذوب سمجھ کر ان کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور دین دنیا کے خسارہ میں پڑتے ہیں۔ اول تو حضرت رہ کی تعلیم یہ تھی کہ جو شخص حقیقت میں بھی مجذوب ہو اس سے نفع کم نقصان کا خطرہ زیادہ ہے ان کی زیادہ مصاحبت سے گریز بہتر ہے۔ اور اب تو لوگوں نے عام پاگلوں کو مقتدار اور امام بنا لیا ہے۔

حضرت رہ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ مجذوب اور عام پاگل میں فرق پہچاننا آسان کام نہیں بس اس کو اہلِ نسبت اولیاء اللہ ہی پہچان سکتے ہیں جس کو ایسے حضرات مجذوب قرار دیں وہ مجذوب ہے ورنہ مجنوں اور پاگل اگرچہ اس کو کچھ کشف صحیح بھی ہو جاتا ہو کیونکہ مجنون کو بھی کشف صحیح ہو سکتا ہے۔

عقائد سلف اور علم کلام میں سلامتی کا راستہ

فرمایا کہ حضرت متکلمین نے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ درحقیقت اہلِ بدعت و الحاد کی مدافعت ہے اس کو علمی اصطلاح میں صرف منع (ابداء احتمال) کے درجے میں رہنا چاہیے جس کا

حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت ہو تو یہ ممکن اور محتمل ہے محال نہیں۔ یہ نہیں کہ واقع میں عنداللہ ایسا ہی ہے مگر ہو یہ گیا کہ متاخرین متکلمین بجائے مانع بننے کے مدعی بن بیٹھے اور اپنے پیدا کئے ہوئے احتمالات کو اسلام کے عقیدہ کا درجہ دے دیا۔

(اس کو ایک مثال سے سمجھئے اور کلام کے ایک مشہور مسئلے کو لے لیجئے کہ جسم کی ترکیب میں بمقابلہ فلاسفہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اجزاء لایتجزاء سے مرکب ہے۔ ہیولیٰ اور صورت سے نہیں۔ یہ بات اس لئے اختیار کی گئی کہ فلاسفہ کے قول کے مطابق ہیولیٰ اور صورت سے جسم کو مرکب مانا جائے تو اس کے نتیجہ میں اس کو قدیم ماننا لازم آتا ہے۔ متکلمین نے ایک دوسرا احتمال یہ پیش کیا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء لایتجزیٰ سے مرکب ہو۔ اس کو اگر صرف احتمال کے درجے میں رکھا جاتا تو درست تھا۔ مگر متاخرین نے اس کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ گویا یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ کیلئے قطعی الثبوت دلائل کی ضرورت ہے وہ اس مسئلے کیلئے موجود نہیں)

حضرت رحمہ نے فرمایا کہ اس لئے میں تو یہ کہتا ہوں کہ علم کلام کو صرف مدافعت اہل بدعت اور منع اصطلاحی یعنی احتمال و امکان کے درجے میں رکھنا چاہیئے۔ اور عقائد کو مثل سلف صالحین کے ان مباحث سے سادہ رکھنا چاہیے۔

وحی اور الہام میں فرق

فرمایا کہ وحی کی مخالفت گناہ عظیم ہے اس پر آخرت کا عذاب مقرر ہے اور الہام کی مخالفت سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا نہ آخرت میں اس کی مخالفت پر کوئی عذاب ہے مگر عموماً صاحب الہام اگر اپنے الہام کے خلاف کام کرتا ہے تو دنیا میں اس کو سزا مل جاتی ہے کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

ایک صوفیانہ شعر کی تحقیق

بعض صوفیہ کا یہ شعر معروف ہے:۔

اے تو از حال گذشتہ توبہ جو   کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو!

اس کا حاصل سابقہ گناہوں کو بار بار یاد کر کے توبہ کو مکرر سکرر کرتے رہنے سے منع کرتا ہے۔ اور یہ کہ ایک مرتبہ پورے اخلاص اور الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کو اس کے پورے شرائط کے ساتھ کر لینے کے بعد ذہن کو اس سے فارغ کر لینا چاہیے۔ اس کی تحقیق میں حضرت رہ نے فرمایا کہ:۔

"سابقہ گناہوں کو یاد کر کے بار بار تکرار توبہ کرتے رہنا عوام کے لئے مفید ہے مگر خواص اہل اللہ کیلئے بار بار اپنے سابقہ گناہوں کو سوچتے رہنا مفید نہیں بلکہ بعض اوقات یہ سوچ فکر ایک حجاب بن جاتا ہے۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ آئندہ حق تعالیٰ کے تعلق کو مضبوط کرنے کی فکر کریں اسی پر پوری توجہ دیں۔ بشرطیکہ ایک مرتبہ پوری طرح شرائط توبہ ادا کر کے توبہ کر چکے ہوں۔ اس کے بعد باز گذشتہ کی سوچ میں پڑنا بعض اوقات حجاب بن جاتا ہے جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا:۔

(ماضی و مستقبلت پردہ خدا ست)

کیونکہ توبہ کی حقیقت رفع حجاب ہے اور عوام کیلئے گناہ کو یاد نہ کرنا حجاب ہوتا ہے اور خواص کو اس کا زیادہ یاد کرنا حجاب ہوتا ہے جیسے دو شخصوں میں باہمی مخالفت کے بعد دوستی ہو جانے اور دل صاف ہو جانے کے بعد گذشتہ زمانے کی عداوتوں اور ایذاؤں کا یاد کرنا درستی کے خلاف ہے۔"

لوگوں پر سب وشتم کرنے والا برکات باطنیہ سے محروم رہتا ہے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص سب وشتم اور دوسروں پر لعن طعن میں مشغول ہوگا اس کو باطنی برکات کبھی حاصل نہ ہوں گی۔ کیونکہ دوسروں کی عیب گوئی یا سب وشتم کا مشغلہ وہی بنا سکتا ہے جو خود اپنے انجام سے بے خبر غافل ہو۔ اور جس شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے تو اس کو ہر وقت اپنی ہی کشتی ڈانواں ڈول نظر آتی ہے دوسروں کے معاملات میں مداخلت کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت برین چستی و چالاکی ما

خلوت میں خوف وگریہ اور جلوت میں انبساط چاہیے

فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پر گریہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر خندہ کا غلبہ تھا باہم گفتگو ہوئی۔ یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کا خوف نہیں جو خندہ وہنسی میں رہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی رحمت سے مایوس ہیں جو ہر وقت بکا میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے یہ فیصلہ کیا کہ خلوت میں تو وہ حالت بہتر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہے یعنی خوف وخشیت اور حزن وبکا۔ اور عام مجلسوں اور جلوت میں وہ حالت بہتر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ خندہ پیشانی اور شگفتہ مزاج رہیں تاکہ خلقِ خدا مایوس نہ ہو۔

حضرۃ مولینا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی مصنف اظہار الحق

ردّ عیسائیت

فرمایا کہ مولینا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی کا حافظہ بڑا زبردست تھا طب کی

مشہور کتاب قانونِ شیخ کے چند اوراق کسی جگہ دیکھ لئے اور گھر واپس آکر سب کو نقل کر لیا۔ افق المبین کا ایک ورق سُن کر دوبارہ اس کو حفظ سے پڑھ دیا۔

مولانا کو جائداد ملی تھی۔ پٹواری کو بلا کر جائداد کے متعلق تمام کاغذات سُن لئے اسی وقت تمام یاد ہو گئے۔

علم میں برکت بزرگانِ سلف کے ادب سے ہوتی ہے

فرمایا کہ علمی تحقیقات پر زور دینے سے زیادہ فکر بزرگان سلف کے ادب واحترام کی کرنا چاہیے اس سے اللہ تعالیٰ انسان میں ایک خاص بصیرت اور تحقیق کی شان بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔

دین کے معاملے میں جرأت بیجا!

فرمایا ساری دنیا کے بڑے بڑے لکھے پڑھے ماہر محقق جس فن کو نہیں جانتے اس میں ان کو یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا کہ میں اس فن سے واقف نہیں۔ کسی انجنیر سے طب اور ڈاکٹری کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو بے تکلف کہہ دیتا ہے کہ میں ڈاکٹر نہیں۔ ڈاکٹر سے انجنیری کی بات پوچھی جائے تو کہہ دیتا ہے کہ میں انجنیر نہیں۔ مگر قرآن اور دین کو لوگوں نے معلوم نہیں۔ کیوں ایسا سمجھ رکھا ہے کہ ہر شخص چاہے۔ اس نے اس کے مبادی بھی کبھی نہ پڑھے دیکھے ہوں اس میں بے دریغ رائے زنی اور جو کچھ اپنی سمجھ میں آجائے اس پر اصرار کرنے لگتے ہیں۔ (بظاہر سبب یہ ہے کہ دین کی عظمت قلوب میں نہیں رہی۔ اس لئے اس کو ایک سرسری چیز سمجھ لیا ہے)۔

حکومت کے ایک افسر صاحب کو سود حلال کرنے کی بڑی فکر رہتی تھی اور کہتے تھے کہ مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے اس لئے رہ گئے کہ ان کے یہاں سود حرام ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بنو امیہ نے جو دنیا میں ترقی کی کیا انھوں نے

بھی سود کو حلال کیا تھا۔ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ دنیا کی ترقی بھی سود پر موقوف نہیں۔
وہ ایک آیت کی غلط تفسیر کرتے تھے اور اس پر اصرار تھا اور شہادت میں یہ پیش کرتے تھے کہ خواجہ حسن نظامی نے اس آیت کا یہ مطلب لکھا ہے۔ یہ صاحب مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر میں کسی مقدمہ کا وکیل ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوں اور زیر بحث قانون کی ایسی تشریح بیان کروں جو اس کے الفاظ پر پوری اترتی ہے مگر ہائی کورٹ کی مانی ہوئی تعبیر و تشریح کے خلاف ہے۔ کیا آپ میرے بیان کئے ہوئے معنے و مطلب کی بنیاد پر مقدمہ کی ڈگری دیں گے اور یہ لکھ دیں گے کہ اشرف علی نے اس قانون کی یہ تشریح کی ہے۔ اگر آپ ایسا کریں تو پھر دیکھئے گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو کیا کیا خطابات ملتے ہیں۔

ایک عامی آدمی کا کلمۂ حکمت

فرمایا کہ حاجی عبداللہ گوجر کبرانوی بے علم آدمی تھے مگر بہت متقی پرہیزگار حضرت گنگوہی رح کے خادم تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ دین کے جس قدر پیشوا اور مقتدا اور کارگذار لوگ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں ہوئے اور ان کے کارنامے دنیا میں معروف ہوئے اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ سب عموماً شیوخ و سادات میں سے تھے۔ (وجہ ظاہر ہے کہ سادات اولاد رسول اور شیوخ نسل صحابہ ہیں)۔

بزرگوں کی تواضع

فرمایا کہ ہمارے سب بزرگوں کی امتیازی شان تواضع اور فروتنی تھی۔ (علم و عمل میں بڑے بڑوں سے ممتاز ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتے تھے) اور فرمایا کہ الحمدللہ میں کسی کو بھی اپنے دل سے چھوٹا

نہیں سمجھتا۔ کیونکہ میں ہر فاسق میں حالاً اور ہر کافر میں مآلاً یہ احتمال سمجھتا ہوں کہ شاید وہ عنداللہ اس زمانے کے مشائخ واولیاء سے افضل وبہتر ہو۔

اصلاحِ اعمال کیلئے ایک مراقبہ

فرمایا کہ شرح الصدور میں علامہ سیوطی رحمہ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے برزخ میں زندہ لوگوں کے اعمال ان کے مردہ آباء واجداد اور خاص عزیزوں کو دکھلائے بتلائے جاتے ہیں۔ اگر آدمی اس کا استحضار اور تصوّر کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ وہ میرے باپ یا استاد یا پیر اور دوسرے بڑوں کے سامنے آئے گا تو وہ کیا کہیں گے۔ یہ تصور انسان کو بہت سی برائیوں اور گناہوں سے روک سکتا ہے۔

اللہ والوں کی شان میں گستاخی بے ادبی سخت بُرے اثرات رکھتی ہے

فرمایا کہ ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دُرد کشان ہر کہ درافتاد برافتاد

اہل اللہ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کا کوئی معاملہ کرنا اپنا انجام خراب کرنے کی دعوت ہے۔ ایسے شخص پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے حضرات سے اگر کسی مجتہد فیہ معاملے میں غلطی بھی ہو جائے تو جو شخص اس کو ازروئے شرع درست نہ سمجھتا ہو اس پر یہ تو لازم ہے کہ اس فعل پر نکیر کرے اس کے غلط ہونے کو دلیل سے بیان کرے مگر خود ان کی ذات پر گستاخانہ طعن اور بے ادبی کے کلمات سے بچنے کی بہت فکر رکھنا چاہیے۔

خدمتِ خلق میں بھی مشاہدہ حق ہوسکتا ہے

فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض بندوں کو بلاواسطہ اپنے ساتھ مشغول رکھنا پسند کرتے ہیں ان کیلئے اسی میں فضیلت و برکت ہے اور بعض لوگوں کو مخلوق کی تدبیر و اصلاح میں لگا دیتے ہیں تاکہ وہ بالواسطہ جمالِ حق کے مشاہدہ میں مشغول رہیں جیسے عینک کے واسطہ سے دیکھنا۔ ان لوگوں کیلئے بھی اسلم ہوتا ہے اسی میں ان کے درجات بڑھتے ہیں۔ (اس سے معلوم ہوا کہ خلق اللہ کی دینی خدمت تعلیم۔ تبلیغ تربیت تو عبادت میں داخل ہے ہی۔ ان کی دنیاوی راحت کی تدبیر میں مشغول ہونا بھی اگر صحیح نیت یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے ہو تو وہ بھی عبادت میں داخل اور مشاہدہ جمالِ حق کا ذریعہ ہے)۔

اور فرمایا کہ محبت تو حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اس لیے محبت تو صرف اسی سے ہونا چاہیے اور خلق اللہ پر شفقت ہونی چاہیے۔ اور عارف کو عامہ خلق پر شفقت سب سے زیادہ اس لئے ہوتی ہے کہ ان کو سرکاری چیزیں سمجھتا ہے۔ اور کل مخلوقات کے ساتھ متعلق اس نظر سے رکھتا ہے کہ وہ سب حق تعالیٰ کی چیزیں ہیں۔

---

۲۶ رمضان ۱۳۴۸ھ

توحید کی حقیقتِ عملی

حضرت شاہ غوث علی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر سکرات موت کے وقت یہ شعر جاری تھا ؎

چیست توحید آنکہ از غیر خدا — فرد آئی در خلاء و در ملا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ توحید صرف اس کا نام نہیں کہ زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کر لیا بلکہ عملی زندگی پر اس کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جلوت و خلوت میں صرف ایک اللہ ہی سے واسطہ اسی سے تعلق اسی سے امید و بیم رہے۔

مروجہ شبینہ

فرمایا کہ میں ایک مرتبہ شبینہ میں شریک ہوا وہاں قرآنِ کریم کی ایسی بے حرمتی دیکھی کہ آئندہ توبہ کر لی۔ اس لئے اب میں شبینہ کرنے کو منع کرتا ہوں۔ سوائے پانی پت کے وہاں کے لوگوں میں قرآن کا ذوق ہے۔ وہ شبینہ میں بھی احترام کے ساتھ پڑھتے اور سنتے ہیں۔

رمضان شریف میں سب سے بڑی عبادت تلاوتِ قرآن ہے

حاضرینِ خانقاہ جو عبادت ہی کیلئے یہاں جمع رہتے ہیں ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ رمضان شریف کو تو قرآن شریف پڑھنے ہی کیلئے رکھنا چاہیے میں تو اگر کسی کو ذکر شغل شروع کراتا ہوں تو رمضان میں نہیں کراتا بلکہ رمضان کے بعد کراتا ہوں۔ رمضان میں تو وہی عبادت ہونی چاہیے جو ماثور اور منقول ہے۔ جس کو مقدمات لگا کر عبادت بنانا نہ پڑے۔ اشغال مروجہ صوفیہ مقدمہ عبادت ہیں۔ اصل عبادت وہی ہے جو ماثور اور منقول ہو۔

وقت میں برکت

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ نے گومتی کے میدان میں عصر و مغرب کے درمیان پورا قرآن مجید ختم کیا۔ یہ وقت کی برکت بطور کرامت تھی جو اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

ابریز میں شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے کہ اُن کو حضرت خضر علیہ السلام نے کوئی وظیفہ پڑھنے کیلئے بتلایا تھا جو صبح سے عشاء تک پورا ہوتا تھا۔ پھر وقت میں برکت ہوئی تو مغرب تک ہونے لگا پھر عصر تک پھر ظہر تک۔ یہاں تک کہ آخر میں صبح کی نماز سے چاشت کی نماز تک پورا ہونے لگا۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک شیعہ شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ شہادت کی رات میں خواب دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سرخ کرتہ پہنے ہوئے تشریف لائیں۔ خواب کی تعبیر

اپنی شہادت سے لے کر صبح ہی سے منتظر اور مسرور تھے اور یہ اشعار زبان پر تھے ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

مدرسہ کے بارے میں

ارشاد فرمایا کہ میری طالب علمی کے زمانے میں ایک انگریز کلکٹر مدرسہ دیوبند میں آنے والا تھا۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ اگر وہ چندہ دیں تو آپ قبول کر لیں گے؟ فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر اس کو کہاں صَرف کریں گے؟ فرمایا ہمارے پاس بہت سے ایسے مصارف ہیں ہم بھنگیوں کو تنخواہ میں دے دیں گے۔

میں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ کوئی مشورہ دیں تو کیا آپ قبول کریں گے؟ فرمایا نہیں۔ ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہمارا تمام کام ایک مجلسِ شوریٰ کی رائے سے ہوتا ہے۔ ہم آپ کا مشورہ اس مجلس میں پیش کر دیں گے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ باوجود بانی دارالعلوم ہونے کے چندہ کے واسطے کبھی امراء کی خوشامد گوارا نہ کرتے تھے۔ اس طرح حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرسہ کے مصالح پیشِ نظر ہونے کے باوجود کبھی کسی سے چندہ حاصل کرنے کیلئے نہ ملتے تھے۔

تعریف کرنے والے کو جواب

امرتسر کے ایک صاحب نے عربی زبان میں ایک قصیدہ مدحیہ حضرتؒ

کے متعلق لکھ کر بھیجا۔ حضرت رحمہ نے اس کے جواب میں ایک فارسی شعر لکھ کر واپس فرما دیا ؎

گفتم اسے یوسف زبانم دوختی   وز پشیمانی تو جانم سوختی!

اور پھر ایک عربی شعر پڑھا ؎

هنيئًا لارباب الكمال كمالهم

وللعاشق المسكين ما يتجرع

یعنی "مبارک ہو کمال والوں کو ان کے کمالات۔ اور عاشق مسکین کو مبارک ہو وہ غم جس کو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

اور فرمایا کہ جب تک یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کس حالت پر موت آوے گی۔ جی کسی کمال سے خوش نہیں ہوتا۔ کسی چیز کیلئے دل نہیں ابھرتا۔

ایک حدیث کی تشریح

حدیث میں ہے کہ سورۂ اخلاص قل ھو اللہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تین دفعہ قل ھو اللہ پڑھ لینے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ حضرت رحمہ نے فرمایا کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے سے کامل قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ بلکہ تین ثلث قرآن کا ثواب ہوگا۔ جیسے کوئی شخص دس پارے تین مرتبہ پڑھ لے۔

حضرت گنگوہی کا ایک کلمۂ حکمت

حضرت گنگوہی رح نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی آدمی رنج وغم سے بچنا چاہے تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ کسی سے کسی نفع کی توقع نہ رکھے۔ (انتہی)

حقیقت یہ ہے کہ ساری پریشانیوں کی بنیاد خیالی توقعات ہوتی ہیں۔

جب وہ پوری نہیں ہوتی تو رنج ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقام صرف اللہ والوں ہی کو ہوسکتا ہے جن کی امید و بیم کا تعلق صرف ایک ذات حق تعالٰے سے وابستہ ہوتا ہے ؎

امید و ہراسش نباشد زکس — ہمین است بنیاد توحید و بس

تعویذات و نقوش

فرمایا کہ حصن حصین میں ایک حدیث ہے جس میں ارشاد ہے :-

ممن لم یقرأ کتبھا فی صك — یعنی جو پڑھ نہ سکے وہ کسی کاغذ میں لکھ لے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن حاجات کیلئے تعویذات لکھے جاتے ہیں ان میں اصل چیز دُعاء اور آیات کا پڑھنا ہے وہی زیادہ نافع ہے۔ لکھ کر گلے میں ڈالنا ان کیلئے ہے جو پڑھ نہ سکیں۔ جیسے بچے یا بالکل ایسے جاہل جن کی زبان سے قرآن اور دُعاء کے الفاظ ادا ہونا مشکل ہو۔ آج کل لوگوں کو اللہ تعالٰی کا نام لینے اور پڑھنے کا تو ذوق رہا نہیں۔ اس لئے کوئی وظیفہ دُعاء ان کو بتلائی جائے تو اس کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یوں چاہتے ہیں کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے بس کوئی پھونک مار دے یا لکھی ہوئی چیز دے دے۔ اس سے سب کام ہوجاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک پہلوان نے کشتی میں غالب رہنے کیلئے مجھ سے تعویذ مانگا۔ میں نے کہہ دیا کہ اگر تمھارا مقابل کوئی مسلمان نہیں ہے تو دے دوں گا ورنہ نہیں۔

(معلوم ہوا کہ جس کو کوئی تعویذ دینا ہو یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کسی پر ظلم تو نہیں کر رہا اور کسی ناجائز کام کیلئے تو تعویذ نہیں لے رہا۔ ناجائز کام میں امداد کرنا اس کیلئے تعویذ دینا بھی جائز نہیں)۔

تقابل مذاہب

آج کل سکولوں اور بہت سے مدارس میں تقابلی مطالعہ اور تقابل کے مضمون کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو طالب علم اپنے مذہب کی معلومات پوری نہ رکھتا ہو اور مذہب میں رسوخ نہ رکھتا ہو اس کیلئے غیر مذہبوں کی کتابوں کا مطالعہ بہت خطرناک ہے۔

افضل اور اکمل میں فرق

ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا ہر فرد کل عالم کے مسلمانوں سے افضل ہے۔ قرآن و حدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر صحابی ہر کمالِ علمی وغیرہ میں سب لوگوں سے اکمل بھی ہو۔ ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ۔ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل اور دوسرے حضرات مجتہدین مجتہد تھے۔ تفقہ کا کمال ان کو حاصل تھا اور صحابہ کرام میں بعض ایسے بھی تھے جو مجتہد نہیں تھے مگر اس سے بھی افضلیت ائمہ مجتہدین کی لازم نہیں آتی۔ خلاصہ یہ ہے افضل ہونا اور چیز ہے۔ اکمل ہونا اور افضلیت کا مدار قبول عنداللہ پر اور کمالات کی تحصیل اکتسابی اختیاری چیز ہے۔

فرمایا کہ علماء اور طلباء کو اگر دنیا کے لوگ متکبر کہیں وہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ ذلیل کہیں۔ یعنی تکبر کی بدنامی علماء کیلئے تملق و خوشامد کی بدنامی سے بہتر ہے۔ فرمایا کہ پیوند لگے پھٹے ہوئے کپڑے۔ ٹوٹے ہوئے جوتے کوئی ذلت کی چیز نہیں۔ ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اور اپنی حاجت پیش کرے۔

مجلسِ صبح

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

جُمعرات

صوفیائے کرام کے مجوزہ طریقے اور تعلیمات اکثر انتظامی تدبیریں ہیں احکام نہیں اسلیے اُن کا ثبوت نصوص سے ضروری نہیں۔

حضرات صوفیائے کرام نے اصلاحِ نفس کیلئے کچھ معالجات روحانی اور ریاضت و مجاہدات کے خاص خاص طریقے بتلائے ہیں جو قرآن وسنت اور صحابہ وتابعین کے عمل میں ثابت نہیں۔ اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ بدعت میں داخل ہیں اور بعض لوگ اسی بناء پر اس طریق ہی کو غلط کہنے لگے۔ اور صوفیائے کرام سے بدگمان ہو گئے۔ اور بلاشبہ بہت سے جاہل متصوف لوگوں نے ایسا کیا بھی ہے کہ اکابر کی مقرر کردہ حدود سے

تجاوز کیا اور شرک و بدعت میں مبتلا ہو گئے۔ آئمہ تصوف اور اکابر سلف اس سے بری ہیں۔ حضرت قدس اللہ سرہ نے اس کی حقیقت ایک ملفوظ میں اس طرح واضح فرمائی کہ:۔

صوفیائے کرام جو تدابیر سالکین طریق کیلئے تجویز کرتے ہیں وہ احکام نہیں۔ جن کے نصوص قرآن و حدیث سے ثبوت تلاش کرنے کی ضرورت ہو بلکہ ایک انتظام اور معالجہ ہے اصلاح نفس کا اسی لئے وہ ہر شخص کیلئے اس کی طبیعت اور حالت کے مناسب جدا جدا ہوتا ہے۔ مثلاً کبر کا حرام ہونا اور اس کا ازالہ فرض ہونا یہ تو احکام ہیں جو قرآن و سنت میں منصوص ہیں اب ازالہ کبر کیلئے مشائخ طریق مختلف قسم کی تدبیریں ہر ایک کے حال کے مناسب تجویز فرماتے ہیں۔ کسی کو کہتے ہیں کہ تم نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرو۔ کسی کو کہتے ہیں کہ اپنی نالائقی کا اعلان کیا کرو۔

یہ محض انتظامی تدبیریں اور معالجہ ہے اس کیلئے ضروری نہیں کہ کسی نص کتاب و سنت میں وارد ہو۔ اگر کوئی نص شرعی بیان بھی کر دی جائے تو وہ محض تبرع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کیلئے تو اصول شرعیہ اور تعامل سلف سے ثبوت ضروری ہے۔ جو چیز قرآن و سنت اور تعامل صحابہ و تابعین سے ثابت نہ ہو۔ احکام میں اس کا اختیار کرنا بدعت کہلاتا ہے لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے جو طبعی موانع انسان کو پیش آتے ہیں۔ ان موانع کے ازالہ کے لئے جو تدبیریں کی جائیں وہ ایک معالجہ ہے ان تدبیروں کا قرآن و سنت سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح جسمانی معالجہ کا حال ہے کہ مریض کے لئے جو کوئی حکیم یا ڈاکٹر کوئی دواء۔ پرہیز۔ غذاء وغیرہ مخصوص کر دیتا ہے۔ کوئی یہ پوچھے کہ یہ کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ یہی دواء استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال بے جا اور ناواقفیت پر مبنی

ہے۔ قرآن وسنت سے اس چیز کا حلال ہونا ثابت ہو یہ تو ضروری ہے۔ آگے جتنی قیدیں۔ شرطیں کوئی ڈاکٹر حکیم لگاتا ہے اس کی پابندی کسی آیت و حدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ اس کا مدار تجربہ پر ہے۔

ہاں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص حکیم ڈاکٹر کی بتائی ہوئی تدبیر اور اس کی لگائی ہوئی قید و شرط کو عبادت سمجھ کر کرے تو یہی بدعت ہو جائے گی۔ معالجہ نفس کا ضروری ہونا تو قرآن وسنت اور تعامل صحابہؓ و تابعین سے ثابت ہے وہ عبادت اور ثواب ہے لیکن اس کی کسی خاص صورت کو عبادت و ثواب کا مدار قرار دینا کہ جو نہ کرے اس کو برا سمجھے یہ اس کو بدعت کی حد میں داخل کر دیتا ہے۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک غیر مقلد صاحب جو بہت نیک آدمی ہیں انھوں نے مجھے خط لکھا کہ آپ کے یہاں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ حصہ تو ہر مسلمان کا ہے مگر اتنا بتلا دیجئے کہ آپ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تو تقلید نہیں کرتے میری بھی تقلید کریں گے یا نہیں۔ مدت تک ان کا خط نہ آیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد خط آیا کہ برائے کرم اس سوال کو اٹھا دیجئے اور مجھے کچھ بتلا دیجئے۔ وہ اس سوال کے جواب میں اس لئے متحیر ہوئے ہوں گے کہ میری تقلید کرنے کا اقرار کرتے ہیں تو سوال ہوگا کہ امام اعظمؒ کی تقلید کو تو ناجائز کہتے ہو میری تقلید کیسے جائز ہوگئی اور اگر انکار کرتے ہیں تو سوال ہوگا کہ جب ہمارا کہنا ہی نہ مانوگے تو کام کیسے چلے گا۔ لیکن اگر وہ مجھ سے پوچھتے تو میں ان کو اس کا صحیح جواب بتلا کر خود ہار جاتا۔

جواب یہ تھا کہ امام صاحبؒ کی تقلید تو احکام میں کرائی جاتی ہے۔ جن میں سے بعض کو ہم روایات و نصوص کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے ان کی تقلید مطلق کو ناجائز کہتے ہیں اور آپ کی تقلید تو محض انتظام میں ہوگی جیسے کسی حکیم ڈاکٹر کی تقلید و اتباع معالجات میں کیا جاتا ہے۔ اس کو ہم جائز سمجھتے ہیں۔

کسی سے بیعت ہونے کیلئے اس کا انقیاد ضروری ہے اور انقیاد بغیر محبت کے نہیں ہوتا۔ اسی لئے طریقِ سلوک میں حبِ شیخ کی بڑی اہمیت ہے

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ آج کل لوگوں میں کچھ اعتقاد تو ہے مگر انقیاد (یعنی اتباع) نہیں۔ اور کام کیلئے ضرورت انقیاد کی ہے، اور انقیاد پیدا ہوتا ہے محبت سے۔ اسی لئے اس طریق میں حبِ شیخ بہت ضروری اور مدارِ کار ہے۔ اسی لئے میں بیعت کرنے میں جلدی نہیں کرتا جب تک کہ مناسبت طرفین کا علم نہ ہو جائے کیونکہ بغیر باہمی مناسبت کے محبت نہیں ہوتی اور پہچان مناسبت کی یہ ہے کہ اگر اس شخص کو اپنی آنکھ سے گناہ میں مبتلا بھی دیکھے تو اس کا اعتقادِ بزرگی تو زائل ہو جانا چاہیے۔ مگر محبت زائل نہ ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس سے عقیدت رکھنا تو جائز نہیں اور ترک اعتقاد واجب ہے مگر محبت امر اختیاری نہیں وہ جس سے ہو جاتی ہے وہ ایسی صورت میں بھی زائل نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی کا باپ معاذ اللہ مرتد ہو جائے یا کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے تو عقیدت تو اسی وقت زائل ہو جاتی ہے کہ پہلے اس کو مومن سمجھتا تھا اب کافر سمجھتا ہے یا پہلے اس کو نیک صالح سمجھتا تھا اب گنہگار سمجھتا ہے مگر محبت فرزندانہ پھر بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ اس حیثیت سے اور بڑھ جاتی ہے کہ لوگوں سے اس کے اسلام کی عود کرنے کی تدبیریں پوچھتا پھرتا ہے۔

وعظ و تبلیغ کے اہم آداب جنکا مؤثر ہونا تجربہ سے ثابت ہے

ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ وعظ و تبلیغ میں میری یہ عادت رہی ہے کہ بات کتنی بُری اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو مگر عنوان نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا تھا کہ دل قبول کرلے، لوگوں کو وحشت و نفرت نہ ہو اور دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔ مخالفین کے جواب میں بھی ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ اور اسی سے نفع ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک قصّاب کی درخواست پر مَیں جونپور گیا۔ انھیں کے مکان پر مہمان ہوا۔ وہاں میرے پاس ایک خط نظم میں پہنچا جس میں چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔

اوّل یہ کہ تم جاھل ھو۔
دوسرے یہ کہ تم جُلاھے ھو۔
تیسرے یہ کہ تم کافر ھو۔
چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑی سنبھال کر بیٹھنا۔

مَیں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیا۔ اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر مَیں نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مجھے یہ خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزو کے متعلق تو مجھے اس لئے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں اور مَیں خود اپنے اجہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزو کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ اوّل تو جُلاہا ہونا کوئی عیب نہیں اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا یا کانا ہو تو مآل اس کا بھی یہی ہے کہ یہ کوئی قابلِ بحث بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ مَیں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ مَیں نسب کی تحقیق کراؤں۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو بلا وجہ

میرے نسب ہی کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنی زبان سے کیا کہوں میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کے نام دریافت کر کے ان سے تحقیق کر لیں کہ میں جولاہا ہوں یا کون؟

اسی طرح تیسرے جزو کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اب تو مسلمان ہو گیا، اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک مسلمان ہی کہا جائے گا۔ البتہ چوتھے جزو کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا، بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں لیکن اگر دوران تقریر میں کہیں آجاتے ہیں تو پھر رکتا بھی نہیں، البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو اس لئے مشورہ طلب یہ امر ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو ہے نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں۔ لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا آپ کو مشورہ میں مدد دینے کیلئے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ وعظ تو ہونے دیا جاوے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود ہوں گے جن کا یہ خط ہے۔ تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں اسی وقت مجھے روک دیں۔ میں اسی وقت وعظ بند کر دوں گا۔ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر مچھلی شہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کر دیں۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ

ضرور وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔

میں نے وعظ کہا اور حسبِ عادت ترغیب و ترہیب اور اصولِ شرعیہ بیان کئے پھر ضمناً بعض فروع کی بحث آئی تو اتفاقاً اس میں بدعات و رسوم کا بھی ذکر آگیا تو خوب کھل کر بیان کیا۔ تمام مجمع محوِ حیرت تھا۔ ختم وعظ کے بعد جونپور کے ایک مشہور مولوی صاحب نے اتنا کہا کہ مولانا ان چیزوں کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ کہا کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی میں نے تو حاجت سمجھ کر بیان کیا اگر آپ مجھے وقت پر متنبہ فرما دیتے تو میں نہ بیان کرتا۔ اب تو بیان ہو چکا اب اس کا کوئی اور تدارک بجز اس کے نہیں کہ آپ دوسرے وقت اس کی تردید فرما دیں اور اسی مجلس میں اعلان فرما دیں کہ فلاں وقت اس وعظ کی تردید کی جاوے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں گا۔ مولانا عبدالاوّل صاحب جو جونپور کے فضلاء میں سے تھے وہ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب کو ملامت کی کہ آپ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اور پھر اعلان کے ساتھ فرمایا کہ صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولودیہ ہوں قیامیہ ہوں لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پاس مہمان رکھا۔

ایک اور واقعہ

فرمایا کہ نواب ڈھاکہ کو محفلِ میلاد کا بہت شوق تھا۔ خود مجالس منعقد کرتے تھے اور خود ہی پڑھا کرتے تھے۔ انھوں نے جب مجھ سے مسئلہ پوچھا تو میں نے عنوان میں اس قدر رعایت کی کہ بدعت کا لفظ تک نہ لکھا۔ بلکہ صرف یہ لکھا کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ وہ سمجھ دار آدمی تھے فوراً چھوڑ دیا۔ جب میں ڈھاکہ گیا اور انھیں کا مہمان تھا۔ مجالسِ عامہ میں بہت

وعظ ہوتے مگر شہزادے اور رؤسا عام مجامع میں آتے نہ تھے۔ ان کی رائے ہوئی کہ ان کو بھی کسی طرح وعظ سنوایا جاوے مگر میری شرط تھی کہ وعظ میں کسی عام آدمی کو آنے سے نہ روکا جاوے۔

انھوں نے یہ صورت اختیار کی کہ شہر سے سات، آٹھ میل کے فاصلہ پر وعظ کا اعلان کیا جہاں موٹر یا سائیکل والوں کے سوا کوئی پہنچ نہیں سکتا تھا اور رؤسا کو وہاں دعوت تھی۔ کچھ لوگ وہاں بھی پہنچے مگر بہت کم، بہرحال اجتماع ہوا تو ان کے حال کے مناسب چند ضروری چیزیں مجھے کہنا تھیں جن میں ایک ڈاڑھی کا مسئلہ بھی تھا کیونکہ سب ڈاڑھی منڈانے والے نظر آئے مگر میں نے عنوان میں ایسی رعایت کی کہ ان کو نفرت نہ ہو۔ میں نے کہا کہ صاحبو! اس کے بیان کرنے کی تو ضرورت نہیں کہ ڈاڑھی منڈانا گناہ ہے کہ سب جانتے ہیں کلام اس میں ہے کہ جن لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اور اس کو اپنی زینت سمجھتے ہیں وہ اس کو کیسے چھوڑیں تو میں ان کیلئے ایک نسخہ آسان بتلاتا ہوں کہ انکے کسی کام میں فرق نہ آئے اور کام بھی کچھ نہ کچھ ہو جاوے وہ یہ کہ میں ان کو اس کام سے نہیں روکتا۔ البتہ دن بھر یہ کام کرنے کے بعد شام کو خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار اور اس پر ندامت ظاہر کیا کریں، کہ یا اللہ ہم بڑے نالایق، بڑے خبیث، بڑے گنہگار ہیں۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیرے احکام کی اطاعت کریں۔ پھر صبح اٹھ کر وہی کام کریں اور شام کو پھر یہ کام کیجئے۔ اس پر بعض حاضرین نے کہا کہ حضرت جو یہ کام کرے گا وہ کیا پھر ڈاڑھی منڈا سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ کب کہتا ہوں کہ منڈائے بھی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ڈاڑھی منڈانا ہی ہے تو یہ کام بھی کرتے رہو۔ اس میں نہ آپ کی زینت و فیشن میں فرق آتا ہے نہ کسی کی عادت میں خلل پڑتا ہے مگر گناہ کی تخفیف ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ تدریجاً اس سے نجات بھی ہو جائے۔ غرض وعظ و تبلیغ میں میرا یہ طرز تھا کہ لوگوں کو وحشت و نفرت نہ ہو عنوان نرم اور انداز پسند ہوں۔ آج کل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

اصل مقصود تصوف کا نہایت سہل الوصول ہے

لوگوں نے غیر ضروری چیزوں کو اس کا جزو بنا کر مشکل کر رکھا ہے۔

مجلس جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ

عادت اللہ یہ ہے کہ جتنی چیزیں انسان کیلئے زیادہ ضروری ہیں اتنا ہی ان کو سستی اور سہل الوصول بنایا ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر وقت مفت ملتی ہے بلکہ ایک درجہ میں جبری قسمت ہے کہ کوئی اس سے بچنے کا ارادہ بھی کرے تو کامیاب ہونا مشکل ہے دوسرے درجہ میں پانی ہے وہ بھی عام طور پر مفت ہے اور کہیں بہت ہی مختصری قیمت بھی ہے۔ وعلیٰ ہذا دوسرے اشیاء اور سب سے قلیل النفع چیزیں جواہرات وغیرہ میں وہ سب سے زیادہ گراں ہیں۔ طریق وصول الی اللہ بھی چونکہ عام النفع چیز ہے اس لئے فطرۃً وہ آسان ہونا چاہیئے مگر مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے غلو نے اسے مشکل بنا رکھا ہے۔ غیر اختیاری اور غیر ضروری اصول واعمال کا نام تصوف رکھ لیا ہے

حالانکہ وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے وہ فقط توجہ الی اللہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ جب ہم حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونگے تو وہ حسبِ وعدۂ حدیث ہم سے زیادہ ہماری طرف توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اس میں تو کسی نفلی عمل کی بھی ضرورت نہیں ہے البتہ تکمیل فرائض کر لیا جائے یہ کافی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تکمیل فرائض تکثیر نوافل سے زیادہ افضل ہے۔ اور یہ امر ایک طبعی امر بھی ہے۔ ایک شخص دعوت میں دس کھانے کھلاتا ہے مگر سب خراب اور دوسرا صرف ایک کھانا پکاتا ہے مگر عمدہ اور نفیس۔ ظاہر ہے کہ آپ اس ایک کو ان دس پر ترجیح دیں گے۔

مسندِ احمد میں ایک حدیث ہے جو "التکشف" میں نقل کی گئی ہے مضمون اس کا یہ ہے کہ چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صحابیؓ سامنے سے گذرے تو موجودین میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ میں ان (گذرنے والوں) کو مبغوض رکھتا ہوں اس کی خبر کسی نے اٹھ کر ان صحابی کو کردی۔ وہ لوٹ کر آئے اور دریافت کیا کہ آپ نے میرے متعلق یہ کہا ہے کہ "انی لابغض ھذا" انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں کہا ہے۔ سوال کیا کہ سبب بغض کیا ہے؟ جواب دیا کہ میں نے تمھیں کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی نفل نماز پڑھتے ہو یا نفلی روزہ رکھتے ہو۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ اچھا کبھی آپ نے فرائض میں کوتاہی کرتے ہوئے تو مجھے نہیں پایا۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا کہ میں تو اسی کو کافی سمجھتا ہوں پھر فیصلہ کیلئے دونوں اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی۔

۱۱ر شعبان ۱۳۵۴ھ

ایک عالم کے کچھ لوگ بلا وجہ شرعی مخالف ہوگئے اور اس کو بدنام کرنے اور ذلیل کرنے کیلئے زمانہ کی مروجہ سب صورتیں اختیار کیں۔ یہ بیچارے اس سے رنجیدہ و دل شکستہ تھے۔ حضرت رحمہ نے فرمایا کہ "مظلوم ذلیل نہیں ہوتا" کیونکہ بنص قرآن وہ منصور حق ہے۔ قرآن کریم میں اولیاء مقتول جو مظلوم ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے:۔

فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا ط۔ یعنی "ولی مقتول کو چاہیے کہ جب اس کو اپنا بدلہ لینے کا موقع ہاتھ لگے تو بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصور ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہے اس لئے اس کو شکر گذار ہونا چاہیئے اور ظالم سے انتقام لینے میں زیادتی کرکے خود ظلم کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مظلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت اس کے ساتھ ہوتی ہے اور جو شخص منصور حق ہو، اس کو کون ذلیل کرسکتا ہے۔

ماہنامہ المفتی دیوبند کے متعلق ارشاد

بزمانہ خدمت دارالعلوم دیوبند احقر نے بزرگوں کے مشورہ سے ایک ماہنامہ بنام المفتی جاری کیا تھا جس میں فتاویٰ کے علاوہ دوسرے مفید عام مضامین بھی ہوتے تھے۔ نہ کوئی یار و مددگار تھا نہ سرمایہ جس سے ماہنامے چلائے جاتے ہیں۔ میں اس ماہنامہ کا "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ" مضامین لکھنے سے طباعت اور ڈاک خانہ میں چھوڑنے تک کے سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتا تھا۔ ہر سال خسارے کے باوجود ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۶۲ھ تک آٹھ سال اس کو جاری رکھا۔ ایک روز احقر حاضر مجلس تھا تو مجھے بلا کر فرمایا کہ:۔

"آپ کا رسالہ "المفتی" تو بڑا ہی نافع ہے سب مغز ہی مغز ہے میں نے تو بعض لوگوں سے کہا ہے کہ اس کی قیمت سالانہ تو صرف سوا روپیہ ہے لیکن یہ مضامین سوا لاکھ روپیہ میں بھی جمع ہو جاویں تو سستے ہیں۔"

رسمی عالم ہونا ولی کامل ہونے کی شرط نہیں، بقدر ضرورت علم کے بعد اصل چیز عمل ہے

ایک صاحب نے دیوبند میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آپ لوگ (مراد اس سے حضرت گنگوہی نانوتوی اور دوسرے اکابر دیوبند سب تھے)۔ بڑے علماء فضلاء ہیں اور آپ سب جا کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں وہ کیا چیز تھی جس کے لئے آپ حضرات نے ان کی خدمت اختیار کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

"ہاں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو سب اقسام کی مٹھائیوں کے نام اور فہرست پوری یاد ہو، مگر چکھا ایک کو بھی نہ ہو۔ اور دُوسرا کوئی ایسا شخص ہے جس نے سب مٹھائیاں کھائی ہیں مگر نام کسی کا یاد نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ جو شخص مٹھائیاں کھا رہا ہے اس کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ ان کے نام معلوم کرنے کیلئے کسی کے پاس جائے۔ مگر جس کو صرف نام اور الفاظ یاد ہوں وہ اس کا محتاج ہے کہ صاحبِ ذوق کی خدمت میں جائے اور ان مٹھائیوں کا ذوق حاصل کرے"۔

اختلافِ علماء کے وقت عوام کو کیا کرنا چاہیئے

علماء امت کے درمیان رأیوں اور اس کی بناء پر اجتہادی مسائل میں اختلاف ایک امر فطری ہے اور حضرات صحابہ و تابعین کے زمانے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ ایسے اختلاف کو حدیث میں رحمت کہا گیا ہے۔ اختلافِ مذموم جس سے بچنے کی ہدایات قرآن وسنّت میں وارد ہیں وہ اختلاف ہے جو اغراض و اہواء نفسانی پر مبنی ہو یا جس میں حدودِ اختلاف سے تجاوز کیا گیا ہو۔ مگر آج کل لوگوں نے اس اختلاف کو بھی طبقہ علماء سے بدگمانی پیدا کرنے کے کام میں استعمال کر رکھا ہے۔ اور سیدھے سادے عوام ان کے مغالطہ میں آکر یہ کہنے لگے کہ جب علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں۔ حالانکہ دنیا کے کاموں میں جب بیماری کے علاج میں ڈاکٹروں حکیموں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو اس میں عمل کیلئے سب اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور اس اختلاف کی بناء پر سب ڈاکٹروں حکیموں سے بدگمان نہیں ہو جاتے۔

ایک صاحب نے گنگوہ سے حضرت رح کو خط لکھا جس میں دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے بعض علماء کی آراء کا خلاف مصالح دینی ہونا ذکر کیا جن میں

حضرت رح کی رائے بھی ان علماء سے مختلف تھی۔ اور لکھنے والے حضرت کے معتقد تھے۔ خط مفصل لکھا۔ اور لکھا کہ میں سب حضرات سے عقیدت رکھتا ہوں اور ایسے واقعات پیش آنے پر سخت تذبذب پیش آتا ہے لوگوں سے بحث بھی ہوتی رہتی ہے اس لئے بڑی تکلیف میں ہوں۔ میرے لئے ارشاد فرمایا جائے کہ میں کیا کروں۔

حضرت رح نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم!

آپ نے اپنے دین کی درستی کیلئے بہت محنت کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا اجر ملے گا۔ چونکہ ہر مریض کیلئے جدا نسخہ نافع ہوتا ہے جو نسخہ آپ کے لئے نافع ہے وہ لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ؎

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

زبان اور قلم اور قلب سے سکوت رکھیں۔ پریشانی پر صبر کریں۔ نہ کسی کے معتقد رہیں۔ نہ کسی سے بد اعتقاد ہوں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایذاء دہ ہیں۔ قیامت میں اس کی پوچھ بھی آپ سے نہ ہوگی۔

والسلام

ایک آیت کی تفسیر اور تحقیق

قرآن کریم میں ہے:۔

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یعنی "اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے"

اس پر ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض غریب مفلس آدمی ایسے ہوتے

ہیں کہ ان کے پاس گنی چُنی چیزیں ہی ہوتی ہیں جو شمار میں آسکتی ہیں تو ان کے حق میں لا تحصوھا کا حکم کیسے صحیح ہوگا اس کا جواب تو کھلا ہوا ہے کہ ہر آفت سے محفوظ رہنا بھی تو ایک مستقل نعمت ہے اور آفتوں اور تکلیفوں کا احصاء و شمار کوئی نہیں کر سکتا اس لیئے غریب سے غریب انسان پر اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ وہ شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس آیت کی ایک دوسری تفسیر بھی دل میں آتی ہے وہ یہ کہ لفظ اِحصاء کے معنے جیسے شمار کرنے کے معروف و مشہور ہیں۔ اسی طرح ایک معنی احصاء کے پورا پورا استعمال کر لینے کے بھی آتے ہیں یعنی احصاء استعمالاً۔ اس معنی کے اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں وہ اُن سب کو بیک وقت استعمال بھی نہیں کر سکتا بلکہ کچھ نہ کچھ نعمتیں اس کے استعمال سے فاضل رہتی ہیں خود انسان کے وجود میں جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اس کی ضرورت سے کچھ زائد رہ گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دو عطا فرمائیں۔ حالانکہ دیکھنے کا کام ایک آنکھ سے بھی چل سکتا ہے۔ کان دو دیئے اور کام ایک سے بھی چل سکتا ہے۔ ہاتھ پاؤں دوہرے عطا فرمائے جن میں سے انسان ہر وقت دونوں کو استعمال نہیں کرتا۔ سردی کا سامان گرمی میں اور گرمی کا سامان سردی میں مشغول کار نہیں ہوتا اس لیئے ہر غریب سے غریب انسان پر یہ بات صادق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو پورا پورا استعمال بھی نہیں کر سکتا۔

آیت کی یہ تفسیر خیال میں گذرا کرتی تھی مگر کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا تھا۔ آج الحمد للہ اس کی دلیل ایک حدیث سے سمجھ میں آگئی کہ اسماء اللہ الحسنیٰ کے متعلق حدیث میں ہے :-

من احصٰھا دخل الجنۃ۔ یعنی "جو شخص ان اسماء الٰہیہ کا احصاء کرے گا وہ جنت میں جائے گا"

اس حدیث میں لفظ اِحصَاء کے متعلق علماء کے دونوں قول ہیں کہ احصاء حفظاً مراد ہے یعنی ناموں کا حفظ کرلینا یا احصاء استعمالاً مراد ہے کہ ان ناموں کے مقتضی پر عمل کرنا۔

تو جس طرح لفظ احصاء کی ایک حدیث میں دو تفسیریں کی گئی ہیں، اِسی طرح آیت قرآن لا تحصوھا میں بھی دونوں تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

---

۲۵ شعبان ۱۳۵۴ھ

ابن منصور کے متعلق تحقیق و ارشاد

ابن منصور جو عام لوگوں میں منصور کے نام سے مشہور ہیں اور کلمہ انا الحق کہنے پر ان کو قتل کیا گیا تھا ان کے بارے میں سلف وخلف کے اقوال بہت مختلف اور متضاد ہیں۔ بعض حضرات ان کی بزرگی اور للّہیت ہی کے منکر ہیں۔ بعض ان کو سب اولیاء میں افضل و اعلیٰ مانتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابنِ منصور کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ یہ عارف اور صاحبِ حال تو ہیں مگر صاحبِ کمال نہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے اور حضرت جنیدؒ ان سے ناراض تھے۔

پھر فرمایا میرا تجربہ یہ ہے اور اس کے شواہد میرے پاس موجود ہیں کہ شیخ اگر کسی سے ناراض ہو جاوے تو آخرت میں تو اس کی تباہی لازم نہیں۔ لیکن دنیا میں ضرور کسی عقوبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہی تجربہ ہے اس الہام کی مخالفت میں جو قوت کے ساتھ وارد ہو کہ اس کی مخالفت کرنے سے کم از کم دنیا میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

امراء اہل دنیا سے اہل اللہ کی ملاقات اور اسکا ادب

ارشاد فرمایا کہ دنیا کے امراء و رؤساء اگر کسی عالم یا ولی سے ملاقات کیلئے آویں تو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی تعلیم یہ ہے کہ ان سے خشونت کا برتاؤ نہ کریں اور فرمایا کہ اسی وجہ سے میرا معمول یہ ہے کہ امیر رئیس اگر تہذیب و ادب سے رہے تو بہ نسبت عام غرباء کے اس کی خاطر زیادہ کی جائے کیونکہ یہ لوگ اس کے عادی ہوتے ہیں اور بقاعدہ

انزلوا الناس منازلھم۔ یعنی "جس کو دنیا میں جو درجہ و مرتبہ حاصل ہو، اس کے مطابق اس سے معاملہ کرو"۔

ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ مناسب ہے۔

لیکن اگر وہ خود کوئی متکبرانہ معاملہ کریں یا علماء کی حقارت کی کوئی چیز ان سے ظاہر ہو تو قطعی پرواہ نہ کی جائے ان کے عمل کا جواب اس کے مناسب دیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ ان کو ذلیل کرے نہ خود اپنے آپ کو ان کے سامنے ذلیل کرے۔

اور پھر فرمایا کہ حقیقت میں ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اپنی ضرورت و حاجت پیش کرے۔ پھٹے کپڑے، ٹوٹے جوتے، پیوند زدہ لباس کوئی ذلت نہیں۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ!

ارشاد فرمایا کہ جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے وہ بڑے گناہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہے ورنہ ہر گناہ اس حیثیت سے کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے بڑا ہی گناہ ہے جیسے پھونس کے چھپر میں بڑا انگارہ اس کیلئے مہلک ہے اسی طرح چھوٹی سی چنگاری کا بھی وہی انجام ہے کہ

وہ بھی جب بھڑک اٹھتی ہے تو انگارہ بن جاتی ہے اس لئے گناہوں میں صغیرہ وکبیرہ کی تقسیم باہمی اضافت و نسبت کے اعتبار سے ہے۔ صغیرہ گناہ کو بھی چھوٹا سمجھ کر بے پرواہی کرنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ قرآنِ کریم میں غزوۂ احد کی ابتدائی شکست کو صحابہ کرام کی ایک لغزش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ارشاد یہ ہے:۔

انما استزلهم الشیطان ببعض ما کسبوا۔ یعنی "لغزش دے دی شیطان نے اُن کے بعض اعمال کی وجہ سے"۔

اس واقعہ میں ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوتے تھے مگر اس صغیرہ ہی کو اُحد کی شکست کا سبب قرار دیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام سے صغیرہ گناہ بھی سرزد نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی تحقیق یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام سے قبل نبوت یا بعد نبوت نہ کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوتا ہے نہ صغیرہ۔

اور فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ رح کی تحقیق سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ جو چیزیں انبیاء علیہم السلام کی زلات میں شمار کی گئی ہیں وہ بھی درحقیقت گناہ نہیں۔ طاعت ہی ہوتی ہے مگر بڑی طاعت کے مقابلہ میں اس کے ساتھ اشتغال ان کی شان کے مناسب نہیں تھا اس لئے اس پر تنبیہہ کی گئی۔

ایک اہم فائدہ

ارشاد فرمایا طاعات وعبادات کا بڑا فائدہ تو ثواب آخرت ہے وہ جب کوئی عمل اس کے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے اس پر ضرور مرتب ہوگا ان کا ایک دوسرا فائدہ خاص خاص اعمال کے آثار و برکات

ہیں جن کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے مگران آثار کے مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے کے وقت ان آثار کے ترتب کی نیت بھی کرے۔ عام طور پر جن لوگوں کو یہ آثار حاصل نہیں ہوتے اکثر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان نیت ان آثار کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا یہ اثر قرآنِ کریم میں منصوص ہے کہ اس سے انسان کو تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے۔ یہ جبھی حاصل ہوگا جبکہ نماز کی شرائط و آداب کے ساتھ ادا بھی کرے اور یہ نیت بھی رکھے کہ نماز کی وجہ سے مجھے دوسرے گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی ضرور ہوجائیگی

کرامت کا درجہ

اولیاء اللہ سے کرامات کا صدور حق ہے۔ اس پر امت کا اتفاق ہے لیکن عوام میں کرامت کو بہت بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اور بزرگوں کے جو اصلی کمالات ہیں ان کو نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

اہلِ تحقیق کے نزدیک کرامت کا درجہ اس ذکر لسانی سے بھی کم ہے جو بغیر حضورِ قلب کے کیا جائے۔ حضرت رح نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ذکر اللہ خواہ بغیر حضورِ قلب کے ہو کچھ نہ کچھ اجر و ثواب اس پر حاصل ہوتا ہے" اور اجر و ثواب پر قرب خداوندی مرتب ہوتا ہے بخلاف کرامت کے کہ وہ صرف ایک واقعہ کا اظہار ہے اس پر نہ کوئی اجر و ثواب ملتا ہے، اور نہ اس سے تقرب الی اللہ میں کوئی ادنیٰ اضافہ ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ کرامت میں کسی بزرگ کے اختیار و عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا بعض اوقات اس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قرآنِ کریم نے فرمایا:۔

لولا ان رای برھان ربہ۔ یعنی " (یوسف علیہ السلام) اگر اپنے رب کی

برہان و دلیل نہ دیکھتے۔ (تو ممکن تھا کہ ان کا میلان زلیخا کی طرف ہو جاتا)۔"

اس برہانِ رب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس تنہائی میں سامنے انگشت بدنداں دیکھا۔ یہی برہان رب تھی جس کی وجہ سے ان کی حفاظت ہوئی۔ اگر یہ تفسیر صحیح ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ یہ یعقوب علیہ السلام کی کرامت یا معجزہ تھا مگر یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر بھی نہ تھی کیونکہ اگر یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا یہ پتہ نشان معلوم ہو جاتا کہ وہ عزیز مصر کے گھر میں ہیں تو بعد میں یہ نہ فرماتے :۔

یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ۔ یعنی "اے میرے بیٹو! جاؤ تم یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔"

---

۴ رمضان ۱۳۵۰ھ

کشف کے متعلق ایک تحقیق!

ارشاد فرمایا کہ کشف گوئی یعنی دنیا میں آئندہ پیدا ہونے والے واقعات کا انکشاف کبھی منجانب اللہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور کبھی تصرف سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ امر اختیاری ہے اور کسبی چیز ہے بعض ریاضتوں اور اعمال سے کونیات کا کشف ہونے لگتا ہے۔ اور فاسق فاجر بلکہ کافر کو بھی ہوسکتا ہے۔

بعض بزرگوں کے ایسے کلمات جو بظاہر ادب کے خلاف ہیں

ان کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب ۔۔۔ جوشش عشق است نے ترک ادب

اور فرمایا کہ ؎

بے ادب تر نیست زو کس در جہان ۔۔۔ با ادب تر نیست زو کس در نہان

حاصل اس کا یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت میں مٹے ہوئے ہیں ان سے بے ادبی کا تو امکان ہی نہیں مگر فرط محبت میں بعض اوقات غلبۂ حال سے الفاظ میں وہ رعایت نہیں رہتی جو ہونا چاہیے۔ اس لئے جن

بزرگوں پر ایسے حالات طاری ہیں۔ان کے کچھ کلمات اگر بظاہر ادب کے خلاف بھی معلوم ہوں توان سے بدگمانی نہ کرنا چاہیے البتہ ان کی نقالی کرنا بھی درست نہیں کہ جو مغلوب الحال نہیں ہیں وہ بھی ان کی نقالی کرنے لگیں۔

غلبہ تواضع کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے عیدگاہ کے مجمع میں حضرت رح کے کسی فعل پر اعتراض کیا۔ وہ اعتراض اگرچہ بالکل بے جا اور غلط تھا مگر حضرت رح اس کے قدموں میں گر پڑے اور فرمانے لگے کہ بیشک میں بڑا خطاوار گناہگار ہوں۔ حضرت رح پر اس وقت ایسی حالت کا غلبہ تھا جس میں انسان اپنے آپ کو ہر چیز سے بدتر و کمتر سمجھتا ہے۔

سماع کے متعلق تحقیق

ارشاد فرمایا کہ صوفیائے کرام میں اس میں تو اختلاف ہوا ہے کہ بعض نے خاص شرائط کے ساتھ سماع (گانا سننے) کی اجازت دی اور عمل بھی کیا۔ بعض نے مطلقاً منع فرمایا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ گانا سننا جزو طریق یا ان معمولات میں سے نہیں جن کو تزکیہ باطن کیلئے صوفیہ کے مختلف طبقات نے تجویز کیا ہے۔صوفیہ کے چاروں مسلک چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ قادریہ میں کسی نے گانا سننے کو سالکِ طریق کیلئے بطورِ معمول وظیفہ نہیں بتلایا۔ کسی خاص مریض کو اجازت دے دی جاتی ہے جیسے بعض اوقات طبیب سنکھیا وغیرہ سمیات سے بیمار کا علاج کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سماع اس طریق میں کوئی غذا نہیں بلکہ دواء ہے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب نے سماع کے متعلق فرمایا کہ:۔

"مبتدی را مضر باشد و منتہی را حاجت نیست"

انگریزوں کے متعلق مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا حکیمانہ مقولہ

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ انگریزوں میں دو عیب رکھ دیئے جن کی وجہ سے ہندوستانیوں کا ایمان بچ گیا۔ ایک بخل دوسرے کبر۔ ان کے یہاں مسلمان بادشاہوں کی طرح داد و دہش کا کوئی دفتر نہیں اور تکبر کا عالم یہ ہے کہ ہندوستانیوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں ان کے مجامع میں شامل ہونے کو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

تنبیہ

یہ اس وقت کا حال تھا کہ جب مسلمانوں میں اسلامی اور قومی حمیت کا غلبہ تھا۔ وہ کھانے پینے اور نشست برخاست اور عام معاشرتی کاموں میں انگریزوں کی نقالی کو عیب سمجھتے تھے۔ افسوس کہ لارڈ میکالے کا سست رفتار زہر اُن میں سرایت کر گیا اور رفتہ رفتہ اسلامی اور قومی حمیت کا خاتمہ ہُوا مسلمانوں نے ہر چیز میں اپنے آپ کو انگریز بنا کر دکھلانے ہی کو کمال سمجھ لیا تو باہم اختلاط اور تعلقات بڑھے۔ جس کا نتیجہ وہ ہُوا جو آج آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ نئی تعلیم پانے کے بعد آدمی عموماً صرف نام کا مسلمان رہ جاتا ہے۔ اصولِ دین سے غفلت اور بے پرواہی شعار بن جاتی ہے۔ اور اب تو کھلے طور پر دین و اصول دین پر اعتراضات بھی ہونے لگے۔ (انا للہ)۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحؒ کی ایک اہم وصیت

ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ بھائی کسی سے الجھنا نہیں۔ جب کسی کام میں جھگڑا ہو تو اس کو چھوڑ کر الگ ہو جانا۔ پھر فرمایا کہ میرا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔

تصوّف علومِ طبعیہ میں سے ہے

ارشاد فرمایا کہ اصول تصوّف میں غور کرو تو وہ سب علوم طبعیہ میں سے ہیں ذرا بھی طبیعت میں سلامت ہو تو خود بخود آدمی کے دل میں وہی آئے گا، جو بزرگوں نے فرمایا ہے۔

سوادِ اعظم کی تفسیر

فرمایا کہ فتنہ اور اختلافات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد اعظم کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ سوادِ اعظم کے مفہوم میں علماء کے متعدد اقوال میں راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد تو وہی ہے جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی جس طرف مجمع زیادہ اور اکثریت ہو اس کا اتباع کیا جائے مگر میرے نزدیک یہ مخصوص ہے زمانہ خیر القرون کے ساتھ جس میں مجموعی اعتبار سے خیر غالب تھی۔ آج کل کی اکثریت اس ارشاد کا مصداق نہیں کیونکہ آج کل تو عموماً غلبہ اور اکثریت بے راہ چلنے والوں کی ہے۔

اصول تصوّف

فرمایا کہ فن تصوّف کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ ایک ذکر اللہ۔ دوسرے طاعت یعنی اتباع احکام شرعیہ۔ مختلف قسم کے اشغال جو صوفیہ میں رائج ہیں۔ وہ طریق کا جز نہیں۔ ضرورۃً استعمال کیا جاتا ہے۔

خشوع کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ خشوع کی حقیقت سکونِ قلب ہے یعنی حرکت فکریہ کا انقطاع۔ اس کے حاصل کرنے کے طریقے مختلف مزاجوں کے اعتبار سے مختلف

ہیں۔ اگر یہ سکون قلب کسی کو اس طرح حاصل ہو کہ یہ تصور کرے کہ بیت اللہ میرے سامنے ہے تو اس کیلئے یہی بہتر ہے اور کسی کیلئے یہ سہل ہو کہ الفاظ جو زبان سے ادا ہو رہے ہیں ان پر دھیان لگائے تو اس کو وہی مناسب ہے اور جس کو ذات حق کی طرف توجہ میسر ہو جائے وہ سب سے افضل و بہتر ہے۔

فرمایا کہ ایک ضروری بات جو تجربہ سے حاصل ہوئی یہ ہے کہ خشوع میں زیادہ غلو نہ کرے ورنہ ایک دو رکن کے بعد طبیعت تھک جاتی ہے اور خیالات منتشر ہونے لگتے ہیں۔

غیر اختیاری طور پر دوسرے خیالات بھی اگر آتے جاتے ہیں تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ ان خیالات کی طرف التفات اور توجہ قلب کی نہ ہو۔ اس کو ایک محسوس مثال میں اس طرح سمجھئے کہ جیسے کوئی شخص ایک خاص نقطہ کو دیکھنا چاہتا ہے تو طبعی طور پر اس کا ماحول بھی نظر پڑتا ہے۔ مگر چونکہ توجہ قلب کی اس طرف نہیں ہوتی اس لیے یہی کہا جائے گا کہ وہ اس نقطہ کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح جب توجہ قلب کی بالقصد ایک چیز کی طرف ہوگی تو بالتبع دوسری چیزیں بھی سامنے رہیں گی لیکن محض ان کا سامنے ہونا اس توجہ میں مخل نہیں۔ بشرطیکہ بالقصد ان چیزوں کی طرف مشغول نہ ہو۔

کشف اور کرامت میں فرق

فرمایا کہ کشف کا حاصل یہ ہے کہ وہ واقعات جو عالم مثال میں ہو رہے ہیں اور عام نظروں سے مستور ہیں۔ وہ کسی کی نظر کے سامنے آجائیں ان کو دیکھ لے اور عموماً جب مادیات اور تعلقات سے قلب فارغ ہو تو ایسا ہو جانا کچھ بعید نہیں ہوتا۔ اس کیلئے مقبول عند اللہ ہونا تو کیا مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ کافر۔ فاسق کو بھی حاصل ہو سکتا ہے بلکہ پاگل دیوانے کو بھی۔ کرامت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ کرامت کے معنی خداوندی اعزاز کے ہیں جو ان

لوگوں کو حاصل نہیں۔ البتہ یہی انکشافات کسی شخص کو منجانب اللہ بطورِ کرامت کے بھی کرا دیا جاتا ہے وہ کشف کرامت بھی ہوتا ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کے کشف ہیں۔ اور جو کشف بطورِ کرامت کے ہوتا ہے اس کی خاص علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ نفس میں تواضع پستی اور شکستگی اور اپنا عجز محسوس ہوتا ہے جس کشف کے ساتھ یہ علامت نہ ہوں بلکہ عُجب اور فخر اپنے نفس میں محسوس ہو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے جس سے پناہ مانگنا چاہیئے۔

---

۱۳ رمضان ۱۳۵۰ھ

جمعہ

احساس کا تیز ہونا ایک کمال ہے مگر جب اس سے اذیت ہونے لگے تو مرض ہے۔

ارشاد فرمایا کہ مجھے تین روز سے نیند نہیں آئی تھی۔ آج رات اللہ تعالٰے کا فضل ہوا کہ سحر کے وقت بیٹھا ہوا پڑھ رہا تھا۔ دیوار سے کمر لگائی تو صرف چار پانچ منٹ آنکھ لگ گئی تو تین روز کا تکان رفع ہو گیا۔ یہ اس خاص قسم کی نیند ہے جس کی تعبیر بھی میں نہیں کر سکتا کہ کیا ہے۔

(احقر کو خیال ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جو صحابہ کرام پر تھوڑی دیر کیلئے ایک قسم کی نیند مسلط کی گئی تھی جس سے سب کا تکان دور ہو کر تازہ دم ہو گئے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآئِفَۃً مِّنْکُمْ۔ جس کا خاص فضلِ خداوندی ہونا ظاہر ہے اللہ تعالیٰ اگر اپنے دوسرے بندوں کو بھی اس فضل سے نوازیں تو بعید کیا ہے)۔

(محمد شفیع)

پھر فرمایا کہ میرا اصل مرض حاذق حکماء نے زکاء الحس تشخیص کیا ہے۔ "زکاوت حس" اگرچہ فی نفسہ ایک کمال ہے لیکن جب حد سے بڑھنے لگے تو اس سے اذیت ہونے لگتی ہے اس وقت اطباء اس کو مرض قرار دیتے ہیں اور اس کیلئے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن سے زکاوت کم ہو کر کچھ بلادت پیدا ہو جائے۔

فرمایا کہ میرا حال یہ ہے کہ اگر بستر یا اس کی چادر چارپائی کے ایک طرف کم دوسری طرف زیادہ ہو جائے تو جب تک اس کو درست نہ کرلوں نیند نہیں آتی۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ کے حالات میں اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔ اطباء کی نظر میں وہ بھی امراض ہی کہلاتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء و التجاء کرتا رہتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے میرا مزاج ایسا بنا دیا ہے تو آخرت میں بھی مجھے بلا حساب جنت میں داخل کر دیجئے اگرچہ اہلِ جنت کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے۔

اہلِ جنت کو کسی حال میں حسرت نہ ہوگی

فرمایا کہ جنت میں نیچے کے درجات والے اپنے سے اوپر درجات والوں کو دیکھ کر حسرت نہ کریں گے بلکہ ہر شخص اپنے حال میں مگن ہوگا۔ احقر نے سوال کیا کہ پھر تفاضل درجات کا کیا فائدہ رہے گا تو فرمایا کہ اس کا اثر عقلاً اور اعتقاداً ہوگا طبعاً نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مجھے دال ماش اگر اچھی پکی ہوئی ہو تو قورمے سے زیادہ مرغوب ہے اگرچہ عقلاً جانتا ہوں کہ قورمہ افضل ہے۔

بزرگوں کے خطوط میں اشعار لکھنا

ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے خطوط میں اشعار لکھنا ادب کے خلاف ہے۔

مگر جو بے ساختہ نکل جائے اس کا مضائقہ نہیں، انھیں دنوں میں جبکہ احقر خانقاہ میں مقیم تھا اپنے خط میں حافظ کا ایک شعر لکھ دیا تھا۔ شعر یہ تھا۔

شراب لعل و جائے امن و یار مہربان ساقی
دلا کئے بہ شود کارت اگر اکنون نخواہد شد

ہمارے بزرگ خواجہ عزیز الحسن مجذوب جو مجلس میں حاضر تھے انھوں نے میرے خط کے اس شعر کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان کا یہ شعر تو بڑا برمحل تھا جی چاہتا ہے کہ اس کو ضرور لکھا جاوے۔ حضرت رح نے تبسم کے ساتھ سکوت فرمایا۔ کچھ سکوت کے بعد اس شعر کے متعلق فرمایا کہ میاں ہمارے بزرگوں کے سامنے تو نخواہد شد کا احتمال ہی نہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ کام کرتا رہے اس خواہد شد اور نخواہد شد کی فکر ہی میں کیوں پڑا رہے۔

فتویٰ نویسی میں مختصر اور مفصل لکھنے پر حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ارشاد

فرمایا کہ زمانہ طالب علمی میں حضرت مولٰینا محمد یعقوب صاحبؒ اکثر فتاویٰ جواب لکھنے کیلئے مجھے دے دیتے تھے۔ ایک روز ایک فتوے طویل اور مفصل لکھ کر پیش کیا تو فرمایا کہ معلوم ہوا کہ فرصت بہت ہے۔ ہم تو جب جانیں کہ اس وقت اتنا مفصل لکھو جب سوالات کا انبار تمہارے سامنے ہوگا۔ یہ حضرت رح کی پیش گوئی تھی۔ اب جبکہ واقعی ایک انبار سامنے ہوتا ہے تو بعض اوقات جواب صرف ہاں اور نہیں میں لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں

پھر فرمایا کہ مجھے فن فقہ اور فن حدیث سے مناسبت پوری نہیں۔ تفسیر سے بہ نسبت ان کے زیادہ مناسبت ہے اور الحمدللہ ثم الحمدللہ تصوف سے پوری مناسبت ہے۔

مجدد وقت اور قطب ارشاد کی بعض علامات

حاضر الوقت حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمہ جو حضرت کے ہمسبق ساتھی بھی تھے مگر حضرت رحمہ کے کمالات کے پیشِ نظر معتقدانہ حاضر ہوتے تھے اور بعض مرتبہ پورا رمضان مبارک خانقاہ میں گذارتے تھے اس مجلس میں موجود تھے۔ ایک سوال کیا کہ حضرت ہم لوگ آپ کو مجدد وقت سمجھتے ہیں۔ آپ رسمِ تواضع سے کام نہ لیں بلکہ حقیقت تبلا دیجئے کہ ہمارا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں۔ حضرت رحمہ نے فرمایا میں زیادہ تواضع نہیں کیا کرتا (کہ وہ ایک قسم کا تصنع ہو جاتا ہے) اس کا احتمال تو ہے، یقین نہیں۔

پھر فرمایا کہ قطب الارشاد کی علامت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص اس کا معتقد نہ ہو بلکہ اعتراض کرتا ہو وہ خاص فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے۔ مگر حرمان ہوتا ہے خسران نہیں۔ یعنی نجات اس پر منحصر نہیں مگر ترقیات باطنی نہیں ہوتیں۔

حفاظت خداوندی

ارشاد فرمایا کہ تحریکاتِ خلافت میں چونکہ میں نے شرکت نہیں کی۔ عام لوگ مخالف ہوگئے۔ اس زمانہ میں میں نے دیکھا کہ ہمارے بڑے گھر کے سامنے ایک نہ ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ ایک چلا جاتا تو دوسرا آجاتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ انتظام اللہ تعالیٰ نے حفاظت کیلئے فرمادیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے کسی طرح کی معصیت کا صدور نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقتہً کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی ان کے بعض افعال و اقوال کو قرآنِ

کریم میں عصیاں وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرنا محض ان کی صورت کے اعتبار سے ہوا ہے۔ کیونکہ صورۃً وہ افعال معصیت کے ہمرنگ تھے۔ ادرحقیقت سب کی طاعت ہی تھی۔ بعض حاضرین مجلس نے بیان کیا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی بھی یہی تحقیق ہے جو رسالہ قاسم العلوم میں شائع ہوئی ہے۔

ایک عالم ایک عارف

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی جو اکابر علماء میں سے تھے اور تقویٰ میں معروف و مشہور تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے تو تکلیف کے وقت کراہنے کے بجائے اللہ اللہ کہتے تھے۔ مفتی صاحب کے ایک بھائی جو عالم بھی تھے عارف بھی، انھوں نے دیکھا کہ مفتی صاحب تکلف کر کے آہ آہ کے بجائے اللہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ بھائی صاحب آہ آہ کرو جب آرام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان کے بھائی صاحب کو غالباً یہ محسوس ہوا کہ اللہ اللہ تکلف کرنے میں ایک قسم کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اور بیماری میں حق تعالیٰ انسان کو اس کی پستی اور عاجزی مستحضر کرنا پسند فرماتے ہیں۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

قدیم وجدید طلباء مدارس اسلامیہ کا فرق

چودھویں صدی ہجری کے پہلے سال یعنی ۱۳۰۱ھ میں حضرت رحمۃ نے دارالعلوم دیوبند میں علوم متداولہ درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ اسی دارالعلوم میں تقسیم اسناد کا جلسہ ہونا طے پایا اور معلوم ہوا کہ اس جلسہ میں فارغ التحصیل طلباء کو سندیں دی جاویں گی تو دورۂ حدیث سے فارغ

ہوتے والے طلباء جن میں حضرت رح بھی داخل تھے۔ جمع ہو کر حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب رح کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ آتا تو ہے نہیں، ہمیں اگر دارالعلوم سے سند دی گئی تو دارالعلوم کی بدنامی ہوگی۔ اسلئے اگر سند ملتوی فرمائی جائے تو بہتر ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کون کہتا ہے کہ تمھیں کچھ نہیں آتا۔ تم اپنے اساتذہ کے سامنے ہو اس لیے ایسا سمجھتے ہو خدا کی قسم تم لوگ جدھر جاؤگے تم ہی تم ہوگے۔

کرامات وخوارق متأخرین میں زیادہ کیوں ہوئے؟

فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رح سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ صحابہ کرام سے خوارق عادات بہت کم ہوئے اور متأخرین اولیاء اللہ میں ان کی بہت کثرت ہوئی۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا کہ قرب زمانِ نبوت کی وجہ سے عہد صحابہ اور قرنِ اُولیٰ میں قلوب کے اندر دین کی صلاحیت قوی موجود تھی۔ اور شواہد مستحضر تھے اس لیئے ضرورت نہ تھی کہ ان کو عجائب دکھائے جاویں۔ بعد میں جب ایمان میں ضعف بڑھا تو اس کی ضرورت ہوئی۔ خواجہ عزیزالحسن مجذوب جو حاضر مجلس تھے انھوں نے سوال کیا کہ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آج کل کرامات اور خوارق کا ظہور سب سے زیادہ ہو۔ فرمایا کہ حکمتیں ہر وقت کی مختلف ہوتی ہیں۔ آج کل خوارق کی کمی کی کوئی اور حکمت ہوگی۔

بزرگوں کا تذکرہ دیر تک رہنے کے بعد مجلس ختم ہوئی تو خواجہ عزیزالحسن صاحب نے عرض کیا کہ ان حضرات کے ذکر میں بھی عجیب دلکشی ہے۔ فرمایا کہ دلکشی کیا آگ لگ جاتی ہے۔ میرے تو سارے جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی پسینہ آ رہا تھا۔

ایک اہم ہدایت

فرمایا کہ کام کرنے سے راستہ کھلتا ہے۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ پہلے سے راستہ نظر آئے تو آگے قدم رکھے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بڑی سڑک پر جس کے دو طرفہ درخت لگے ہوں اور سیدھی جارہی ہو۔ اگر کھڑے ہو کر دیکھو گے تو کچھ دور کے بعد دونوں طرف کے درخت باہم ملے ہوئے نظر آئیں گے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھے گا راستہ کھلتا نظر آئے گا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ:۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید!
خیرہ یوسف وار می باید دوید

شعبان و رمضان ۱۳۴۹ھ

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا ؎

چون تو یوسف نیستی یعقوب باش ہمچو او در گریہ و آشوب باش

یعنی سالک طریق کو ابن الحال ہونا چاہئیے۔ پیش آنے والے حال کی رعایت اس کے لئے اہم ہے۔

صفاتِ الٰہیہ میں لاعین ولاغیر کی تشریح

حضرات متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نہ عین ذات ہیں نہ غیر۔ حضرت رح نے فرمایا کہ اس میں عین سے مراد اصطلاح منطق کا عین ہے یعنی بالکل عین ذات ہونا اور غیر سے مراد غیر عرفی ہے۔ یعنی بیگانہ و بے تعلق۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کی صفات اس کی عین ذات نہیں ہیں مگر بالکل غیر اور بیگانہ و بے تعلق بھی نہیں ہیں۔

آیت معراج کی ایک تحقیق

شب معراج میں ایک سفر تو زمین پر ہوا، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک دوسرا سفر وہاں سے آسمانوں کی طرف ہوا۔ مگر قرآن کی آیت اسریٰ بعبدہ لیلاً میں صرف پہلے زمینی سفر کا ذکر ہے آسمانی سفر کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آیت میں لیلاً کی قید لگی ہوئی، اور دن اور رات صرف اس زمینی تضاد سے متعلق ہیں۔ آسمانوں میں اس طرح کا دن رات نہیں جو آفتاب کے طلوع و غروب سے متعلق ہو تو لفظ اسراء اور لیل کے مقتضیٰ سے صرف زمینی سفر کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ اور سورۂ نجم میں آسمانی سفر کا ذکر فرمایا۔ عند سدرۃ المنتھیٰ۔

ایک اہم نصیحت فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو یہ فکر رہتی ہے کہ ہم مرجع خلائق بنیں۔ خوب سمجھ لو کہ مرجع بننا کوئی کمال نہیں۔ اصل کمال راجع بننے میں ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع ہونے والا بنے۔ پھر وہ چاہیں کسی کو مرجع بھی بنا دیں یا نہ بنادیں۔ دونوں میں خیر ہی خیر ہے۔ جو حالت پیش آجائے اس پر راضی اور شاکر رہنا چاہیے۔

ایک انگریز مؤرخ نے کہا کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیاء اور تاجروں کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اجمیر شریف فرمایا کہ اجمیر شریف کی حاضری احمد آباد جاتے ہوئے بمعیت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہوئی۔ تو معنوی طور پر شاہانہ دربار معلوم ہوتا تھا۔ ہر در و دیوار انوار سے معمور نظر آتے تھے۔

علماء کا باہمی اختلاف رائے مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے درمیان چند مسائل میں علمی اختلاف تھا۔ بعض لوگوں نے مولانا عبدالحی صاحبؒ کے سامنے مولانا عبدالحق صاحبؒ کا ذکر برائی سے کیا تو مولانا نے ان کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد حضرت شاہ صاحبؒ نے فیوض الحرمین میں فرمایا ہے کہ چند چیزوں میں میری طبیعت کے خلاف مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور فرمایا۔ ایک یہ کہ مجھے طبعی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفضیل مرغوب تھی۔ آپ نے شیخین کو ان پر ترجیح دینے کیلئے مجبور فرمایا۔ دوسرے یہ کہ مجھے تقلید سے طبعاً نفرت تھی۔ آپ نے مذاہب اربعہ سے خروج کو منع فرمایا۔

مخالف سے انتقام یا صبر ہیں عارفین کا ضابطہ

ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ فضل الرحمٰن

صاحبؒ گنج مراد آبادی کے خلیفہ تھے۔ شروع میں کسی نیم مجذوب سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ان کا ایک ملفوظ مجھے یاد رہ گیا۔ فرمایا کہ :۔

"اگر کوئی تمھیں ستائے تو تم نہ انتقام لو اور نہ بالکل صبر کرو۔"

مطلب یہ تھا کہ مکمل صبر کرنے سے بعض اوقات ستانے والے پر منجانب اللہ کوئی عذاب آجاتا ہے اس لئے اس پر نظر شفقت کر کے کچھ معمولی سا عمل انتقامی کر لو۔

حضرت مولانا دیوبندی (شیخ الہندؒ) نے حدیث لَدُود کی تشریح اسی اصول کی بنا پر فرمائی ہے۔ لَدُود اس دوا کو کہتے ہیں جو خاص طریقہ سے مریض کے حلق میں ڈالی جاتی ہے۔ واقعہ حدیث کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ صحابہ کرام میں باہم مشورہ ہوا کہ آپؐ کو لَدُود کیا جائے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔ بعد میں اتفاقاً آپؐ کو غشی ہوگئی۔ صحابہ کرام رضنے یہ خیال کیا کہ آپؐ کا منع فرمانا ایک طبعی امر ہے کہ مریض کو دوا سے کراہت ہوا کرتی ہے کوئی واجب التعمیل حکم نہیں ہے۔ اس لئے غشی کی حالت میں لدُود کر دیا۔ جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو پوچھا کہ کس نے مجھے لدُود کیا تھا۔ اور فرمایا جس جس نے لدُود میں شرکت کی ہے ان سب کو لدُود کیا جائے۔ چنانچہ ایسا کر دیا گیا۔

اس واقعہ میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کرنے والوں سے اپنا انتقام لیا ہے۔ حالانکہ آپؐ کی عام عادت کسی سے اپنے نفس کا انتقام لینے کی نہ تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ اس وقت غالباً انتقام لینا اس مصلحت سے تھا کہ یہ لوگ جن سے یہ مخالفانہ عمل سرزد ہوگیا ہے۔ دنیا یا آخرت کے کسی بڑے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ایک بزرگ راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک مُریدان کے ساتھ تھا۔ ایک کنویں پر گذر ہوا جہاں لوگ پانی بھر رہے تھے ان میں ایک بڑھیا عورت بھی تھی اس لئے ان بزرگوں کو دیکھ کر کچھ ناشایستہ الفاظ

برائی کے کہے۔ ان بزرگ نے مرید سے کہا کہ اس کو مارو۔ مُرید حیرت میں رہا کہ یہ بزرگ کسی سے کبھی انتقام نہیں لیتے اور اس وقت ایک عورت کو مارنے کیلئے فرمارہے ہیں شاید میں ان کی بات کو سمجھا نہیں۔ اس میں کچھ توقف ہوا تو یہ بڑھیا وہیں گر کر مر گئی۔ ان بزرگ نے مرید سے کہا ظالم تو نے اس کا خون کیا جب اس نے وہ کلمات کہے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کا قہر اس کی طرف متوجہ ہوا اس کو اس قہر سے بچانے کا ایک ہی راستہ تھا کہ میں کچھ انتقام لے لوں اس لئے مارنے کو کہا تھا تم نے تاخیر کردی جس کی وجہ سے عذاب نے اس کو پکڑ لیا۔

وقت میں برکت

یہ بات بہت مشہور ہے بلکہ شاہد ہے کہ اللہ والوں کے وقت میں برکت بڑی ہوتی ہے۔ وہ تھوڑے سے وقت میں بہت بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ کی پوری عمر پر انکی لکھی ہوئی تصانیف کو حساب سے تقسیم کیا جائے تو روزانہ سولہ جزء کی تصنیف بنتی ہے جو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرمایا ہے کہ اس کتاب کے تین سو باب ہیں۔ اور ہر باب کے لکھنے پر میں نے شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب الفتوحات پوری مطالعہ کی ہے اور یہ پوری کتاب کئی ہزار صفحات کی ہے تو کتاب الیواقیت کی تصنیف میں پوری فتوحات کا مطالعہ تین سو مرتبہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے تین دن کے اندر تصنیف کی تو گویا روزانہ فتوحات کا مطالعہ دس دفعہ ہوا جس کے صفحات دو ہزار سے کم نہیں۔ اس طرح کے واقعات علماء صلحاء اور بزرگانِ دین کے بہت معروف و مشہور ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت میں اتنی بڑی وسعت کیسے پیدا ہو جاتی ہے جبکہ گھنٹہ ساٹھ منٹ سے کسی کا نہیں بڑھتا اور شب و روز چوبیس گھنٹے سے نہیں بڑھتے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ وقت کا ایک تو طول ہے جس کو سب جانتے ہیں یہ گھنٹے

منٹ اسی طول کا نام ہیں۔ اسی طرح وقت میں ایک عرض (چوڑائی) بھی ہوتی ہے جو عام نظروں کو نظر نہیں آتی۔ یہ بزرگ اس وقت کے عرض میں بڑے بڑے کام کر لیتے ہیں۔

بزرگوں کی بے تکلف مہمانی

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے حکیم معین الدین صاحبؒ نانوتوی کے یہاں ایک روز حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ مہمان ہوئے۔ حکیم صاحبؒ کے گھر میں اس وقت کھانے پکانے کو کچھ نہ تھا، فاقہ تھا۔ حکیم صاحب نے مہمان سے صاف عرض کر دیا کہ ہمارے گھر تو آج فاقہ ہے لیکن بہت لوگ آپ کی دعوت کو کہا کرتے ہیں لیکن میں قبول نہیں کرتا۔ آج اگر آپ کی اجازت ہو تو قبول کر لوں؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نہیں آج میں کسی کی دعوت قبول نہیں کروں گا۔ جب آپ کے گھر میں فاقہ ہے تو ہمارا بھی فاقہ ہی ہوگا۔ مگر شام کو کسی نے حکیم صاحبؒ کو دس روپیہ دے دیئے تو حضرت گنگوہیؒ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب تو پیسے آگئے ذرا تکلف کا کھانا پکاؤں گا۔ دیر لگے گی، ذرا انتظار کیجئے۔

حضرت گنگوہیؒ

فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک بزرگ سے پوچھا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کس مقام پر ہیں تو فرمایا کہ "قطب الارشاد" ہیں۔ اور فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھے میرے ہی بارہ میں پوچھا کہ آپؒ قطب الارشاد ہیں تو میں نے عرض کیا کہ وجود و عدم دونوں کا احتمال ہے اور فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنی تحریرات کے خاتمہ پر لکھا کرتے تھے دعا گوئے عالم۔ یہ اشارہ قطبیت کی طرف ہے کیونکہ قطب عالم ساری مخلوق کا خیر خواہ ہوتا ہے۔

ایک اہم نصیحت

فرمایا دینداری کا سارا مدار کسی بزرگ کے اعتقاد اور انقیاد پر ہے مگر جس کا معتقد ہو اس میں بڑی احتیاط اور تنقید و تحقیق کی ضرورت ہے ورنہ پھر بھی راستہ

گمراہی کا ہو جاتا ہے۔

لوگوں کو تشویش سے بچانے کا اہتمام

ارشاد فرمایا کہ میں سفر میں اپنا سامان خود نہ اٹھاتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ساتھیوں کو اس میں تکلیف ہوتی وہ دوڑتے اور تشویش میں پڑتے۔ میں جب کبھی صبح کو سویرے خانقاہ میں آجاتا ہوں تو جو شخص رات کو سردی میں حفاظت کیلئے سوتا ہے اس کو خود نہیں جگاتا جب تک کہ وہ خود اپنے وقت پر اطمینان کے ساتھ نہ اٹھ جاتا اس وقت تک باہر مسجد میں بیٹھا رہتا۔

ارشاد

فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ جن میں سے ایک جنت میں جائے گا بہتر دوزخ میں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بہتر فرقے مخلد فی النار ہوں گے اور فرقہ ناجیہ کیلئے بھی یہ لازم نہیں کہ دوزخ سے بالکل بری ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ بہتر فرقوں کو عقائد و اعمال دونوں پر عذاب ہوگا اور فرقہ ناجیہ کو حفظِ اعمال پر۔ خلود نار دونوں کیلئے نہیں۔

علوم مکاشفہ کی تحقیق سے مخالفت

ارشاد فرمایا کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ علوم مکاشفہ کی تحقیق و تقریر کے درپے ہرگز نہ ہونا چاہیے کیونکہ بڑے خطرہ کی چیز ہے۔ ریل میں سب سوار ہوتے ہیں مگر انجن کے کل پرزوں کی تحقیق میں کوئی مسافر نہیں لگتا۔

بزرگوں کے ملفوظات یاد کرنے سے زیادہ اپنے اندر استعداد پیدا کرنے کی فکر چاہیے

ایک بزرگ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کبھی ملفوظات کے یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑنا۔ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ تمہاری زبان سے بھی ایسے ہی ملفوظات نکلنے لگیں۔ حضرت رحمۃ نے فرمایا کہ ملفوظات یاد کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نا محرم

کنواں کھودا جائے اور پھر مختلف کنوؤں سے پانی لا کر اس میں جمع کیا جائے ۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اسی کنویں کو اور کھود کر پانی کی سطح تک پہنچا دو کہ خود بخود اس میں سے پانی نکلنے لگے ۔ اس لئے کسی خاص ملفوظ کی تحقیق میں نہ پڑنا چاہیے ۔ ہاں بے ساختہ جو زبان پر آجائے اس کو محفوظ کر لینا اچھا ہے ۔

ایک دیوانے کی ہوشیاری

کسی نے ایک مجذوب دیوانے سے پوچھا کہ عقل کیا چیز ہے تو بتلایا کہ جو خدا کو پاوے پھر پوچھا کہ خدا کیا ہے تو کہا جو عقل میں نہ آوے ۔

ربط حادث بالقدیم اور مسئلہ وحدۃ الوجود

ارشاد فرمایا کہ ربط حادث بالقدیم کا مسئلہ متکلمین اور فلاسفہ سبھی کے نزدیک ایک سخت کٹھن مسئلہ ہے ۔ اس کی پوری حقیقت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی ۔ اس کی اصل وجہ یہ کہ ربط ایک نسبت ہے اور کسی نسبت کا ادراک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کے طرفین یعنی منتسبین کا ادراک نہ ہو ۔ اور یہاں طرفین ایک طرف تو حادث ہے جس کا ادراک انسان کیلئے مشکل مگر دوسری طرف قدیم اور ذات واجب الوجود ہے جس کی حقیقت کا ادراک انسان کیلئے ممکن نہیں ۔

مسئلہ وحدۃ الوجود بھی اسی ربط حادث بالقدیم کا ایک طریق ہے منجملہ اُن پانچ طریقوں کے جو حکماء میں معروف و مشہور ہیں ۔ درحقیقت وحدۃ الوجود کوئی تصوّف کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ مسئلہ کلامیہ ہے ۔ صوفیائے کرام نے ذوقاً اس صورت کو ترجیح دے کر اس سے کام لیا ہے ۔

ایک لطیفہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس یادگار غالب رکھی ہے ۔ اگر آپ کبھی کبھی دیکھیں تو آپ کے پاس رکھ دوں تو فرمایا کہ یہاں مغلوبوں کا ہی کلام دیکھنے سے فرصت نہیں ۔ غالب کا کلام کہاں دیکھیں ۔

بزرگوں کا مقولہ اور بعض نے اس کو حدیث بھی کہا ہے یہ ہے کہ تین شخصوں پر رحم کھاؤ۔ ایک وہ جو کسی قوم میں عزت رکھتا تھا پھر ذلیل ہوگیا۔ دوسرے وہ جو مالدار تھا پھر فقیر و محتاج ہوگیا تیسرے وہ عالم جو جاہلوں کا کھلونا بن جائے۔

مسلک معتدل ارشاد فرمایا کہ محققین کا مسلک یہ ہے کہ اپنے نفس کے عمل میں تنگی برتے۔ اولیٰ اور اعلیٰ کو عمل کیلئے اختیار کرے مگر رائے اور فتویٰ میں وسعت رکھے کہ لوگوں کیلئے مقدور بھر آسانی تلاش کرے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے ماکرھت فدعہ ولا تحرمہ علی احد یعنی جو شئے چیز تمھیں ناپسند ہو تو اپنے عمل میں اس کو چھوڑ دو مگر دوسروں کیلئے اس کو حرام نہ قرار دو۔

قیام میلاد کانپور میں ایک مقام پر حضرت رح نے سیرت طیبہ کا بیان کیا جسمیں کوئی رسمی بدعت وغیرہ بالکل نہ تھی۔ ختم وعظ پر بعض شریر لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ایک آدمی نے کھڑے ہوکر درود وسلام شروع کردیا اور لوگوں کو بھی کھڑا ہونے کو کہا۔ سب لوگ کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ اپنے بعض علماء بھی۔ مگر حضرت رح بیٹھے رہے۔ ایک طالب علم نے عربی میں کہا کہ حضرت اس موقع پر یہ مناسب نہیں۔ مگر حضرت نے جہراً فرمایا کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

پھر فرمایا کہ مضبوطی کی بات یہی ہے کہ آدمی کسی ایسی مجلس میں پھنس جائے تو خود ایسے افعال میں شریک نہ ہو مگر ضعفاء کو شرکت کی بھی اجازت ہے۔

(۲۵ رشعبان ۱۳۴۹ھ)

اولیاء اللہ کی اہانت دین و دنیا کا خطرہ ہے ایک صاحب کو حضرت نے کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف کہی تھی۔ تھانہ بھون سے واپس جاکر خط میں لکھا کہ

آپ نے میری سخت اہانت کی ہے اگر علم کا ادب مانع نہ ہوتا تو میں اس کا انتقام لیتا۔

اس کے بعد پھر اس کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ جس روز سے میں نے وہ کلمات آپ کو لکھے ہیں اسی روز سے میری بینائی گھٹنی شروع ہو گئی اور روز گھٹتی جا رہی ہے۔ خوف ہے کہ اندھا نہ ہو جاؤں۔ خدا کیلئے معاف فرما دیں۔

حضرت رح نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہارا پہلا خیال کہ میں نے تمہاری اہانت کی، یہ بھی محض وہم تھا اور یہ دوسرا خیال کہ مجھے ایسا لکھنے کی وجہ سے بینائی گھٹی۔ یہ بھی وہم ہے مگر میں نے بہرحال معاف کر دیا اور تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔

تعویذ گنڈا خلقِ خدا کو نفع پہنچانے کیلئے اچھا ہے

فرمایا کہ حضرت گنگوہی رح فرماتے تھے کہ بعض مرتبہ تو اس پر افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے تعویذ گنڈے کیوں نہ سیکھ لئے کہ لوگوں کو نفع ہوتا۔

اخلاص عمل فرنگی محل لکھنؤ کے بعض علماء نے بہشتی زیور پر شدید نکتہ چینی اور حضرت رح کے خلاف بہت سے سخت کلمات کہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں حضرت کی کچھ عقیدت پیدا فرما دی۔ تو تھانہ بھون حاضر ہونے کی اجازت خواجہ عزیز الحسن صاحب رح کے ذریعے طلب کی حضرت رح نے اجازت دے دی۔ مگر خواجہ صاحب سے فرمایا کہ یہ حضرات آئے ہیں تو ان کی تعظیم و تکریم اور خاطر تواضع مہمانداری اچھی طرح کروں گا مگر بات چیت ان سے زیادہ نہ کروں گا، کیونکہ اگر یہ کروں تو نیت بہت خراب ہو گی یعنی اپنے کمالات کا اظہار۔ افادہ کی نیت ہونا اسلئے مشکل ہے کہ انکی طرف سے استفادہ کیلئے تیار ہونے کی توقع نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے بے دینی کی نہیں۔ ہاں جو ائمہ مجتہدین پر تبرا کرے تو بے دینی بھی ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے ایک غیر مقلد کو بیعت کیا تھا اور اس کو یہ وصیت کی تھی کہ میلاد فاتحہ پڑھنے والوں کو عموماً کبھی برا نہ کہنا کیونکہ

ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی نیت بھی نیک ہے اور عقیدہ بھی صرف ایک مسئلہ فقہیہ میں اختلاف ہے اور وہ مسئلہ حنفیہ و شافعیہ میں بھی زیر اختلاف ہے وہ یہ کہ جس مستحب اور نیک کام میں بعض منکرات و بدعات شامل ہو جائیں تو اس کے متعلق حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ سرے سے اس مستحب ہی کو ترک کر دیا جائے جس میں عادۃً منکرات شامل ہو جاتے ہیں۔ اور حضرات شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس عمل مستحب کو ترک نہ کیا جائے البتہ منکرات و بدعات کو اس سے خارج کیا جائے۔

اپنے نفس کا محاسبہ ارشاد فرمایا کہ میرے مزاج میں ایک شدت ہے اور گو اس کی کچھ تاویل میں بھی اور میرے احباب بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک کمی ہے۔

نام کا اثر انسان پر فرمایا کہ کانپور میں ایک صاحب تھے جن کا نام کلیم اللہ تھا اکثر بیمار رہتے تھے۔ مجھ سے کہا گیا تو میں نے کہا کہ اپنا نام بدل دو۔ کلیم اللہ کے بجائے سلیم اللہ نام رکھ لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ نام بدلتے ہی وہ اچھے ہو گئے۔

نسبت ولایت صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک خاص کیفیت کے پیدا ہو جانے کو حصول نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ علامت ولی ہونے کی ہوتی ہے اور اس کیفیت کا خلاصہ حضرت رح نے دوام طاعت اور کثرت ذکر کے دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے یعنی صاحبِ نسبت وہ شخص ہوتا ہے جو ہمیشہ احکام شرعیہ کا پابند ہو۔ ہر گناہ سے اجتناب کرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہو۔ اس نسبت کا حاصل کرنا امر اختیاری ہے۔ یا محض وہبی غیر اختیاری ہے۔ اس میں تردد تھا حضرت رح سے احقر نے سوال کیا تو فرمایا۔

"کہ حصول نسبت اصل سے تو وہبی اور غیر اختیاری ہے مگر کسبی اور اختیاری اعمال پر مرتب اور موعود الترتیب ہے یعنی خاص خاص اعمال کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ نسبت کو مرتب فرما دیتے ہیں۔

مدارس عربیہ اور ان کے طلباء کیلئے خاص نصیحت

ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں طلباء پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ و اثر نہ جمتا تھا۔ طلباء کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت و محبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔ اب مزاج و مذاق بدل گئے۔ طلباء و اساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا اس لیے علمی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں بھی پختہ نہیں ہوتے۔ علمی استعداد اور عملی تربیت سبھی کمزور ہو گئیں۔ اس لیئے مدارس میں طلباء کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلباء اساتذہ میں باہم ربط و مناسبت پیدا ہو۔ اور استعداد کی کمی پوری کرنے کیلئے فرمایا کہ میرے نزدیک اس وقت بہت ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں تفسیر جلالین سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ التزام سے پڑھایا جائے۔

فرمایا کہ الحمد للہ مجھے یوں تو اپنے سبھی اساتذہ سے محبت و عقیدت تھی۔ خصوصیت سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے قلب میں خاص محبت تھی اس زمانے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گنگوہ میں دورۂ حدیث ہوتا اور صحاح ستہ کا درس خود حضرت گنگوہی رہ دیتے تھے۔ دیوبند کے اکثر طلباء دورۂ حدیث سے پہلے کی کتابیں دیوبند میں پڑھ کر دورۂ حدیث کیلئے گنگوہ چلے جاتے تھے دیوبند میں کم رہ جاتے تھے۔ مجھے چونکہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے گہری محبت تھی مجھے بے وفائی معلوم ہوئی کہ میں دورۂ حدیث کیلئے ان کو چھوڑ کر کہیں جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حدیث میں بھی مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں سے کم نہیں رکھا۔

حیوٰۃ المسلمین کی خصوصیت

ارشاد فرمایا کہ درحقیقت یہ تو ایک سیاسی رسالہ ہے۔ مسلمانوں کی قومی ترقی اور ہر طرح کی فلاح اس کا اثر ہے مگر مذہبی رنگ میں لکھا گیا ہے اگر مسلمان اس کا اتباع کریں تو مسلمانوں کی اجتماعی قوت و عزت وہ حاصل ہو جائے جو کسی سیاسی تحریک سے

حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور فرمایا کہ ہمارا کام اتنا ہے کہ حق کی اشاعت کر دیں پھر گروہ بنانا اور درپے ہونا نفس کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا ؎

جملہ اوراق کتب درنار کن ٭ سینہ را با نورِ حق گلزار کن

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کتاب دیکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے مگر مجمع پر اثر حیرت انگیز ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس اثر کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو میری دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب اس کے مطابق کام کرنے لگیں۔ یہ بالکل صحیح ہے

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

وعظ و نصیحت کے مؤثر ہوتے ہیں واعظ و ناصح کا خیر خواہ اور دل سے طالب اصلاح ہونا سب سے زیادہ اہم شرط ہے۔

مال اور جاہ کے صحیح منافع ارشاد فرمایا کہ جاہ کا اصل فائدہ دفع مضرت ہے اور مال کا اصلی فائدہ جلب منفعت یعنی مال خرچ کر کے آدمی اپنی ضروریات پوری کر کے نفع حاصل کرے۔ مگر جاہ سے جلب منفعت کا کام لیا گیا تو اس کا حلال ہونا مشکوک ہے کیونکہ بعض اوقات کوئی آدمی دوسرے کے جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر کچھ دے دیتا ہے مگر دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا۔ اسی صورت میں اس جاہ سے حاصل شدہ منفعت حرام ہے۔ مال و جاہ کے معاملہ میں استاذ مرحوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے دو شعر ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں ؎

آفریں تجھ پہ ہمت کوتاہ ٭ طالب مال ہوں نہ طالب جاہ
مال اتنا کہ جس سے ہو خورد و نوش ٭ جاہ اتنا کہ ہوں نہ میں پامال

اکبر شاہ کی غلط کاریاں غلط عقیدے اور عمل بہت معروف ہیں مگر میں نے کسی تاریخ میں دیکھا ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے علماء کو جمع کر

گے سب کے سامنے تو یہ کی ہے اس لیے ان کو بھی حقیر نہ سمجھیں بلکہ سہ
ہیچ کافر را بخواری منگر ید

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہندو بنیئے کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے۔ اس نے کہا کہ میں نے مرنے سے پہلے کلمہ اسلام پڑھ لیا تھا وہ مقبول ہو گیا۔

سرسید بانی علیگڑھ کی نظر میں علماء دیوبند

سرسید کے متعلق فرمایا کہ اس شخص میں مسلمانوں کی قومی ترقی کا جذبہ اور محبت مخلصانہ تھی۔ اپنے مخالفین تک کو بھی نفع پہنچانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ میں نے انکے اخبار تہذیب الاخلاق میں چھپا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھا تھا کہ یہ لوگ فرشتہ خصلت ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کی بھی تعریف کرتے تھے۔

ایک بزرگ عالم ایک مرتبہ علی گڑھ کالج میں گئے لوگوں نے کالج دکھلایا اور سرسید سے بھی ملاقات کرائی۔ وہ فرماتے تھے کہ جب تک میں بیٹھا رہا۔ بزرگوں کا تذکرہ کرتے رہے اسی سلسلہ میں شاہ اسحٰق صاحبؒ کا ذکر کرنے لگے کہ لوگ ان کو شدید اور سخت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف اپنے نفس پر سخت تھے۔ دوسرے لوگوں کیلئے بہت نرم تھے اور میں نے سنا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی بھی ایسے ہی ہیں۔

بچوں کی ذہانت، ایک خاص مثال

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک حکایت سنائی تھی کہ ایک ریاست کے ہندو راجہ کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد میں ایک نابالغ بچہ تھا جو اس کا جانشین ہونا چاہیئے تھا۔ مرنے والے کے بھائی کو طمع ہوئی کہ ریاست مجھے ملنا چاہیئے بچہ اس کو نہیں چلا سکتا۔ وزراء ریاست کی خواہش تھی کہ یہ بچہ ہی اپنے باپ کی ریاست کا وارث بنے۔ معاملہ بادشاہِ وقت عالمگیر کی خدمت میں پیش ہونا تھا۔ وزراء اس بچہ کو لے کر دہلی پہنچے اور تمام راستہ بچے کو محتمل سوالات کے جوابات سکھلاتے رہے

کہ بادشاہ تم سے یہ سوال کریں تو یوں کہنا۔ جب وہ سب اپنی تعلیم ختم کر چکے اور دہلی پہنچے تو بچے نے وزراء سے کہا کہ یہ سوالات و جوابات تو آپ نے مجھے بتلا دیئے اور میں نے یاد کر لیئے لیکن اگر بادشاہ نے ان کے علاوہ کوئی اور سوال کر لیا تو کیا ہو گا، وزراء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ اتنے عقلمند ہیں ورنہ راستہ میں ہم آپ سے کچھ بھی نہ کہتے بس اب ہمیں فکر نہیں جس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے اس کو جواب بھی اللہ ہی سکھلائے گا۔ پھر ہوا یہ کہ جب یہ بادشاہی دربار میں پہنچے تو دربار برخواست ہو چکا تھا۔ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زنانہ مکان میں چلے گئے تھے۔ اس بچہ کے آنے کی اطلاع ملی تو اس کو اندر مکان میں ہی بلا لیا۔ اس وقت عالمگیرؒ گھر کی ایک حوض کے کنارے تہبند باندھے ہوئے نہانے کیلئے تیار تھے۔ یہ بچہ حاضر ہوا تو ہنسی کے طور پر عالمگیرؒ نے بچے کے دونوں بازو پکڑ کر حوض کی طرف اٹھایا اور کہا کہ ڈال دوں۔ بچہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے اس کو نظر تادیب سے دیکھا تو بچہ بولا کہ مجھے ہنسی اس پر آگئی کہ آپؒ کی ذات تو ایسی ہے کہ جس کی ایک انگلی پکڑ لیں اسکو کوئی دریا غرق نہیں کر سکتا، میرے تو دونوں بازو آپ نے تھامے ہوئے ہیں۔ میں کیسے ڈوب سکتا ہوں۔ عالمگیرؒ نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور ریاست اس کے نام لکھ دی۔

غیر مسلم کا اکرام بقدرِ ضرورت

ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے حضرتؒ سے ملاقات کیلئے مجلس میں آنے کی خواہش کی۔ حضرت نے اجازت دے دی اور جب وہ آئے تو خود تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے مگر اہلِ مجلس کو حکم دیا کہ وہ سب بیٹھے رہیں۔ جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ میں تو اس لئے کھڑا ہوا کہ وہ میرے مہمان تھے۔ مہمان کا اکرام مامور بہ ہے۔ آپ حضرات کو کھڑے ہونے سے اس لئے منع کیا کہ آپ کی تعظیم بے ضرورت تھی۔ اس طرح اکرام مہمان کا حق بھی ادا ہو گیا اور کسی غیر مسلم کی تعظیم بے ضرورت بھی نہ ہوئی۔

عوام کا دین و ایمان علمائے سے رابطہ اور اعتقاد پر موقوف ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عامی آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض

صحیح بھی ہو جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں۔ جو بظاہر عصبیت ہے مگر میری نیت درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں ورنہ ان کے دین ایمان کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

غیر مسلم حکام کے ساتھ تعلقات کے متعلق فرمایا کہ ان کی محبت اور دوستی فتنہ باطنہ ہے اور اس کی ناراضی فتنہ ظاہرہ اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں فتنوں سے اللہ کی پناہ لینا سکھایا ہے حدیث میں ہے۔ اللھم انی اعوذبک من الفتن ما ظہر منھا وما بطن۔

غیر محرم عورتوں کی طرف نظر کے متعلق فرمایا کہ یہ اگرچہ اپنی ذات سے ایک صغیرہ گناہ ہے مگر اثرات و نتائج کے اعتبار سے بعض کبائر سے بھی زیادہ سخت ہے اور فرمایا کہ عورتوں کو غیر محرموں سے پردہ نہ رکھنا ایسا عقلی اور بدیہی مسئلہ ہے کہ اگر قرآن و حدیث میں ایک بھی حکم اس کے لیے نہ آتا جب بھی انسانی عقل اور غیرت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رکھا جائے۔ آپ کسی شخص کو نہیں دیکھتے کہ وہ سو سو روپیہ کے نوٹ ریل کے تختہ پر ڈال دیتا ہو، انکو چھپا کر جیب کے اندر رکھنے کا اہتمام ایک فطری امر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ باہر نکالنے اور ڈالنے میں اوباش لوگوں کے اُچک لینے کا خطرہ ہوتا ہے تو کیا عورت کی قیمت سو روپیہ کے نوٹ کے برابر بھی نہیں کہ اس کو اوباش نظروں سے چھپایا جائے!

خطوط میں لکھے ہوئے سلام کا جواب بھی واجب ہے خطوط میں جو سلام کسی کی طرف سے لکھا ہوا آتا ہے اسکا جواب دینا بھی واجب ہے خواہ زبان سے یا قلم سے یا دونوں سے۔ یہی حال زبانی سلام کا ہے کہ اسکا نفس جواب واجب ہے، اور سُنانا مستحب ہے۔ ؏

؏ اس میں غور کیا جائے اگر سلام کرنے والے نے جواب نہ سنا تو جواب نہیں ہوا۔ سنانا ضروری ہے۔ البتہ اگر دور ہو کہ سنانے میں مشقت ہے تو زبان سے جواب دے کر اشارہ منہ سے کر دے کہ وہ سمجھ جائے کہ جواب دیا ہے۔ ۱۲ ش

لفظ صلعم سے درود و سلام کا اختصار ادب کے خلاف ہے

فرمایا کہ حضورؐ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر کسی نے صرف لفظ صلعم قلم سے لکھدیا زبان سے درود سلام نہیں پڑھا تو میرا گمان یہ ہے کہ واجب ادا نہیں ہوگا۔

مجلس میں چند علماء بھی تھے انھوں نے اس سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ آج کل لفظ صلعم پورے درود پر دلالت تامہ کرنے لگا ہے اس لئے کافی معلوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا اس میں شرح صدر نہیں ہوا۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے محسن خلق کے معاملہ میں اختصار کی کوشش اور کاوش ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آپؐ ہمارے معاملہ میں اختصارات سے کام لینے لگیں تو ہم کہاں جائیں۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے سب سے زیادہ ضرورت اختصار کی حضرات محدثین کو تھی جن کی ہر سطر میں تقریباً حضورؐ کا نام مبارک آتا ہے مگر آپ ائمہ حدیث کی کتابوں کا مشاہدہ فرمائیں کہ انھوں نے ہر ہر جگہ نام مبارک کے ساتھ پورا درود وسلام لکھا ہے اختصار کرنا پسند نہیں کیا۔

ایک سید صاحب کی حکایت

ہے کہ ایک مولوی صاحب کے پاس آئے اور اپنے آپ کو سید ظاہر کرکے کچھ سوال کیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپکے سید ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا کہ دلیل تو میرے پاس بجز اپنے بیان کے نہیں۔ مولوی صاحب نے ان کو کچھ نہ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے۔ پیاس شدید ہے اور حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پانی پلا رہے ہیں۔ یہ مولوی صاحب بھی حاضر ہوئے کہ میں بھی آپؐ کا امتی ہوں مجھے بھی حوض کوثر کا پانی عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمھارے امتی ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اس وقت ان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی۔

موئے مبارک

دنیا میں بہت سے مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی زیارت کرائی جاتی ہے اور عام طور سے کسی کے پاس اسکی سند نہیں ہوتی کہ یہ حضورؐ ہی کا موئے مبارک ہے۔ ایسی حالت میں اس

کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح نے فرمایا کہ اتنی بات تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا گرا ہوا پانی اور آپ کے کٹے ہوئے موئے مبارک کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے بلکہ اکرام و تعظیم کیساتھ بطور تبرک رکھتے تھے اور موئے مبارک کا صحابہ کرام میں تقسیم ہونا بھی ثابت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بالوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے اسلئے کثرت سے دنیا میں موجود ہونا مستبعد نہیں۔ اور ایسے معاملات میں کسی سند صحیح سے ثابت ہونا ضرور نہیں کہ معاملہ احکام کا نہیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں اسکے مصنوعی ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو اسکا اکرام ہی کرنا چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسکے متعلق یہ شعر کہا ہے

مرا از زلفِ تو موئے پسند است ہوس را رہ مدہ بوئے پسند است

علمائے حق کا اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص میری کسی کتاب کا رد لکھتا ہے تو جب وہ میرے پاس آتا ہے تو اول نظر میں میرا خیال یہی ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے اس کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی تاکہ اس سے رجوع کرکے تصحیح کروں۔ اسکا جواب دینے کی نیت سے نہیں دیکھتا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث کی انصاف پسندی

مولانا موصوف غیر مقلد تھے مگر منصف مزاج۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خود انکے رسالہ "اشاعۃ السنہ" میں انکا یہ مضمون دیکھا ہے، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"پچیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے"

حضرت گنگوہیؒ نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔

ایک حدیث کی تشریح

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا یقص الا امیر او مامور او مختال۔ یعنی وعظ کہنا تین آدمیوں کا کام ہو سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جو مسلمانوں کا امیر ہو وہ مسلمانوں کو وعظ سنائے۔ دوسرا وہ جسکو امیر نے وعظ کہنے پر مامور کیا ہو۔ اگر یہ دونوں نہیں تو پھر وہ متکبر ہے جو اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھ کر وعظ گوئی کیلئے کھڑا ہوگیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں کوئی امیر یا مامور تو ہے نہیں اور سب کو

مختال ومتکبر بھی نہیں کہا جا سکتا اسلئے میرا خیال یہ ہے کہ جن علماء سے عوام وعظ کو کہتے ہیں وہ منجانب عوام مامور میں داخل ہیں۔ کیونکہ درحقیقت امیر بھی تو عوام ہی کا مامور ہوتا ہے۔

جماعت میں صفوں کی درستی کا اہتمام ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رح امامت کے وقت تسویہ صفوف کا انتظار فرماتے تھے۔ نماز اس وقت شروع کرتے جب معلوم ہو جائے کہ صفیں درست ہو چکی ہیں۔

علم کلام کے تمام مباحث بدرجہ ضرورت ہیں اصل دین نہیں ارشاد فرمایا کہ علم کلام کے بیشتر مسائل بدرجہ منع یعنی طلب دلیل کے ہیں مسائل یا قاعدہ شرعیہ نہیں مثلاً متکلمین جو ترکیب اجسام میں جزء لایتجزی کے قائل ہیں وہ اس کے مدعی نہیں بلکہ مانع ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ جسم کا اجزاء لایتجزی سے مرکب ماننا محال ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن اشعری جو علم کلام کے امام ہیں خود انکی تصریح سے یہ بات ظاہر ہے غالباً شرح عقائد کے حواشی میں یہ حکایت منقول ہے کہ ایک شخص حضرت ابوالحسن اشعری کی شہرت سنکر انکی زیارت کیلئے چلا۔ اتفاق سے راستہ میں ان سے ملاقات ہوگئی وہ اسوقت ایک مناظرہ کیلئے شاہی دربار میں جا رہے تھے۔ اس شخص نے انھیں سے پوچھا کہ شیخ اشعری کہاں ملیں گے۔ انھوں نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو ہم تمھیں ان سے ملا دیں گے۔

شاہی دربار میں پہنچ کر مناظرہ شروع ہوا تو جب سب کی تقریریں ختم ہو چکیں اسوقت حضرت اشعری اٹھے اور ایسے عجیب انداز سے ہر تقریر پر کلام اور شبہات کا جواب دیا کہ سب ساکت ہو گئے مجلس برخاست ہونے کے وقت اس شخص کو اندازہ ہو گیا کہ یہی ابوالحسن اشعری ہیں تو ان سے عرض کیا کہ آپنے خواہ مخواہ اتنی دیر بحثیں ہونے دیں اگر آپ اول ہی یہ تقریر کر دیتے تو کسی کے بولنے کی مجال ہی نہ رہتی۔ اس پر حضرت اشعری رح نے فرمایا کہ جب تک اہل الحاد کی طرف سے شبہات بیان نہیں کئے گئے تو میری اس تقریر کی ضرورت نہ تھی اس وقت میری ایسی گفتگو طریق سلف کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہوتی۔ مگر جب ملحدین کے اعتراضات وشبہات سامنے آگئے تو جواب دینا واجب ہو گیا۔

حضرت رح نے فرمایا کہ بس علم کلام کا یہی درجہ ہے کہ جب اور جہاں اسلام کے خلاف اہل کفر والحاد کی طرف سے شبہات وشکوک پیش کئے جاویں تو اسکا جواب دینا واجب ہے ورنہ ان سے سکوت ہی اسلم ہے جیسا کہ سلف صالحین و تابعین کا طریق تھا۔

اکابر دیوبند کا مسائل اجتہادیہ میں توسع

حضرت رح نے فرمایا کہ جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہوگئی چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ مگر اپنے کسی عیب و صواب کو اپنے بزرگوں سے چھپانا مجھے کبھی پسند نہیں تھا اسلئے یہ واقعہ خط میں حضرت گنگوہی کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے جواب میں حضرت رح نے مجھے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر چند روز ہی گذرے تھے کہ پھر خود بخود دل میں ترک فاتحہ خلف الامام کی ترجیح قائم ہوگئی اور اسکے مطابق عمل کرنے لگا۔ اس کی بھی اطلاع حضرت گنگوہی کو کر دی آپنے اس پر بھی کچھ نہیں فرمایا۔

بعض اوقات بعض لوگوں نے حضرت مولانا سے میری شکایت کی تو مولانا نے میری حمایت فرمائی جسکا منشی یہ تھا کہ حضرت کو یہ معلوم تھا کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں نیک نیتی سے کرتے ہیں۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی کی ایک حکایت

ایک گاؤں والے خان صاحب مولانا کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ زمانہ کھیتی کے کاروبار کا تھا۔ مولانا نے پوچھا کہ ایسے وقت میں آپ کہاں آگئے۔ کہنے لگے کہ کھیتی باڑی کے سب کام خواجہ اجمیری کے سپرد کر کے آگیا ہوں۔ مولانا نے فرمایا آہا ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حضرت خواجہ اجمیری اللہ کے ولی ہیں اب معلوم ہوا کہ وہ پدھان بھی ہیں کہ گاؤں کی کھیتی باڑی کا انتظام اچھا جانتے ہیں ان سے کسی نے میلاد خوانی کے متعلق پوچھا تو فرمایا بہت اچھا کام ہے پڑھنے والے کو مٹھائی کا دُہرا حصہ ملتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ آج کل مسلمانوں کے اجتماعی کام آفتوں اور فتنوں سے خالی نہیں۔ اول تو اجتماع ہی نہیں ہوتا اور ہو بھی تو تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتّٰی کا مظاہر ہوتا ہے اسلئے اب میں تنہا کرنے کا جو کام ہے وہ تو کر لیتا ہوں جو مجمع پر موقوف ہو اسکے درپے نہیں ہوتا۔

ارشاد کسی قوم یا کسی مذہب کے لوگوں پر زیادہ تشدد اور تعدی کرنا، سخت الفاظ کہنا خود کہنے والے

کیلئے مضر ہوتا ہے، مجھے اس کا بہت تجربہ ہوا ہے۔ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی پہلے پکے حنفی اور حنفیوں کے مفتی اور قاضی تھے، اور غیر مقلدوں کو بہت برا کہتے اور سخت سخت الفاظ کہا کرتے تھے، پھر خود غیر مقلد ہو گئے تو مقلدوں کو سخت برا کہنے لگے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ کہتے تھے۔ اسی لیے حضرت گنگوہی ان سے بہت ناراض تھے مگر عدل کی صفت غالب تھی اس لیے جب حضرت گنگوہی کے سامنے کوئی اُن کو برا کہتا تو اُنکی طرف سے تاویل کرتے تھے۔

تفسیر بیان القرآن میں آیتوں پر عنوانات قائم کرنیکا کام سب سے اہم ہے۔

مجلس میں کسی صاحب نے بیان القرآن میں ربط آیات کے اہتمام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ عجیب چیز ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بیشک یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، لیکن میرے نزدیک کوئی زیادہ اہم چیز نہیں۔ کیونکہ ربط آیات کے بیان کی ضرورت ہی زیادہ نہیں، البتہ اس تفسیر میں ایک چیز ایسی ہے جس کو میں نے بڑی مشقت اور محنت سے جمع کیا ہے وہ اب تک کسی دوسری تفسیر میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ وہ یہ کہ مضامین قرآنیہ کی سرخیاں آیات کے شروع میں لگا دی ہیں کہ اہل علم تو اگر قرآن کے حاشیہ پر یہ عنوانات ہی لکھ لیں تو پوری تفسیر کا کام ان سے لے سکتے ہیں۔

مسائل اجتہاد میں بحث و تحقیق کا درجہ

ارشاد فرمایا کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے اُن میں بحث و تحقیق کی زیادہ کاوش طبعاً ناگوار ہے کیونکہ سب کچھ تحقیقات کے بعد بھی انجام یہی رہتا ہے کہ اپنا مذہب صواب محتمل الخطاء اور دوسروں کا مذہب خطا محتمل الصواب ہے۔ کتنی ہی تحقیق کرلو کسی امام مجتہد کے مسلک کو بالکل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اسی لیے میں اس بات سے بہت گریز کرتا ہوں۔ بعض اوقات تو سوالات و شبہات کے جواب میں اسی بات پر قناعت کر لیتا ہوں کہ سائل سے پوچھتا ہوں کہ یہ مسئلہ قطعی ہے یا ظنی ظاہر بات ہے کہ قطعی ہوتا تو محل اجتہاد نہ ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ ظنی ہے تو میں کہہ دیتا

ہوں کہ پھر ظنی ہونے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جانب مخالف کا شبہ اسمیں رہتا ہے، اگر تمہیں شبہ ہے تو ہوا کرے اس سے تو مسئلہ کی ظنیت کی تاکید و تقویت ہوتی ہے، ایسے شبہ سے کچھ حرج نہیں ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب اور اُن کے ایک شاگرد عالم کی حکایت حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی رح جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو راستہ اجمیر کا اس لیے اختیار کیا کہ راستہ میں حضرت خواجہ صاحب کے مزار پر حاضری ہو جاوے گی۔ اجمیر شریف میں حضرت شاہ صاحب کے ایک شاگرد تھے، آپ نے اُن کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو شاگرد صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ یہاں تشریف نہ لائیں کیونکہ میں یہاں زیارت مزارات کے لیے شد رحال اور سفر کر کے جانے کو منع کرتا ہوں، کیونکہ لوگوں نے اس میں غلو بہت کر رکھا ہے، اگر آپ تشریف لائے تو میں یہ کس کس سے کہتا پھرونگا کہ حضرت یہاں مستقل سفر کر کے تشریف نہیں لائے بلکہ سفر حج کے راستہ میں یہاں آنا ہوا ہے حضرت شاہ صاحب رح نے پھر اس کے جواب میں لکھا کہ مجھ سے تو اس پر صبر نہیں ہوتا کہ اجمیر شریف کے راستہ گذروں اور مزار پر حاضری نہ دوں، البتہ آپ کی مصلحت بھی قابل رعایت ہے، اس لیئے اسکی صورت یہ ہے کہ جب میں وہاں حاضر ہوں آپ ایک مجلس وعظ منعقد کریں اور اوسمیں زیارت قبور کے لیے شد رحال اور مستقل سفر کرنے کی مخالفت بیان کریں۔ میں بھی اوسی مجلس میں شریک ہونگا، اور ختم وعظ پر میں اعلان کر دونگا کہ مجھ سے غلطی ہوتی ہے تو بہ کرتا ہوں۔

حضرت رح نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں، حالانکہ یہ کام عاشقوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا (احقر جامع کہتا ہے) کہ استاد شاگرد کی بے تکلفی اور دین کی فکر و اہتمام بھی اس واقعہ میں قابل تقلید ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ایک کتاب بچپن میں نظر سے گذری تھی جو غالباً مفتی سعد اللہ صاحب کی تصنیف تھی، اوسمیں دیکھا کہ امام اعظم رح ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ ملا وہ اس دعا کی برکت سے ملا وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی طَاعَتِکَ میں اسی وقت

سے اس کا التزام کرلیا ہے۔ حفظ قرآن کے طالب علم کو تعویذ کی درخواست پر بھی تلقین فرمائی کہ ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ (۳۰ شعبان ۱۳۴۹ھ)

مسئلہ جبر و قدر پر ایک مختصر جامع نظریہ:۔ ارشاد فرمایا کہ دنیا میں کوئی بھی اختیاری کام دو مشیتوں کے بغیر وقوع میں نہیں آتا۔ ایک مشیت الٰہیہ، دوسری مشیت عبدیہ۔ جن لوگوں نے صرف مشیت قریبہ یعنی مشیت عبدیہ پر نظر کی وہ قدری ہو گئے۔ اور جنہوں نے صرف مشیت بعیدہ یعنی مشیت الٰہی پر نظر کی وہ جبری ہو گئے۔ اور جنہوں نے دونوں مشیتوں پر نظر کی، وہ اہل سنت ہیں۔

ایک آیت کی تفسیر و تحقیق:۔ تعدد ازدواج کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

یعنی اگر تمہیں اس کا خطرہ ہو کہ تم متعدد بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کا معاملہ نہ کر سکو گے، تو ایک ہی عورت سے نکاح کرنا چاہئے۔ دوسرا نکاح کرو گے تو بے انصافی کے گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور پھر آگے ارشاد فرمایا۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ اس میں صراحۃً اس کی نفی کر دی ہے کہ تمہیں دو بیویوں میں عدل و انصاف پر قدرت و استطاعت ہی نہیں۔ ان دونوں کے ملانے سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ عدل پر قدرت نہیں۔ اور جب عدل پر قدرت نہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرنا واجب ہے اس سے لازم آیا کہ ایک سے زائد نکاح کرنا ہی جائز نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ عدل کا مفہوم الگ الگ ہے۔ پہلی آیت میں عدل سے مراد وہ عدل ہے جو انسان کے اختیار میں ہے، یعنی معاملات میں مساوات۔ اور دوسری آیت میں جس عدل کی نفی کی گئی ہے اُس سے مراد غیر اختیاری عدل ہے یعنی قلبی محبت میں دونوں کو برابر رکھنا یہ انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ اور قرینہ اس کا خود آیت میں موجود ہے۔ آگے فرمایا فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ جس سے معلوم ہوا کہ عدم استطاعت عدل میں مراد یہ میلان قلبی ہے کہ میلانِ قلبی کسی کے اختیا

میں نہیں۔ اس لئے پہلی آیت سے صرف اتنی بات ثابت ہوئی کہ جس شخص کو اختیاری عدل و مساوات میں پورا نہ اُترنے کا خطرہ ہو اُس کو ایک سے زائد نکاح ممنوع ہوا اور غیر اختیاری چیزوں میں عدل کا انسان مکلف نہیں۔ واللہ اعلم

ارشاد فرمایا کہ جس درویش کی طرف زیادہ تر دنیا دار لوگوں کا میلان ہو وہ حقیقت میں درویش نہیں ہوتا، خود بھی دنیا دار ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس یعنی ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اگر درویش میں دنیا داری نہ ہوتی تو زیادہ اجتماع دنیا داروں کا نہ ہوتا۔

آداب معاشرت ارشاد فرمایا کہ سلف صالحین میں آداب معاشرت کا بڑا اہتمام تھا جیسا کہ قرآن و سنت میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے افسوس ہے کہ آجکل اس سے غفلت اتنی بڑھ گئی کہ گویا یہ دین کا کوئی جز ہی نہیں عوام تو عوام خواص اور علماء بھی آداب معاشرت میں بہت کوتاہیاں کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مہمان کا اکرام اور خاطر مدارات میزبان پر تو لازم ہیں ہی ساتھ ہی مہمان پر بھی کچھ حقوق ہیں منجملہ اُن کے یہ ہے کہ میزبان جس جگہ بٹھانے وہیں بیٹھ جائے۔ بعض اوقات کسی خاص جگہ بٹھانے میں میزبان کی کوئی خاص مصلحت پردہ وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے۔ اور منجملہ آداب مہمانی کے ایک یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرے جس کا مہیا ہونا مشکل ہو اگرچہ کم ہی درجہ اور آسان چیز ہو۔ کیونکہ بعض اوقات میزبان کو پریشانی ہوتی ہے وہ چیز نہیں ملتی۔

اور فرمایا منجملہ آداب مہمانی کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کھانے میں کسی چیز سے پرہیز ہو تو پہلے ہی اطلاع کر دے عین وقت پر دستر خوان پر بیٹھ کر کہنا بڑی ہی بے تمیزی کی بات ہے۔

قصبہ کرانہ کے دو بزرگ۔ ایک حکیم اور صوفی۔ دوسرے عالم اور مناظر

قصبہ کرانہ ضلع مظفر نگر کے باشندے مولانا رحمۃ اللہ کرانوی رح تو اپنی تصانیف اور پادری فنڈر سے مناظرہ کی بنا پر بہت معروف و مشہور ہیں اُن کے بھائی ایک صوفی

مزاج حکیم حاذق اور اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ حضرت رحؒ نے ان کا نام بھی ذکر فرمایا تھا۔ جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اُن کے حالات بھی عجیب تھے۔ جب کبھی بازار جاتے، تو محلے کی بیواؤں اور بوڑھیوں سے پوچھ کر جاتے کہ کوئی بازار کا کام تو نہیں۔ اور سب کے کام کر کے لاتے تھے۔ ایک مرتبہ گیہوں کی ایک پوٹ باندھ کر خود سر پر رکھ کر لا رہے تھے، لوگ دوڑے کہ اُن سے یہ بوجھ لے لیں۔

اپنے گھر پر جو مریض آتے اُن سے کوئی فیس نہ تھی، جو کسی گاؤں میں لے جاتے تو صرف آٹھ آنے فیس مقرر تھی۔ اور سب مریضوں کے لئے تہجد کی نماز کے بعد صحت کی دعا کیا کرتے تھے، سیدھے سادے بزرگ مگر ذی علم تھے۔ ایک مرتبہ محلہ میں کچھ لوگ شبِ معراج کے متعلق یہ نظم پڑھ رہے تھے کہ: "افلاک پر دُھوم تھی احمد رسول اللہ آتے ہیں" تو سُن کر فرمایا، جھوٹ خدا کی قسم جھوٹ ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ جب جبرئیل امین نے آپؐ کو لے کر آسمان میں داخل ہونا چاہا تو آسمانی دربانوں نے سوال کیا، کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جب انہوں نے نام بتلایا تو دروازے کھولے گئے۔ دھوم ہوتی تو سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

حضرت رحؒ نے ان حکیم صاحب کے بہت سے عجیب و غریب حالات و واقعات سنائے تھے دوسرے بزرگ اُن کے بھائی مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی ہیں، جن کی کتاب عیسائیوں کے رد میں اظہار الحق کے نام سے عربی زبان میں شائع ہوئی، پھر انگریزی عربی وغیرہ دوسری زبانوں میں شائع ہوئی اور حال ہی میں اس کا اُردو ترجمہ اور تحقیقی شرح دار العلوم کراچی کی طرف سے تین جلدوں میں شائع ہوئی اس کے شروع میں مولانا کی سیرت و سوانح کا کچھ حصہ بھی مذکور ہے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی جو ہندوستان کی زمین پر لڑی گئی اور بالآخر انگریز غالب آئے اور ہندوستان کے علماء و مشائخ کچھ انگریزوں کے مظالم کا شکار ہو کر شہید یا قید ہو گئے کچھ روپوش ہو گئے کچھ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ اور پھر انگریزوں نے یہ چاہا اپنے مذہبی پادریوں کے تبلیغی مشن کے ذریعہ یہاں کے مسلمانوں کے قلوب اور ذہنوں سے اسلام کی محبت نکال دیں تاکہ وہ دل سے انگریز کی اطاعت قبول کر سکیں اس کام کیلئے شہر شہر قصبہ قصبہ پادریوں کی ٹولیاں گھومنے لگیں جو اسلام کے خلاف علماء اور

عوام کو چیلنج کرتے تھے اُس وقت کے بقیۃ السلف علماء میں سے چند بزرگ جو گوشۂ گمنامی میں تھے انہوں نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ ان حضرات میں سر فہرست حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کا نام ہے۔ عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری فنڈر سے انہوں نے مناظرہ کیا اور برسر مجلس اُس سے یہ اقرار لکھوا کر چھوڑا کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔

پھر یہی پادری مسلمانوں کے مرکز خلافت قسطنطنیہ پہونچا، اور وہاں چیلنج کیا۔ یہ زمانہ سلطان عبدالعزیز خاں کی حکومت کا تھا، مگر سلطان عبدالحمید خاں سابق خلیفہ بھی موجود تھے، تو سلطان عبدالحمید خاں نے اُس کے جواب کے لئے مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کو دعوت دی۔ اور پھر مولانا نے عیسائی مذہب کی پوری حقیقت کھولنے کیلئے اپنی بینظیر کتاب اظہار الحق تصنیف فرمائی جس کے متعلق عیسائی پادریوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ کتاب شائع ہوتی رہی تو دنیا میں عیسائیت کو فروغ نہیں ہو سکتا۔

انکے تذکرہ میں حضرت نے فرمایا کہ قسطنطنیہ کے بعد[ف] مولانا رحمۃ اللہ صاحب مکہ معظمہ پہونچے، وہاں کچھ قیام ہوا تو دیکھا کہ عرب لوگ ہندیوں کی تلاوت وغیرہ پر ہنستے ہیں۔ حمیت قومی کے تقاضا سے وہاں ایک مدرسہ صولتیہ کے نام سے قائم کیا اور ایک مصری قاری جن کو سلطان عبدالحمید خاں کی آمد کے وقت پانسو قاریوں میں سے انتخاب کیا گیا تھا اُن کو قرأت و تجوید کیلئے مدرس رکھا، اور چند ہندی طلبا اُن کے سپرد کئے، جن کو وہ تجوید و قرأت سکھلائیں۔ ان طلباء میں جو اپنی جگہ قائم رہے اور کامیاب ہوئے، ان میں قاری عبداللہ صاحب ممتاز تھے، اُن کی محنت اور سعادتمندی دیکھ کر مصری قاری نے بڑی توجہ کے ساتھ انکو پورا فن سکھلایا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اُن کے استاد مصری سے پوچھا کہ قاری عبداللہ تمام ہندیوں میں بہتر ہیں تو فرمایا نہیں بلکہ تمام عرب میں بہتر ہیں

[ف] مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ مکہ معظمہ سے قسطنطنیہ بلائے گئے تھے۔ جب سلطانی علماء نے کتاب اظہار الحق دیکھی، تو اُن کو معلوم ہوا کہ اس کا مصنف مکہ معظمہ میں ہے۔ تب سلطان نے بلایا، اور پادری فنڈر مولانا کا آنا معلوم کرتے ہی وہاں سے چلا گیا ۱۲

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں جب مکہ معظمہ دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو خیال ہوا کہ اب کچھ عرصہ یہاں (حاجی صاحب کی خدمت میں) قیام رہے گا، اسوقت تجوید قرآن کی مشق کسی سے کر لوں۔ اتفاقاً ایک روز حضرت حاجی صاحبؒ نے بہت سے علماء اور قراء کی دعوت کی اور دعوت میں سب قراء نے قرآن مجید بھی سنایا۔ مجھے ان سب میں قاری عبداللہ صاحبؒ کی قرائت زیادہ پسند آئی، کیونکہ اس میں تصنع نہ تھا۔ میں نے اُن سے مشق کرنے کی درخواست کی۔ اور کام شروع کر دیا۔ اور بحمداللہ ایسی صورت ہو گئی کہ بالاخانہ پر جب میں قاری صاحب سے مشق کرتا تھا، تو نیچے سننے والوں کو یہ امتیاز مشکل ہوتا تھا کہ میں پڑھ رہا ہوں یا قاری صاحب لیکن قاری صاحب فرماتے تھے کہ ہندوستان کی آب و ہوا کا یہ اثر ہے، مگر یہ کیفیت وہاں پہنچنے کے بعد باقی نہ رہیگی۔ البتہ اگر پاؤ پارہ روزانہ علیحدہ بیٹھ کر اسی طرح تلاوت کرنے کا معمول بنالو تو یہ کیفیت باقی رہ سکے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے اس کا التزام نہ ہو سکا۔ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کے تذکرہ میں حضرت نے فرمایا کہ شروع میں حضرت حاجی صاحب کے معتقد نہ تھے، بلکہ صوفیوں پر مناظرانہ تنقید فرمایا کرتے اور حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ منکرانہ مکالمہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ تو اپنے آپ کو جنید بغدادی سمجھتے ہیں، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ حق ہے کہ میں آپکو کہوں کہ آپ اپنے آپکو بوعلی سینا سمجھتے ہیں، مگر دلیل کسی کے پاس نہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ اصل چیز مدارس دینیہ ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ساری مساجد ڈھا کر مدرسے بنادو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تسبیح گھمانے سے کیا ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ تسبیح سے یہ ہوتا ہے کہ آپ جیسے سینکڑوں میرے قدموں میں آکر گرے کبھی مجھ جیسا بھی آپکے پاس آیا ہے۔ انتہی کلامہ (۵ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ)

حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ابتداء میں مولانا رحمۃ اللہ حضرت حاجی صاحب کے معتقد نہ تھے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں یہ حالات نہیں رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی سُود کے مشابہ ہونیکی وجہ سے مکروہ اور خلاف مروّت ہے،

احقر نے سوال کیا کہ بہت سی کمپنیاں نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کرتی ہیں کہ نقد ایک سَو روپیہ من ہو تو ادھار ایک سَو دس روپیہ من دیتے ہیں۔ یہ بظاہر ایک حیلہ سود کھلانے کا ہے، اس پر ارشاد فرمایا کہ فتویٰ تو جواز ہی کا دینا چاہیئے (قلت کما فی الھدایہ) مگر یہ کہہ دیا جائے کہ تشبہ بالمربا کی وجہ سے مکروہ ہے، دوسرے مروت کے خلاف ہے۔

بزرگوں کی صحبت دنیاداروں کی نظر میں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح نے حکایت نقل فرمائی کہ حکیم ضیاء الدین صاحب جو رامپور کے رئیس تھے، جب وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں تھانہ بھون آنے لگے، تو گاؤں والوں نے اُن کے والد صاحب سے کہا، کہ اجی تمہارے لڑکے کا بڑا افسوس ہے، کہ اچھا خاصا ہو کر بگڑ گیا۔ اجی بُری صحبت کا بُرا ہی اثر ہوتا ہے۔

ایک عالم پر عتاب کے وقت معاملہ میں عدل و اعتدال

۵ رمضان ۱۳۴۹ھ کا واقعہ ہے کہ ایک عالم جو آجکل بڑے مشہور اور مقدس عالم مانے جاتے ہیں۔ اُس وقت حضرت رح کا اُن پر کسی وجہ عتاب تھا، وہ اس زمانہ میں حج کو گئے، واپس آکر تبرکات حج کھجوریں اور زمزم حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ ہدیہ دو جہتیں ہے ایک آپ کا ہدیہ ہونے کی حیثیت سے دوسرے مکہ مدینہ کا تبرک ہو تا دوسری حیثیت سے واپس کرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے بین بین صورت اختیار کرتا ہوں، ایک زمزمی اور چند کھجوریں رکھ کر باقی واپس کر دیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رح

جب ترک سلطنت کر کے گوشہ نشین ہو گئے تو وزراء اور ارکان دولت کا ایک وفد اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ آپ نے سلطنت کیوں ترک فرما دی؟ ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں فرمایا کہ میرے قلب پر ایک فکر محیط ہے اور فکر کی حالت میں سلطنت کے کام انجام دینا مشکل ہیں۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ فرمایئے کیا فکر ہے ہم اس فکر میں آپ کی مدد کرینگے

فرمایا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۔ یعنی آخرت میں انسانوں کا ایک فریق جنت میں اور دوسرا جہنم میں ہوگا۔ اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ پوری مخلوق کو مٹھی میں بھرینگے۔ داہنی مٹھی والے جنت میں اور بائیں مٹھی والے دوزخ میں جائیں گے۔

اب مجھے یہ فکر درپیش ہے کہ میں ان دونوں فریق میں اور دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہونگا۔ اس غم و فکر نے مجھے انتظام سلطنت کے قابل نہیں چھوڑا حقیقت یہی ہے، کہ جب فکر آخرت سوار ہو جائے تو اس کو تعلقات رکھنا مشکل ہو جاتا ہے ؎

خود چہ جائے جنگ و جدال نیک و بد　　کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

شہرت کی طلب بڑا فتنہ ہے

ارشاد فرمایا کہ جامع صغیر میں ایک حدیث مرفوع نظر سے گذری کہ عالم کے لئے یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ وہ اس کی خواہش رکھے کہ لوگ اس کے پاس آکر بیٹھا کریں۔

تربیت سالکین میں ایک عجیب طریقہ

ارشاد فرمایا کہ میں بعض لوگوں سے ناراض تھا اُن کو یہ مشورہ دیا کہ تم کسی اور سے بیعت ہو جاؤ تو میں راضی ہو جاؤنگا۔ بعض لوگوں نے ایسا کر بھی لیا، اور میں واقعی اُن سے راضی ہو گیا۔

حب جاہ مقبولیت عند اللہ سے بہت بڑا مانع ہے

حضرت گنگوہی رحمہ نے ایک شیخ اور مرید کی حکایت سُنائی کہ مرید بہت عبادت و ریاضت کرتا تھا، مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے بہت سے وظائف تبدیل کیئے اور تدبیریں اختیار کیں، لیکن اُس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔ پھر ایک تدبیر کی جو جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی، وہ یہ کام نہ کر سکا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ یہ طالب جاہ تھا، یہی طلب جاہ اُس کے راستہ کا سنگ گراں بنگئی تھی

بزرگانِ دین نے حب جاہ کے علاج کے لئے اپنے نفس کے خلاف بڑے بڑے مجاہدے کیئے ہیں۔ حضرت رحمہ نے فرمایا کہ جاہ کی تحصیل اس قدر کہ لوگوں کے ظلم سے بچ جائے جائز ہے

مگر مقصود دینی نہیں، اور اس درجہ سے زائد ہو تو دین کیلئے مضر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی ہے اللّٰھم اجعلنی فی عینی صغیرًا و فی اعین الناس کبیرا یعنی یا اللہ مجھے میری نظروں میں حقیر اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔ تو یہ دعا طلب جاہ کی دعا ہے مگر حدیث میں صرف دعا پر اکتفا کیا گیا ہے اسکی تحصیل کے لیے کوئی تدبیر نہیں بتلائی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہ دراصل محض خداداد ہوتا ہے۔ تدبیر و سعی سے حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت گنگوہی کی قسم

حضرت رحمہ اللہ نے ایک مکتوب میں بجلف یہ لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں، اس پر بعض علماء کو یہ شبہ ہو گیا کہ یہ حلف کیسے درست ہوا۔ بات یہ ہے کہ حضرت نے کمالات متوقعہ کے اعتبار سے حلف فرمایا، اور ہم آپکو کمالات واقعہ کے اعتبارات بزرگ سمجھتے ہیں۔ مگر حضرت رحمہ اللہ کے سامنے چونکہ کمالات متوقعہ مطلوبہ تھے جن کا درجہ بہت بلند ہے۔ انکے بالمقابل کمالات واقعہ حاصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

لوگوں کے ساتھ معاملات میں درجات کا تفاضل

ارشاد فرمایا کہ میں ایک مدت تک اسمیں مبتلا رہا کہ سب دوستوں کے ساتھ معاملہ میں مساوات کروں، عرصہ تک ایسا کیا بھی مگر اسمیں تکلیف بھی ہوئی، اور پھر یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ایسا کرنا تو سنت کے خلاف ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معاملہ شیخین کے ساتھ تھا وہ دوسروں کے ساتھ نہیں تھا مجلس میں بھی ایسے امور پیش آتے تھے جن سے ان کا امتیاز نمایاں ہوتا تھا۔ اس وقت سے اب میں کاوش نہیں کرتا وقت پر جیسا برتاؤ جس سے کرنے کو جی چاہتا ہے کر لیتا ہوں۔

مدرسہ خانقاہ کے چندہ میں مالداروں سے استغناء

فرمایا ہمارے مدرسہ کیلئے ایک صاحب نے چار ہزار روپے بھیج دیئے، اور یہ شرط لگائی کہ رجسٹرار کے سامنے تصدیق کر دی جائے، میں نے یہ شرط نامنظور کر کے رقم واپس کر دی۔

کسی نا بلد نے اشعار ذیل پڑھے، سباق سباق یاد نہیں رہا۔ مگر اشعار سالکین طریق

کے لئے سبق آموز ہیں ؎

اے بادشہ خوباں داد از غم تنہائی ٭ دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی

اے درد توام درمان بربستر ناکامی ٭ وے یاد توام مونس در گوشۂ تنہائی

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ٭ کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

جماعت دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ کا مقام

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا گنگوہی کا بہت ادب کرتے تھے، اسی طرح علماء دیوبند کا سارا مجمع حضرت گنگوہی کا ادب و تعظیم سب سے زیادہ کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ اگرچہ حضرت گنگوہی کے مرشد زادہ ہونے کی وجہ سے ایک مخدومیت کی حیثیت رکھتے تھے، مگر وہ بھی حضرت کا بہت ادب کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جب کسی مجلس میں جمع ہوتے تھے تو ہر ایک دوسرے کو آگے بڑھانے اور تعظیم و اکرام میں لگا ہوتا تھا۔ اجنبی آدمی کو یہ پہچاننا مشکل ہوتا تھا کہ ان میں بڑا کون ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی سب کتابیں مجھے عطا فرمادیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کتابیں لیکر کیا کرونگا، مجھے تو اپنے سینہ مبارک سے کچھ عطا فرمائیے۔ حضرت میری اس عرض سے بہت محظوظ ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں میرا قیام صرف چھ ماہ رہا حضرت نے اتنے ہی عرصہ کیلئے فرمایا تھا، میں کچھ زیادہ قیام کرتا مگر اس لئے نہ کیا کہ حضرتؒ کی عنایتیں اور شفقت مجھ پر بہت تھیں، جن کا اظہار بھی مختلف مواقعہ میں ہوتا رہتا تھا۔ بعض لوگوں کو حسد ہوتا تھا اور وہ میری شکائیتیں حضرتؒ سے کرتے تھے، مگر حضرتؒ نے کبھی کسی شکایت کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک میں تو یہ جی چاہتا ہے کہ وہی عبادتیں زیادہ کی جائیں جو منصوص ہیں۔ صوفیاء کرام کی مجتہد فیہا عبادات خاص قسم کے ذکر شغل وغیرہ کو جی نہیں چاہتا

ارشاد فرمایا کہ میں نے بہت سے درویشوں سے سنا ہے کہ بزرگوں کے نام کے شجرے

تو لوگوں نے بہت لکھے ہیں، لیکن کوئی شجرہ حضرت حاجی صاحبؒ کے شجرہ سے بہتر نہیں۔ اس میں خاص درد ہے اگرچہ شاعری کے اعتبار سے بلند پایہ نہ ہو۔

الہام کسی بزرگ کا کسی کے حق میں قطعی نہیں ہوتا

یہاں تک کہ جس شخص کو الہام ہو خود اس پر بھی انکا اتباع واجب شرعی نہیں ہے، جس کے خلاف کرنے سے گناہ ہو، البتہ اپنے الہام کی مخالفت کرنے سے بعض اوقات دنیا میں کوئی تکلیف پہونچ جاتی ہے۔

ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لائے، تو ایک بزرگ جو اسی شہر میں رہتے تھے، انہوں نے ارادہ کیا کہ آنے والے بزرگ کی زیارت کیلئے جائیں۔ الہام ہوا کہ مت جاؤ، تو بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ارادہ ہوا تو پھر یہی الہام ہوا کہ مت جاؤ۔ پھر بیٹھ گئے۔ تو تیسری مرتبہ پھر داعیہ پیدا ہوا، اُٹھے تو دو چار قدم چلے تھے کہ ٹھوکر کھا کر گرے اور ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آنے والے بزرگ بدعات میں مبتلا تھے، اُن کے وہاں جانے سے عام مسلمانوں کو ضرر پہونچتا۔ اپنے الہام کی مخالفت سے اس طرح کی تکلیف تو پہونچ جاتی ہے مگر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ یہ حال اجتہادی غلطی کا ہے کہ اُس پر عتاب نہیں ہوتا، مگر دنیا میں بعض اوقات تکلیف پہونچ جاتی ہے۔

مزارات اولیاء سے استفادہ

ارشاد فرمایا کہ قبور اولیاء سے یہ فیض ہوسکتا ہے کہ نسبت قوی ہوجائے تعلیم سلوک کا فیض قبور سے نہیں ہوتا۔ احقر نے سوال کیا کہ مزارات سے استفادہ کی کوئی خاص صورت ہے، تو فرمایا کہ صرف یہ کہ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر صاحب قبر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے، اس سے نسبت کی تقویت ہوتی ہے۔ یہ تقویت نسبت بعض لوگوں کو تو پوری طرح معلوم و محسوس ہوتی ہے، ورنہ کم از کم اتنی بات محسوس ہوتی ہے کہ کوئی نئی کیفیت قلب میں پیدا ہوتی۔ مگر اسمیں زیادہ کاوش نہ کرنا چاہیئے کیونکہ بعض حضرات اکابر کا مقولہ ہے کہ "روباہ زندہ بہ کہ شیر مردہ" یعنی مرے ہوئے شیر سے زندہ لومڑی بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندہ پیر اگرچہ ناقص ہو، کامل شیخ مردہ سے اسکے حق میں زیادہ مفید ہے، کیونکہ وہ تعلیم کرتا ہے، اور تعلیم سے بعض اوقات نسبت قوی پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ مزارات سے حاصل شدہ فیوض وکیفیات پائدار نہیں ہوتیں بمفارقت کے بعد گھٹ جاتی ہیں۔ اور فرمایا کہ مسئلہ سماع موتیٰ میں فقہاء کا اختلاف ہے مگر اہل کشف سماع کے وجود پر متفق ہیں۔

سلب نسبت کی حقیقت

کسی نے سوال کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ بعض مشائخ نے دوسرے کی نسبت سلب کر لی، اسکی حقیقت کیا ہے، تو فرمایا کہ نسبت حقیقیہ تو تعلق مع اللہ کا نام ہے اُس کو کون سلب کر سکتا ہے البتہ ایک نسبت عوام کی اصطلاح ہے اس کو سلب کیا جا سکتا ہے، یہ کیفیت نشاط وانبساط ہوتی ہے جو ذکر اللہ اور عبادت کی کثرت میں معین ہوتی ہے یہ کیفیت نفسانی ہے روحانی نہیں۔ جیسے حزن ونشاط وغیرہ اسکے سلب کرنے سے فی نفسہ تو کوئی ضرر نہیں مگر اس سے سہولت اعمال مسلوب ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص سہولت نہ ہوتے کے باوجود مشقت اُٹھا کر سب کام پورے کرتا رہے تو اسکو کوئی ضرر دیتی نہیں۔ ہاں جو مقاومت نہ کر سکے اور سہولت مسلوب ہو جانے کے بعد اعمال میں کمی کر دے تو یہ دینی ضرر بھی ہے۔ اس لئے ناجائز ہے، ہاں خود سالک کا اپنی ضرورت کیلئے ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ بعض بزرگوں کے واقعات سے ثابت ہے کہ جو شخص ذکر شغل میں لگ کر حقوق العباد کے فریضہ میں کوتاہی کرنے لگا اسکی یہ نسبت انبساط سلب کر لی تو وہ پھر سب حقوق ادا کرنے لگے۔

نسبت ولایت کی تعریف

فرمایا کہ اصطلاح صوفیہ میں جس کو نسبت کہا جاتا ہے وہ اس تعلق مع اللہ کا نام ہے جس کے لوازم میں سے دو چیزیں ہیں، ایک دوام طاعت، دوسرے کثرت ذکر، ذکر کے ساتھ دوام اس لئے نہیں کہ وہ انسان کے بس میں نہیں۔ البتہ طاعت یعنی اطاعت احکام اس پر دوام انسان سے ہو سکتا ہے، اور فرمایا کہ ولی سے معصیت کا صدور ہو سکتا ہے، مگر صدور معصیت کے ساتھ بھی یہ نسبت خاصہ باقی نہیں رہتی، البتہ توجہ کرنے سے پھر عود کر آتی ہے۔

آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا پر شبہ اور جواب فرمایا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ رفع عن امتی الخطاء والنسیان یعنی میری امت سے خطا اور نسیان اٹھائے گئے ہیں یعنی خطا اور نسیان میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ آیت مذکورہ میں خطاء و نسیان پر مؤاخذہ نہ کرنے کی دعا پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق خطاء و نسیان کا گناہ معاف ہو چکا، تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت ہے مولانا رومی نے اس کا یہ جواب دیا ہے، کہ اگرچہ خطاء و نسیان کا گناہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دیا، مگر دراصل وہ فعل مواخذہ ہے، کیونکہ اس سے بچنا ایک حیثیت سے اختیار میں داخل ہے۔ یعنی اس سے بچنے کے اسباب اختیاریہ میں کوتاہی نہ کرے

ایک اہم وصیت ارشاد فرمایا کہ میری یہ وصیت ہے کہ بزرگوں کے نظم و کلام سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ کیونکہ شعر میں اکثر معانی الفاظ میں تابع ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے جو مسئلہ معلوم تھا اس پر اسکو منطبق کر لینا تو درست ہے لیکن اس سے کوئی مستقل مسئلہ نکالنا درست نہیں۔ مولانا رومی رح نے فرمایا ہے:-

معنی اندر شعر جز با خبط نیست　　چوں غلاسنگ ست او را ضبط نیست

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی رح اور انکے بھائی شاہ یعقوب رح کی عادت تھی کہ جو اُن کو کسی سے سفارش کرنے کیلئے کہتا تو فوراً سفارش کر دیتے تھے، اور انکے بھائی شاہ یعقوب کسی کی سفارش نہ کرتے تھے۔ شاہ اسحٰق صاحب پر خلق خدا کی نفع رسانی کا غلبہ تھا۔ اور شاہ یعقوب کہتے تھے کہ سفارش کرنا بیشک مستحب ہے، مگر میں دیکھتا ہوں کہ جس سے سفارش کی جاتی ہے بسا اوقات اس کو تکلیف ہوتی ہے، اور مومن کو تکلیف و ایذا سے بچانا واجب ہے۔ اس لیے میں بمقابلہ واجب مستحب کی فکر نہیں کرتا۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب رح سے ایک صاحب ملنے آئے، اور آپ سے ایک ایسے شخص کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کی جو شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ شاہ صاحب نے فوراً سفارش

لکھدی۔ جب وہ شخص شاہ صاحب کا خط لیکر اُس کے پاس پہونچا تو اُس گستاخ نے اس خط کو موڑ کر ایک بتی سی بنادی، اور کہا کہ لے جاؤ، شاہ صاحب سے کہو کہ اس کو اپنی فلاں جگہ میں رکھ لو (گالی دی)، یہ شخص بھی عجیب تھا، یہ سیدھا شاہ صاحب کے پاس واپس آیا، اور جو الفاظ اُس نے کہے تھے وہ نقل کر دیئے۔ شاہ اسحٰق صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ میرے اس عمل سے تیرا کام ہوجائے گا، تو میں اسمیں بھی تامل نہ کرتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لغو حرکت ہے یہ شخص یہاں سے پھر اُس شخص کے پاس پہونچا اور شاہ صاحبؒ کا قول اُس کو سُنادیا۔ اب تو اس شخص پر وجد طاری ہوگیا، اور فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی مانگ لی اور مرید ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نواب محمود علی صاحب کے پاس ہر سال جاتے تھے اور لوگوں کی سفارشیں ایک بیاض میں لکھتے رہتے تھے۔ جب ملنا ہوتا تو لمبی فہرست سفارشوں کی سُنا دیتے۔ اکثر کو نواب پوری کرتے اور بعض سے عذر کر دیتے۔ مگر یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ ایک مرتبہ نواب صاحبؒ کو یہ کہنا پڑا کہ حضرت آپ اتنی زیادہ سفارشیں نہ لایا کریں۔ مولانا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، مگر پھر مجھے حاضری سے بھی معذور سمجھیں، میری تو حاضری کی وجہ بھی یہ ہے کہ آپ کو لوگوں کے حالات و حاجات کی اطلاع دیدوں۔ اگر اسی سے گرانی ہے تو میں حاضری سے معذور ہوں، البتہ یہ میں نہیں کہتا کہ سب سفارشیں پوری ہی کرو، میرا کام پہونچا دینا ہے آگے آپ کا کام ہے۔

تنبیہ :- احقر جامع کہتا ہے کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، اور اس کے ذریعہ بے وسیلہ لوگوں کی بات بڑوں تک پہونچ جانے کا فائدہ بھی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے سفارش کی جائے اُس کو ایذا نہ پہونچے اس کو اپنے اثر سے سفارش قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بلکہ اپنے قول و عمل سے بتلا دیا جائے کہ سفارش قبول نہ ہوئی تو بھی مجھے کوئی گرانی نہیں ہوگی۔ ایسی سفارش تو مستحب ہے۔ اور جس میں دوسرے شخص کے اختیار کو اپنے اثر و رسوخ سے سلب کیا جائے یہ ناجائز ہے (یہ تشریح بھی حضرتؒ سے ہی سُنی ہوئی ہے)

مہمانداری کا عجیب اُصول حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح مالدار مہمانوں کو معمولی کھانا اور غربا کو عمدہ کھانا کِھلاتے تھے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بھائی مہمان کو ایسا کھانا کِھلانا چاہئیے جو عموماً وہ نہ کھاتا ہو۔

بزرگانِ دین کا حلم و کرم ایک بزرگ کو ایک شخص گالیاں دیا کرتا تھا، اور وہ اُسکے پاس ہدایا بھیجتے تھے، پھر اُس نے گالیاں دینی چھوڑ دیں۔ تو اُنھوں نے بھی ہدایا بھیجنے چھوڑ دیئے اُس نے سبب پوچھا تو فرمایا بھائی یہ تو لین دین کا معاملہ ہے، پہلے تم ایک چیز ہمیں دیتے تھے، اُس کے بدلہ میں ایک چیز ہم تمہیں دیتے تھے، اب تم نے وہ دینی چھوڑ دی، تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کی گوشہ گیری کا سبب! کسی نے اُن سے عرض کیا کہ آپ لوگوں سے کیوں نہیں ملتے، فرمایا کہ میرا مزاج نازک ہے لوگوں کی ذرا سی غلط حرکت سے اذیت ہو جاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ میری اذیت سے اُن پر قہر الٰہی متوجہ ہوتا ہے میں نے ہر چند دُعا کی کہ میری وجہ سے کسی پر شدت و عذاب نہو، مگر قبول نہیں ہوئی، اس لئے میں لوگوں سے علیحدہ رہتا ہوں۔

حکایت:۔ حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رح کے صاحبزادہ مصطفٰے سے یہ حکایت سُنی تھی، کہ ایک بزرگ حلم و بُردباری میں مشہور تھے۔ ایک شخص اُن کا حلم آزمانے کیلئے اُن کے دروازہ پر گیا اور دستک دیکر اُن کو بُلایا، وہ تشریف لائے تو اُس شخص نے کہا کہ آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ مَیں نے سُنا ہے کہ وہ ایسی ایسی حسین ہیں، اور ایک فحش سراپا بیان کر دیا۔

وہ بزرگ یہ سب سنتے رہے، جب ختم کر چکا تو کہا کہ بہتر ہے مگر وہ عاقلہ بالغہ ہیں۔ اپنے معاملہ کی مختار ہیں۔ مَیں اُن سے دریافت کر لوں، وہ چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، یہ کہہ کر گھر کی طرف بڑھے، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اُس شخص کا سر کٹا ہوا پڑا تھا۔ اُنہوں نے دیکھا تو کہا کہ قتلهٗ صبرى، اس کو میرے صبر نے قتل کر دیا۔

اس لئے ایک نیم مجذوب نے یہ نصیحت کی کہ جب تمہیں کوئی بُرا کہے تو نہ انتقام لو اور نہ صبر کرو، مطلب یہ ہے کہ پورا انتقام نہ لو، اور پورا صبر بھی نہ کرو، کچھ کہہ لو تاکہ وہ قہر خداوندی سے بچ جائے۔

شیخ العرب والعجم مولانا دیوبندی

حضرت قدس سرہٗ کی تواضع اور مہمان نوازی کی ایک عجیب حکایت مولوی محمود صاحب رامپوری رحؒ نے سنائی، کہ ایک مرتبہ ہمارا ایک مقدمہ دیوبند میں درپیش تھا، اس کیلئے رامپور سے دیوبند آئے، تو ایک بنیا ہندو بھی ہمارے ساتھ ہولیا۔ اُس کو بھی کوئی ایسا ہی کام دیوبند میں تھا۔ جب شہر میں پہونچے تو بنیہ نے کہا کہ جہاں آپ لوگ ٹھہرو، میرا بھی وہیں رہنے کا انتظام ہوجائے تو اچھا ہے۔ مولوی محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر مہمان ہوئے، بنیہ کو بھی یہیں ٹھہرادیا۔ جب رات کو سب سو گئے تو میں نے دیکھا کہ مولانا شیخ الہندؒ بنیہ کے پاس گئے اور آہستہ آہستہ اُسکے پاؤں دبانا شروع کئے، مَیں نے دیکھا تو عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے، اگر یہی کرنا ہے تو اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں، فرمایا نہیں یہ تو میرا مہمان ہے، اس کا اکرام وخدمت میرے ذمہ ہے۔

چھینک لینا اور اُس کا جواب

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان چھینک لے اور الحمد للہ کہے تو سننے والوں پر مثل سلام کے یرحمک اللہ کہہ کر اُس کا جواب دینا واجب ہے۔ اس لئے اسمیں کلام ہے کہ چھینکنے والے کو الحمد للہ بآواز بلند کہنا بہتر ہے، تاکہ لوگ یرحمک اللہ کہہ کر جواب دیں، تو اُن کو بھی ثواب ملے اس اس کیلئے بھی دعا ہو۔ علامہ شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جس جگہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم نے بآواز بلند الحمد للہ کہا تو اُن کو جواب دینے میں تکلیف ہوگی، ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ بلند آواز سے الحمد للہ نہ کہے۔

باطنی امور میں تفقہ صوفیہ کا حصہ ہے

جس طرح احکام ظاہر میں اجتہاد اور تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح احکام باطنہ میں بھی اس کی ضرورت ہے، احکام ظاہرہ کے ائمہ اجتہاد معروف ائمہ

مجتہدین اور فقہاء ہیں، اور امور باطنہ کے فقہاء صوفیہ ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو مسئلہ احکام ظاہرہ سے متعلق ہو اور اسمیں فقہاء اور صوفیہ کا اختلاف ہو جائے، تو میں فقہا کی تحقیق کو ترجیح دیتا ہوں، لیکن اگر مسئلہ امور باطنہ سے متعلق ہے، تو میں اس میں صوفیہ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، کیونکہ ان امور میں اُن کا تفقہ زیادہ قابل اطمینان ہے (احقر جامع کہتا ہے) کہ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ اور بیشتر ائمہ فقہاء مجتہدین صرف ظاہر ہی کے امام نہیں بلکہ تصوف اور سلوک کے اور امور باطنہ کے بھی امام ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ ارشاد عام علمائے ظاہر کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو امور باطنہ کے ماہر نہیں۔ واللہ اعلم۔

عام حیوانات اور انسان میں فرق کی ایک خاص وجہ

ارشاد فرمایا کہ جتنے حیوانات دنیا میں ہیں ان کے افراد میں قوت و استعداد کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے، بعض دفعہ ایک فرد اتنا قوی ہوتا ہے کہ دو کا کام کرلے، بعض اس سے بھی زیادہ چار چھ یا آٹھ دس فرد کا کام پورا کرے ایک گھوڑا چار گھوڑوں کا کام پورا کرے، یا ایک گدھا چار گدھوں کا بوجھ اٹھائے اسی طرح تمام حیوانات کے افراد میں تفاوت اور تفاضل ہر شخص جانتا ہے۔ مگر یہ تفاوت اور تفاضل نوع انسانی میں تمام انواع سے اتنا زیادہ ہے کہ اسکی کوئی حد نہیں ایک انسان سو آدمیوں کا اور دوسرا ایک انسان ہزار بلکہ لاکھ آدمیوں کا کام اکیلا انجام دے سکتا ہے۔ حدیث میں یہ قصہ معروف ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورے عالم کا موازنہ کیا تو آپ کی ذات سب سے بھاری رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ایک فرد سارے عالم کے برابر یا اس سے بڑھ کر بھی ہو سکتا ہے اسی لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت انسان ایک نوع نہیں بلکہ جنس ہے، اور نوع انسان کے افراد جن کو حکماء افراد کہتے ہیں، درحقیقت افراد نہیں انواع ہیں۔ گویا انسان کا ہر فرد ایک مستقل نوع ہے مگر منحصر فی فرد واحد یعنی ایسی نوع ہے کہ اُس کا فرد صرف ایک ہی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک وصیت

ارشاد فرمایا کہ جب کسی معاملہ میں لوگ تم سے جھگڑا کریں، تو تم رطب و یابس سب اُس کے حوالہ کر کے خود علیحدہ ہو جاؤ۔ اور اسکی ایک مثال حضرت حاجی صاحبؒ نے بیان فرمائی کہ ایک شخص نے نئی شادی کی تھی۔ داڑھی میں کچھ بال سفید آ گئے تھے، حجام کے پاس جا کر کہا کہ داڑھی میں سے سفید بال چھانٹ کر کاٹ دو۔ حجام نے پوری داڑھی مونڈ کر سامنے رکھ دی کہ آپ خود چھانٹ لیں، مجھے اتنی فرصت نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرا عمر بھر کا یہی معمول ہے۔ کچھ مدت ہوئی کہ میں قصبہ کی جامع مسجد میں ہفتہ وار وعظ کہا کرتا تھا۔ جس میں شادی غمی کی مروّجہ رسموں کی اصلاح پر زیادہ زور دیا، لوگوں میں کچھ خلاف کا چرچا ہوا، میرے کانوں تک بھی الفاظ پہنچے، میں نے رمضان مبارک کے آخری جمعہ کے وعظ میں اختتام پر لوگوں کو ٹھہرا کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں محض آپ لوگوں کے نفع کیلئے ہوتا ہے۔ دینی نفع تو معاصی سے بچنا اور دنیوی نفع اسراف سے اور اس سے پیدا ہونے والی مصائب سے بچانا ہے۔ اور وعظ کہنا میرا کوئی پیشہ نہیں۔ اگر آپ لوگ اپنے نفع کو نہیں چاہتے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ وعظ آخری ہے، اس کے بعد کسی کو انشاء اللہ تعالیٰ میری طرف سے ناگواری نہ آئے گی بہت سے رونے لگے اور پاؤں میں پڑنے لگے کہ ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔ کچھ بیوقوف لوگوں نے کوئی بات کہی تو ہم پر اس کی سزا کیوں جاری ہو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بے شک آپکا قصور نہیں، آپ اپنے گھر بلا کر وعظ کہلوائیے میں کہوں گا۔ چنانچہ بستی میں گھر گھر بہت وعظ ہوئے، اور گھروں کے اندر یہ وعظ زیادہ مفید ثابت ہوئے، کیونکہ ان رسوم کی پابندی کا بڑا سبب عام طور پر عورتیں ہوتی ہیں، گھروں میں یہ وعظ زیادہ تر عورتوں نے سُنے، اور میرا اصل مقصد حاصل ہو گیا۔ اور فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ بستی کے لوگ خلاف نہیں کرتے، اس لئے اب تھانہ بھون میں رسوم قریب قریب معدوم ہو گئیں۔

حضرتؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی وصیت اور اپنے مذکورۃ الصدر معمول پر ایک حدیث سے بھی استدلال فرمایا جو جامع صغیر میں رزین سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔ کہ:-

نعم الرجل الفقیہ ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ۔ بہت اچھا وہ مرد فقیہہ ہے کہ اگر لوگ اسکی ضرورت محسوس کریں تو ان کو نفع پہنچائے، اور اگر لوگ اس سے استغناء برتیں تو یہ بھی ان سے استغناء کا معاملہ کرے

اور فرمایا کہ اسی لئے میں نے آجکل دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے بھی استعفاء دے دیا ہے۔ مجھے جھگڑوں اور سوال و جواب میں پڑنے کی کہاں فرصت ہے اپنے بزرگوں کی طفیل سے میرا تو یہ مسلک ہے ؎

خود چہ جای جنگ و جدل نیک و بد کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

ارشاد فرمایا کہ فقہ میں بطور جریان عادت اب اجتہاد ختم ہوگیا، اور ضرورت بھی باقی نہیں رہی، لیکن طب اور معالجات جسمانی ہوں یا روحانی، دونوں میں اجتہاد کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جو مجتہد نہ ہو اُس کو علاج بھی نہ کرنا چاہیئے۔

ایک آیت کی تفسیر اور شبہ کا ازالہ

آیت اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اسمیں دو چیزیں ہیں ایک ہدایت دوسرے فلاح کو بطور جزاء کے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ اُن سے پہلے ایمان بالغیب اور ایمان بالرسل کے اوصاف مذکور ہیں۔ اس ایمان کی جزا کے طور پر اس میں ہدایت و فلاح کو بیان فرمایا گیا ہے! اسمیں فلاح کا جزائے عمل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کہ فلاح کے معنی کامیابی اور مراد پوری ہوتے کے ہیں، لیکن ہدایت تو راستہ دکھانے کو کہا جاتا ہے، کسی چیز کا راستہ دیکھ لینا تو مقصد ہے، اور نہ وہ جزائے عمل میں ہو سکتا ہے، اس شبہ کے ازالہ کیلئے فرمایا کہ ایک واقعہ نے جو میرے ساتھ پیش آیا اس شبہ کا جواب بہت واضح کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک صاحب میرٹھ جانے والی گاڑی میں سوار ہونا چاہتے تھے، اور غلطی سے رڑکی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ گاڑی چلنے کے بعد احساس ہوا، میں بھی رڑکی اسی گاڑی سے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ سخت بے چین ہیں، اور میں اپنی جگہ مطمئن بیٹھا ہوں میں اوسکو تسلی بھی دینا چاہتا ہوں تو وہ التفات نہیں کرتا۔ جوں جوں گاڑی چلتی رہی اوسکی پریشانی بڑھتی رہی۔ اوسوقت اندازہ ہوا کہ کسی شخص کو اس کا علم یقینی ہو جاتا کہ میں منزل مقصود

کی طرف صحیح راستہ پر چل رہا ہوں، خود ایک بہت بڑی نعمت و راحت ہے، اس لئے وہ جزائے عمل بھی کہلا سکتی ہے۔ اس آیت نے ایمان والوں کو اطمینان دلا دیا کہ تم صحیح راستہ پر چل رہے ہو، اس لئے بے فکر رہو۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔

اہل باطل کے کلام کا مطالعہ سخت مضر ہے

فرمایا کہ اہل باطل کے اقوال و افعال اور حالات میں گفتگو یا اس پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ قلب کے لئے سخت مضر ہے، بضرورت مناظرہ کبھی دیکھنا پڑے تو بھی ضرورت سے تجاوز نہ ہونا چاہیئے۔

ارشاد فرمایا کہ حدیث لا تجعلوا بیوتکم قبورًا یعنی اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اس کا یہ مفہوم تو مشہور ہے کہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے خالی رہنے کو قبر بنانے سے تعبیر کر کے اسکی خرابی کا بیان ہے مگر اسکی ایک تشریح بعض نے یہ بھی کی ہے کہ اپنے گھروں کے اندر قبریں نہ بناؤ کہ گھروں سے قبرستان کا کام لینے لگو۔

وقف کے مسئلہ میں ایک فقہی اشکال اور جواب

احقر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ نقد آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں۔ اس میں ایک زمانے تک مجھے بہت تردد رہا، کیونکہ نقود سے انتفاع بغیر انکے استہلاک کے نہیں ہوتا۔ اور وقف کیلئے تابید اور بقاء عین شرط ہے۔ اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی تو اس سے لازم آیا کہ یہ واقف کی ملک ہو۔ اور واقف مر جاتے تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو۔ مگر فتاویٰ عالمگیری کی ایک عبارت نے یہ مسئلہ الحمد للہ حل کر دیا۔

(عالمگیری طبع مصطفائی کتاب الوقف جلد ۳ ص ۴۴۲ باب الحادی عشر فصل ثانی میں یہ عبارت مذکور ہے)

ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً فیجوز تصحیحہا کالمسجد ھبۃ علی المسجد	اگرچہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے مگر اسکو اس حیثیت سے صحیح کہا جا سکتا ہے

حضرت نے فرمایا کہ میرے نزدیک ملک مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی جو وقف

اور ہبہ کے بین بین اس کو مالک مسجد سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ فللہ الحمد۔ بہرحال اس عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ یہ اوقاف کی نقدر قوم ہلاک و اقف سے نکل گئی ہے، ورنہ انکا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔

ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں سے کام اس لئے زیادہ نہیں لیتا کہ مجھ میں احسان ماننے کا مادہ بہت زیادہ ہے، جس سے ذرا سا کام لیتا ہوں پھر ہر معاملہ میں اسکی رعایت مدنظر ہوتی ہے، اور یہ رعایت اُس شخص کیلئے مضر ہوتی ہے۔ البتہ جس سے بے تکلفی ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس!

فرمایا کہ مولانا بڑے جامع علوم اور جامع کمالات تھے، ہر فن کے ماہر تھے۔ کھانا پکانے کپڑا بیونتنے اور سینے کا عجیب ملکہ تھا۔ موسیقی کے فن کو پورا جانتے تھے۔ مولانا کے ملفوظات عجیب حکیمانہ تھے۔ حضرت کے جتنے ملفوظات مجھے یاد ہیں شاید اور کسی کو نہیں ہونگے۔ وجہ یہ ہے کہ مجھے مولانا سے محبت و عقیدت بھی سب سے زیادہ تھی، اور میری حاضری کے وقت مولانا کا دل افادہ کیلئے کھل جاتا تھا۔

"فرمایا کہ وفادار ناقص اچھا ہے، بے وفا کامل سے"!

فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی سے چھپنا چاہے مثلاً مظلوم ہو ظالم سے بھاگے تو چاہیئے کہ کسی قریب ہی جگہ پر چھپے، کیونکہ دیکھنے والے عموماً قریب نہیں دیکھتے، اور اسکی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غار ثور میں چھپنا ہے۔

فرمایا راز کو پوشیدہ کرکے کہنے کا طریقہ تو سب جانتے ہیں۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجمع عام میں باتوں کے درمیان رلا ملا کر راز کی بات کہدے تو کسی کو التفات بھی اُس طرف نہ ہوگا، اور جس کو سمجھانا ہے وہ سمجھ جائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں بزرگوں کا اجتماع ایک مستقل نعمت و دولت تھی، جس کے فقدان کے لازمی اثرات آجکل محسوس ہو رہے ہیں ورنہ مدرسہ تو بظاہر ترقی پر ہے، آمد و خرچ اور تعمیری ترقی کے علاوہ اہل علم کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی ہے مگر اہل باطن بزرگوں کی کمی ہے اور سچی بات یہ ہے

کہ علوم میں تجربھی جبھی مفید ہوتا ہے کہ جب باطنی حالات اور اخلاق و اعمال درست ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی ملحد نے کہا کہ آپ کا عقیدہ ہے، کہ کوئی آدمی اپنے وقت مقرر سے پہلے مرتا نہیں، فرمایا کہ ہاں! کہنے لگا تو اچھا آپ ایک بلند عمارت پر چڑھ کر نیچے کود یں۔ فرمایا کہ بلا شبہ مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنے سے اگر میری موت کا وقت نہیں ہے تو موت نہیں آئے گی لیکن ایسا کرنا گویا امتحان لینا ہے تقدیر الہٰی کا جو بڑی گستاخی ہے، اس لئے میں ایسا نہیں کرسکتا۔

زندگی مکہ کی اور موت مدینہ کی حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ زندگی تو مکہ مکرمہ کی بہتر ہے (یعنی ایک کے ایک لاکھ بنتے ہیں) اور موت مدینہ میں بہتر ہے کہ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا اور شفاعت کی قوی امید ہونا اس کا لازمی اثر ہے۔ اور احادیث مختلفہ کو جمع کرنے کی بھی بہتر صورت یہی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ آزادی مطلقاً محمود نہیں، بلکہ اگر شر سے آزادی ملے تو خیر ہے، اور اگر خیر سے آزادی ہے تو شر ہے۔ اور ایک شر سے آزادی بھی اوسوقت خیر سمجھی جائے گی، جبکہ اس سے زیادہ شر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

صُلحاء کے اجتماع کی برکات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ ہماری بزرگی کی مثال ایسی ہے جیسے رڑکی گدام کے کاریگروں کی کاریگری

رڑکی گدام کے نام سے ایک قدیم کارخانہ (ریل) مشینی پُرزے بنانے کا انگریزوں نے بنایا تھا۔ اسمیں مشینیں فٹ تھیں۔ ہر کاریگر اپنی اپنی مشین پر کام کرتا تھا۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جیسے یہ کاریگر جب اس کارخانہ سے باہر ہوں تو انکی کوئی کاریگری نہیں چل سکتی، کیونکہ وہ مشینوں پر موقوف ہے، اور وہ باہر ہیں نہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ دارالعلوم میں بہت سے علماء و صلحاء کا مجمع ہے جس کی برکت سے سب متأثر ہو کر اُن میں نیک کاموں کی طرف رغبت اور بُرے کاموں سے نفرت قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہے اس مجمعے سے باہر نکل کر وہ کیفیت باقی رہنا آسان نہیں۔

(احقر جامع کہتا ہے) کہ یہ بہت ہی اہم ارشاد ہے، کیونکہ انسان کی خوبی اور خرابی سب اس کے ماحول اور گردوپیش سے آتی ہے، جس کا ماحول نیک ہو اُس کا نیک ہونا فطری امر ہے اسی طرح جس کا ماحول خراب ہو، اُس کا خراب ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ کم از کم اپنے گھر کے ماحول کو دینی بنانے پر پوری توجہ دے، آیت قرآن یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ تم خود بھی آگ سے بچو، اور اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔

بخل اور اسراف

فرمایا کہ لوگ بخل کو اسراف سے زیادہ بُرا سمجھتے ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ اسراف زیادہ بُرا ہے، اس لئے کہ اسراف کے نتائج بہ نسبت بخل کے بہت زیادہ ہیں، دینی بھی اور دنیوی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کسی بخیل کو مرتد ہوتے نہیں دیکھا، اور بہت سے اسراف کرکے فقیر ہوتے والوں کو مرتد ہوتے دیکھا ہے۔

ایک واعظ کی دلیری

ایک واعظ کی مجلس میں امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ شریک تھے۔ واعظ نے بہت سی احادیث غلط سلط امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے بیان کیں، یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے رہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب وعظ ختم ہوا تو امام احمد بن حنبلؒ آگے بڑھے اور واعظ سے پوچھا کہ آپ احمد بن حنبل کو جانتے ہیں؟ تو کہا ہاں جانتا ہوں، پھر فرمایا کہ مجھے بھی جانتے ہو؟ کہا نہیں امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں تو احمد بن حنبل ہوں۔ واعظ نے بڑی دلیری سے کہا کہ خوب کہا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ احمد بن حنبل ایک آپ ہی ہیں، معلوم نہیں کتنے آپ جیسے احمد بن حنبل دنیا میں موجود ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور امام رازی

حضرت مولانا نے تفسیر کبیر امام رازی کا کوئی مقام بضرورت دیکھنے کیلئے اپنے احباب میں کسی کو مامور فرمایا، انھوں نے وہ مقام حضرت کو سنایا تو فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ امام رازی بہت ذہین ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا ذہن طول وعرض میں تو چلتا ہے، عمق اور گہرائی میں نہیں چلتا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر زمانے

کی ضرورت کے مطابق رجال کار پیدا فرمائے ہیں، دوسرے وقت میں وہ بیکار ہونے لگیں، تو وہ بیکار نہیں ہوتے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ!

یہ دونوں حضرات حضرت نظام الاولیاءؒ کے مزار پر اکثر حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو یہ خیال ہُوا کہ میں تو یہاں کثرت سے حاضر ہوتا ہوں، معلوم نہیں کہ حضرت نظام الاولیاءؒ کو ہمارے آنے کی خبر بھی ہوتی ہے، اس کے بعد ایک روز مزار پر تشریف لے گئے اور مزار کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت سلطان الاولیاء کی روحانیت کو متشکل موجود دیکھا کہ وہ شعر نظامی کا پڑھ رہے ہیں ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن   من آیم بجان گر تو آئی بہ تن!

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ موصوف میرزاہد کے شاگرد تھے، زمانہ تعلیم میں ایک روز شیخ سعدیؒ کا ایک قطعہ پڑھتے ہوئے جا رہے تھے، مگر تین مصرعے یاد تھے چوتھا یاد نہ آتا تھا کہ یکایک ایک بزرگ صورت آدمی سامنے آئے اور اُن کا بھولا ہُوا مصرعہ پڑھ دیا۔ وہ یہ تھا: (علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت ست) اور آگے چل دیئے۔ شاہ صاحبؒ نے دوڑ کر اُن کا ہاتھ پکڑا اور پوچھا، آپ کا اسم شریف؟ تو فرمایا مصلح الدین شیرازی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر مراقب تھے، کہ حضرت الاولیاء کی روحانیت متشکل ہو کر سامنے آئی۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ سماع کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ آپ شعر کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں؟ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ کلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح۔ یعنی شعر ایک کلام ہے، جو کلام اچھا ہے وہ اچھا ہی ہے، اور جو بُرا ہے وہ بُرا ہے۔ پھر فرمایا کہ خوش آوازی کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یزید فی الخلق ما یشاء کی تفسیر بعض حضرات نے صوت حسن (آواز خوش) سے کی ہے، پھر فرمایا اگر یہ دونوں جمع ہو جائیں، شاہ صاحب نے عرض کیا کہ نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء۔ حضرت نظام الاولیاء نے فرمایا کہ بس سماع کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں

(احقر جامع کہتا ہے) کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نظام الاولیاء قدس سرہ سے جو سماع ثابت ہے اُس میں مزامیر نہ تھے، صرف خوش آوازی سے اشعار پڑھنا تھے۔

کرامت مؤثر فی القرب نہیں

ارشاد فرمایا کہ محققین کے نزدیک کرامت کا درجہ ذکر لسانی سے بھی کم ہے، کیونکہ ذکر لسانی سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا ہے، اور کرامت سے قرب میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

ذکر قلبی

ارشاد فرمایا کہ ذکر قلبی کی حقیقت سے قلب کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا اور دل کا دھڑکنا جس کو اکثر لوگ قلب کا جاری ہونا سمجھتے ہیں، وہ محض خفقان ہے حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے کسی نے کہا کہ میرا قلب جاری ہوگیا ہے، تو فرمایا ہاں، بھائی ہوگیا ہوگا۔ جب چلا گیا تو فرمایا کہ اُس کو خفقان ہوگیا ہے۔ یہ اس کو ذکر قلبی سمجھتا ہے (احقر جامع کہتا ہے) کہ احقر نے حضرت سے کسی دوسری مجلس میں ذکر قلبی کی ایک قسم الفاظ متخیلہ سے بھی سنی ہے، یعنی تخیل میں کوئی اللہ کا نام اُس کے الفاظ کے ساتھ ادا کرے بغیر زبان کی حرکت کے)

نیند سے انبیاء علیہم السلام کا وضو نہیں ٹوٹتا

یہ مسئلہ تو معروف و مسلّم ہے فرمایا کہ اسکی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نیند مکمل غفلت کی نیند نہیں ہوتی، بلکہ ایسی ہوتی ہے جیسی ہماری نُعاس (اونگھ) جسمیں غفلت تامہ نہیں ہوتی۔ اور ارشاد فرمایا کہ اس تقریر سے لیلۃ التعریس والی حدیث پر جو اشکال ہے، وہ بھی رفع ہوجاتا ہے۔ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں آپکی آنکھ صبح کے وقت میں نہ کھلی بلکہ آفتاب چڑھنے کے بعد کھلی، اس پر یہ اشکال معروف ہے کہ حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ میری آنکھ سوتی ہے قلب نہیں سوتا جب قلب بیدار تھا تو نماز قضا ہوجانے کی نوبت کیونکر آئی۔ اس تقریر پر جواب یہ ہے کہ اونگھ میں اگرچہ مکمل غفلت نہیں ہوتی مگر وقت کا اندازہ نہیں رہتا۔ پھر فرمایا کہ اس تقریر سے شبہات تو اچھی طرح حل ہوجاتے ہیں، مگر میں نے یہ تقریر کہیں نہیں دیکھی، اس لئے اگر قواعد کے موافق ہو تو قبول کیا جائے ورنہ رد کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر اپنی سمجھ میں کوئی بات ایسی آبھی جائے جو کہ حضرات متقدمین سے منقول نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے تلاش کر کے متقدمین بزرگوں میں کسی کا قول ایسا مل جائے، تو انکی طرف نسبت کی جاتے۔ بیان القرآن میں اس کی میں نے بہت کوشش کی ہے۔

ورع و تقویٰ میں نفس کا کوئی حظ نہیں اور عبادات میں کچھ حظِ نفس بھی ہے!

ارشاد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ انسان پر عبادات اتنی شاق نہیں ہوتیں جتنا تقویٰ یعنی محرمات و مکروہات سے بچنا۔ وجہ یہ ہے کہ عبادات وجودی چیزیں ہیں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں، خود بھی آدمی ایک کام کرتا ہوا اپنے آپ کو پاتا ہے اس سے حظ نفس ہوتا ہے بخلاف ورع اور تقویٰ کے کہ وہ ایک عدمی چیز ہے۔ محرمات و مکروہات کے ترک کرنے کا نام تقویٰ ہے، اس میں نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے نہ کسی کو کوئی کام نظر آتا ہے۔

(یکم محرم ۱۳۹۲ھ سہ شنبہ)

ارشاد فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ فقہاء کا مقام سب سے بڑا ہے، کیونکہ وہ معانی کے خواص کو پہچانتے ہیں بخلاف حکماء کے کہ انکی نظر صرف اجسام کے خواص پر محصور ہے۔

ایک لطیفہ! حضرت شریح کا قول ہے کہ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آئے تو جوانوں سے طلب کرو، وہ دیر نہ لگائیں گے، بوڑھوں سے مانگو گے تو ٹلا دینگے اور دیر لگا دینگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو کہ جب انکے بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگی تو یوسف علیہ السلام نے فوراً کہہ دیا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اور جب والد یعقوب علیہ السلام سے معافی طلب کی تو انہوں نے فرمایا سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي۔

حضرت ؒ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تجربہ سے ثابت کی جائے تو مضائقہ نہیں، مگر قرآن سے اس پر استدلال کرنا مخدوش ہے، کیونکہ تفسیر درِ منثور میں حدیث مرفوع میں بیان کیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے جو دعائے مغفرت کو مؤخر کرنے کیلئے فرمایا اس کا مقصد ٹلانا یا دیر لگانا نہیں تھا

بلکہ آخر شب کے وقت تک اس لئے مؤخر کرنا تھا کہ وہ وقت دعا کی قبولیت کیلئے افضل اور ارجیٰ للقبول ہے۔

نیک فال اور بدفالی مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ از روئے احادیث معتبرہ کسی چیز سے نیک فال لینا تو جائز و درست ہے مگر بدفالی لینا درست نہیں۔ وجہ فرق کی یہ ہے کہ نیک فال کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اپنا مقصد پورا ہونے کی رجاء وامید قوی ہو جائے گی، اور بندہ ہی اس کا مامور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دعا اور تمنا کی قبولیت کی امید رکھے نیک فال اس رجاء کی تقویت ہوگئی، اس لئے اسمیں کوئی محذور شرعی نہیں۔ بخلاف بدفالی کے کہ اس کا حاصل اللہ کی طرف سے مایوسی اور قطع رجاء ہے۔ اللہ سے رجاء کا قطع کرنا حرام ہے جو چیز اس کا سبب ہے، وہ بھی ناجائز ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک شر کیلئے کوئی دلیل نہ ہو حسن ظن مأمور بہ اور بدگمانی ممنوع ہے۔ غرض حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، عدم الدلیل علی خلافہ کافی ہے اور بدگمانی بغیر دلیل کے جائز نہیں۔ واقعہ افک میں قرآن کریم کا ارشاد اس پر شاہد ہے، فَلَوْلَا اِذْ جَاءُوْهُمْ الآیۃ۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ بطور پیش گوئی کے فرمایا کرتے تھے کہ تجھے (یعنی حضرتؒ کو) تفسیر اور تصوف سے مناسبت ہوگی، یہ نقل کر کے حضرت نے فرمایا کہ بحمد اللہ یہ کچھ نہ کچھ ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرتؒ کے یہ الفاظ اگرچہ جملہ خبریہ تھے، مگر میرا خیال یہ ہے کہ حقیقت میں یہ جملہ انشائیہ یعنے دعاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ دعاء قبول فرمالی۔ پھر فرمایا کہ میں تو بزرگوں کے اخبار کو بھی انشاء سمجھتا ہوں، اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ انکے انشاءات کو بھی اخبار بنا ڈالتے ہیں۔

نابالغ کے پیچھے نماز تراویح ایک استفتاء اس مضمون کا آیا تھا کہ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے میں آپکے نزدیک قول راجح کیا ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے شامی سے ممانعت کی ترجیح بحوالہ ہدایہ نقل کر دی، اور وجوہ ذیل سے مؤید کر دیا۔

(۱) اول تو نابالغ کی نماز نفل ہے اور تراویح سنت مؤکدہ اور بناء اقوی کی اضعف پر جائز نہیں

(۲) اور اگر سب کی نفل ہی مان لی جائے تو نفل بالغ کی اقوی ہے بہ نسبت نفل نابالغ کے کیونکہ بالغ کی نفل شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے، نابالغ کی واجب نہیں ہوتی
(۳) بچے عموماً مسائل طہارت سے ناواقف بھی ہوتے ہیں اور تساہل بھی اس لئے فساد صلوٰۃ کا امکان ہے۔

تین کتابیں الہامی ہیں حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین کتابیں الہامی ہیں، قرآن مجید۔ بخاری شریف۔ مثنوی شریف۔

ایک غیر مقلد کی دعوت اور حضرت کی حکیمانہ تعلیم فرمایا کہ قنوج میں ایک غیر مقلد صاحب نے میری دعوت کی، میں نے منظور کرلیا۔ اہل سنت بھائیوں نے مجھے اشارہ سے منع کیا انکو خطرہ تھا کہ یہ سب غیر مقلد ہیں اور کسی مقلد کو دعوت میں شریک نہیں کیا۔ کہیں خدانخواستہ کوئی ایذا پہونچے، مگر مجھے شبہ نہ تھا اس لئے میں نے دعوت قبول کرلی۔ جب وہاں پہونچا تو ایک شخص نے نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک کتاب میں ایک مضمون تقلید کے خلاف دکھلایا اور پوچھا کہ آپکی اسکے متعلق کیا رائے ہے؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو نواب صاحب کے لکھے ہوئے میں کچھ تردد ہے یا نہیں؟ وہ آدمی ہوشیار تھا میری غرض سمجھ گیا اور کہنے لگا بس تسلی ہوگئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسکے بعد میں نے اُن سے کہا کہ میں چونکہ اب آپ کا نمک کھاؤنگا۔ آپ کا حق میرے ذمہ ہوگیا، اس لئے میں محض خیر خواہی سے ایک بات کہتا ہوں، وہ یہ کہ ترک تقلید تو ایک مسئلہ ہے اسمیں گنجائش ہے اگر آپ نیک نیتی سے کرتے ہیں، تو ہمیں اسمیں زیادہ کلام نہیں لیکن دو چیزیں آپکے یہاں زیادہ شدید اور یقینی معصیت ہیں، اُن سے بچنے کا اہتمام کیجئے۔

ایک بدگمانی دوسرے بدزبانی بدگمانی تو یہ کہ آپ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس مسئلہ کی کوئی دلیل حدیث کتب صحاح میں نہیں، تو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں، حالانکہ آپ لوگ بھی جانتے ہیں کہ حدیث کا ان صحاح ستہ میں انحصار نہیں، اور صحاح ستہ کی بھی سب حدیثیں صحیح نہیں۔ اور بدزبانی یہ کہ بڑے بڑے ائمہ کی شان

میں گستاخی کرتے ہیں۔ سب نے اپنی اس غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کی۔

تفسیر قرآن کے متعلق ایک اہم ارشاد فرمایا کہ میں بلا کسی ضرورت داعیہ کے یہ کبھی نہیں سوچتا کہ قرآن نے جس مضمون کو جس عنوان سے تعبیر کیا ہے اسمیں کیا نکتہ ہے۔ مجھے اس معاملہ میں کشاف کی بات بہت پسند ہے کہ جس مضمون کی تعبیر کیلئے مختلف عبارتیں ہو سکتی ہوں ان میں کسی ایک کو اختیار کر لینا کافی ہے وجہ ترجیح بتلانے کی ضرورت نہیں۔ ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحب کیساتھ غالباً مغرب کے بعد جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے ایک علم عطا ہوا تھا۔ جسمیں قرآن مجید کی تمام تعبیرات اور عنوانات کی حکمتیں بتلائی گئی تھیں مگر وہ اب باقی نہیں رہا۔ (حضرت سے کسی دوسری مجلس میں اس کے متعلق یہ بھی سُنا تھا کہ یہ اتنا بڑا بھاری علم تھا کہ میری برداشت سے باہر تھا، اسلئے رفع کر دیا گیا)۔

ارشاد فرمایا کہ جب میں نے اوّل اوّل حدیث پڑھانی شروع کی تو یُوں محسوس ہوتا تھا کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل متحد ہیں اور اُسوقت مجھپر علوم و معارف کے عجیب دروازے کھلتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی عمر اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا کشف حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ مرض وفات میں تھے۔ تکلیف بڑھی تو لوگ گھبرانے لگے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ یہ دس سال اور زندہ رہیں گے۔ مگر پھر اسی مرض میں مولانا کی وفات ہو گئی۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا کشف غلط ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ کشف تو دراصل صحیح تھا مگر مجھے سمجھنے میں غلطی ہو گئی۔ وہ یہ کہ میں نے بذریعہ کشف مولانا کی عمر کے متعلق حال دریافت کرنا چاہا تو لفظ مہدی منکشف ہوا میں نے اس سے حروف کے اعداد سمجھے جو ۵۹ ہوتے ہیں۔ مولانا کی عمر اسوقت ۴۹ سال تھی اس لیے میں نے کہہ دیا کہ دس سال اور زندہ رہیں گے۔ مگر بعد میں ثابت ہوا کہ لفظ مہدی کے حروف کے اعداد مراد نہ تھے بلکہ حضرت مہدی کی عمر مراد تھی اور انکی عمر ۴۹ سال ہو گی اسی کے مطابق انکی وفات ہو گی۔

اور فرمایا کہ میں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ یہ بزرگ نافع خلائق ہیں میری عمر میں سے کچھ حصہ ان کی عمر میں اضافہ کر دیا جائے مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں بزرگ کوئی استاد شاگرد یا پیر مُرید نہ تھے بلکہ ہم سبق ہم مکتب معاصر

ادب پیر بھائی تھے۔ مگر انکا عمل اپنے معاصرین کے حق میں یہ تھا تو اپنے بڑوں کے حق میں کیسا ہوگا۔

دار العلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفیٰ فرمایا کہ میں مجبور ہوا استعفا دیتا ہوں کیونکہ مجھے جھگڑنے کی عادت نہیں۔ لیکن الحمد للہ ضابطہ کا تعلق قطع کر رہا ہوں۔ رابطہ کا تعلق قطع نہیں۔ بلکہ شاید اور بڑھ جائے اور فرمایا کہ فتنہ اور اختلاف امت کے خوف کے وقت اپنے آپکو معزول کر لینے کی سنت حضرت حسنؓ سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے عمل کی تقریر بلکہ تصویب بھی قولاً ثابت ہے۔ باینہمہ توقع ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ مدرسہ اسی طرح رہیگا بزرگوں کے اخلاص و محبت کی برکات اسمیں موجود ہیں ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود
ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

باہمی رواداری اور رعایتِ رفقاء فرمایا کہ اب سے کچھ پہلے کا زمانہ کتنا مبارک اور بہتر تھا تعجب ہوتا ہے پہلے تو اپنے بڑے بھی چھوٹوں کی رعایت کرتے تھے۔ اسپر قصبہ رامپور کی ایک شادی کا ذکر فرمایا جس میں دیوبند سے شیخ العرب والعجم حضرت مولنٰنا دیوبندیؒ اور سہارنپور سے حضرت مولنٰنا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون سے حضرتؒ سب حضرات کو جمع کیا تھا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میزبانوں نے شادی کی رسوم مروجہ سے اجتناب نہیں کیا۔ حضرتؒ انھیں ایام میں شادی غمی کی رسوم کے خلاف تقریریں تھانہ بھون وغیرہ میں کر رہے تھے اور بحمد اللہ نفع ہو رہا تھا۔ حضرتؒ نے دیکھا کہ اگر میں یہاں شریکِ شادی ہوگیا تو ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔ ساتھ ہی یہ فکر بھی تھی کہ حضرت کے اکابر حضرت دیوبندی اور سہارنپوری یہاں تشریف فرما تھے۔ بڑی فکر ہوئی کیا کریں لیکن حضرتؒ کو اپنے اکابر پر اعتماد تھا کہ وہ میرے عذر کو محسوس فرمائیں گے برا نہ مانیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولنٰنا خلیل احمد صاحبؒ نے تو یہ فرمایا کہ جب فتویٰ اور تقویٰ میں خلاف ہوتا ہے تو اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت تھانویؒ) تقویٰ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور حضرت مولنٰنا دیوبندیؒ نے فرمایا کہ عوام کے حالات و خیالات اور ان کے مفاسد کی اطلاع جتنی انکو ہے ہمیں نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اکابر نے تو اسطرح نوازا اور چھوٹے لوگوں کے خطوط مناظرانہ آئے۔ اور فرمایا کہ درحقیقت یہ علم احکام نہیں۔ علم واقعات ہے علم احکام میں تو وہی حضرات اعلم و اعلیٰ تھے مگر واقعات

عوام شاید مجھے زیادہ معلوم ہیں اور اسمیں کوئی فخر نہیں۔ آخر ہدہد کو ایسے واقعات معلوم ہوگئے۔ جو سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ تھے۔ اور ہو یہ مومن ہوتے کے ہم ہدہد سے کم نہیں اور ہمارے کار حضرت سلیمان علیہ السلام سے افضل واعلیٰ نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مجھے احادیث میں مذہب حنفی ایسا نظر آتا ہے جیسے آفتاب۔ اور فرمایا کہ ہمارے حضرات کا طرز درس نہایت سادہ تھا۔ بہت کتابوں کے حوالے نہ دیتے تھے کتاب کا حل کرتے اور آگے چلتے تھے۔

حضرت مولینا گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ ایک روز دونوں ایک جگہ جمع تھے۔ حضرت مولینا محمد قاسمؒ فرمانے لگے میاں ہمیں تمہاری ایک بات پر بہت رشک ہے کہ تم فقیہ بہت بڑے ہو ہمیں یہ نصیب نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا جی ہاں ہمیں چند جزئیات یاد ہوگئیں تو آپکو رشک ہونے لگا اور آپ جو مجتہد بنے بیٹھے ہیں۔ اس پر ہمیں کبھی رشک نہ ہوا۔ حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں فقیہ کو دیکھوں گا تو آج کل اسکی قسم پوری نہ ہوگی۔ جبتک مولینا گنگوہی کو نہ دیکھے گا۔

عوام کو مغالطہ سے بچانے کا اہتمام حضرت مولینا شیخ محمد تھانویؒ کی ایک بنیہ پر ڈگری مع سود کے ہوگئی اور سود بھی کافی مقدار آٹھ سو روپیہ تھا مولینا نے سود کے لینے سے انکار فرمادیا۔ سب جج جو ایک مولوی آدمی تھے انھوں نے مولینا سے کہا کہ درمختار میں تو یہ لکھا ہے لا ربوا بین المسلم والحربی یعنی مسلمان اور حربی کافر کے درمیان سود کا معاملہ بحکم سود نہیں (تو اس کافر بنیہ کو آپ کیوں رقم چھوڑتے ہیں) حضرت مولینا نے فرمایا کہ یہ مسئلہ تو مجھے بھی یاد ہے مگر میں درمختار بغل میں دبائے کہاں کہاں پھروں گا۔ لوگوں میں تو یہ چرچا یہ ہوگا کہ شیخ محمدؒ نے سود لیا۔

عمل میں احتمال ریا کے سبب عمل کو نہ چھوڑے کسی بزرگ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں آدمی ریاء کاری کے طور پر ذکر اللہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ تم ریا سے بھی ذکر نہیں کرتے۔ اُسکا ذکر ریائی بھی قیامت میں ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ ہوکر پل صراط پر رہبر ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگ کو معلوم ہوگا کہ اس شخص کے عمل میں ریاء اور اخلاص ملے جلے ہیں ورنہ جو عمل خالص ریاء کیلئے ہو اُس کا کوئی نور نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا کہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ کسی کام میں ریاء کا احتمال قلب میں آئے تو کام کو ہرگز نہ چھوڑے بلکہ یہ ارادہ کرے کہ کام تو میں یہ ضرور کروں گا بعد میں استغفار کر لوں گا۔

سالکین کیلئے ایک اہم نصیحت ارشاد فرمایا کہ اچھی صورت یہ ہے کہ اگر کسی عمل میں کوتاہی کا احتمال ہو تو اُسکی تحقیق اور کاوش میں نہ پڑے بلکہ اس کو واقع سمجھ کر استغفار کرے جیسے کسی راستہ میں دلدل ہو اور یہ خیال پیدا ہو کہ شاید پاؤں خراب ہوا ہو تو راہرو کو نہ چاہیے کہ اسکا مطالعہ کرنے بیٹھ جائے کہ کہاں لگا اور کیا لگا، بلکہ جب کہیں پانی ملے دھو ڈالے۔ حدیث کی تعلیم ولکن سدّدوا و قاربوا کا یہی خلاصہ ہے۔

تعلیم میں سہولت فرمایا کہ میں تعلیم میں زیادہ مستحبات کا اہتمام نہیں کرتا۔ آجکل تو لوگ واجبات ہی سے بری ہو جائیں تو غنیمت ہے۔

ضیاء القلوب میں ذکر و مراقبہ وغیرہ کی شرائط کا درجہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ضیاء القلوب حضرت حاجی صاحبؒ سے سبقاً پڑھی ہے اُس میں جتنی قیود ذکر کیلئے لکھی ہیں سب کے متعلق فرمایا کہ غیر ضروری ہیں اور بعض طبائع تو ان قیود سے مشوش ہو جاتی ہیں۔

مقصود اصلی اعمال نہیں بلکہ رضائے حق ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ لوگوں نے غلط کر رکھا ہے کہ مقصود اصلی اعمال کو سمجھ لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اعمال میں مومن قوی اور مومن ضعیف برابر نہیں ہو سکتے اسلئے بعض آدمی غمگین ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں مقصود رضائے حق ہے اور اس میں قوی اور ضعیف اپنی اپنی قوت کے موافق عمل کر کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے صحت اور قوت میں فرق ہے۔ قوی آدمی تندرست ہو کر بڑے بڑے کام کرنے لگتا ہے اور ضعیف باوجود تندرست ہو جانے کے وہ کام نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر اس سے وہ یہ سمجھے کہ میں تندرست نہیں ہوں تو غلط ہے۔ غرض طبیب صحت کا ذمہ دار قوت کا نہیں۔ اسی طرح طریق سلوک طے کرنے سے صحت روحانی پیدا ہو جاتی ہے مگر قوت ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ صحت روحانی کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ و باطنہ کو اخلاص کیساتھ کرنے لگے۔

صوفی کی تعریف شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے الیواقیت والجواہر میں صوفی کی تعریف عالم باعمل

سے کی ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تیسیر عمل کیلئے جو تدبیریں اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں انہی کا نام سلوک و طریقت ہے۔

متاخرین صوفیہ کے بعض اعمال و وظائف جو سلف صالحین میں معروف نہ تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے انکے متعلق فرمایا کہ یہ بدعت کی تعریف میں نہیں آتے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کسی نسخہ میں طبیب نے شربت بزوری لکھا اور یہ شربت اس وقت عام طور پر بازار میں ملتا تھا۔ نسخہ استعمال کرنے والوں کو کوئی تکلیف نہ تھی پھر ایک ایسا وقت آگیا کہ یہ شربت بازار میں مفقود ہوگیا تو اب کسی نے شربت بزوری کا نسخہ لکھا مریض کو اس کے تمام مفردات جمع کر کے شربت بنانے کا کام کرنا پڑا۔ اب کوئی شخص اس سے یہ کہے کہ حکیم صاحب کے نسخہ میں تو صرف ایک لفظ شربت بزوری لکھا تھا یہ سارا جھگڑا جو تم نے کھڑا کیا نسخہ میں زیادتی یا بدعت ہے تو جیسا اس کا کہنا معقول نہیں اسی طرح صوفیہ کے مجوزہ خاص خاص اعمال مراقبات جو بعض باطنی امراض کا علاج ہوتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔

میرزاہد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے استاد ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی معقولات میں اپنی سند میرزاہد سے ملائی۔ عالمگیرؒ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔ عالمگیر ایسے شخص نہ تھے جو کسی ایسے شخص کو قاضی شرع کی جگہ بٹھادیں جو شریعت کا ماہر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزاہد کے جو اقوال علم باری وغیرہ میں بظاہر خلاف جمہور معلوم ہوتے ہیں وہ تشبیہما ہیں یا کوئی اور تاویل کی جائے۔

حقہ پینے کا حکم فرمایا کہ میرے نزدیک صاف بات یہ ہے کہ یہ ایک دوا ہے جو حکم اور دواؤں کا ہے وہی اس کا ہے۔ یعنی جائز بلا کراہت مگر اسمیں بدبو ہے۔ سو مسجد میں جانے کے وقت منہ صاف کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی علالت اور ایک ناواقف حکیم سے سابقہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے چند احباب کے ساتھ سکندرہ تشریف لیگئے۔ وہاں بیمار ہوگئے۔۔۔ میزبانوں نے ایک حکیم کو بلایا۔ اس نے عجیب طرز اختیار کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک حال بیان کیا تو چند دوائیں لکھ دیں پھر آگے اور کچھ بیان کیا تو اور کچھ لکھ دیں۔ اسی طرح جوں جوں کوئی حال وہ کہتے رہے حکیم صاحب دو چار دوائیں لکھتے رہے۔ اب نسخہ ایک دفتر بن گیا۔ جب حکیم صاحب چلے گئے تو ساتھیوں نے عرض کیا کہ یہ کوئی نسخہ ہے یہ تو ایک قرابادین ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں ہم انھیں کا علاج کرینگے۔

اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ شاہ صاحبؒ نے اُنکی دوائی اور اچھے ہوگئے۔ حکیم صاحب کی شہرت ہوگئی۔ مقصد حضرت شاہ صاحبؒ کا یہی تھا کیونکہ یہ حکیم صاحب نیک آدمی تھے۔ واقف زیادہ تھے نہیں اسلئے فقر فاقہ رہتا تھا انکو فائدہ پہنچ گیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جسطرح یہ حکیم ہر حال کو سنا ئی دوا تجویز کرتے تھے آج کل کے مشائخ نے روحانی علاج میں یہی طریقہ اختیار کر دیا ہے۔ ہر مرض روحانی کیلئے وظیفے تجویز کر رکھے ہیں۔ عبادت میں جی نہ لگنے کا ایک وظیفہ تجویز کیا پھر اُس وظیفہ میں جی نہ لگا تو اس کیلئے ایک اور وظیفہ تجویز کیا فرہکو جڑا۔ اور ضرورت اس کی ہے کہ مرض کے اسباب پر غور کر کے اسباب کا علاج کرے۔ آج کل کے ڈاکٹری انگریزی علاج میں بھی یہی سنتے ہیں کہ اسباب مرض پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ ازالہ مرض کی دوائیں تجویز کر دیتے ہیں۔ وقتی طور پر مرض رفع ہو جاتا ہے مگر پھر عود کرتا ہے۔

رسمی مناظرہ سے نفرت ارشاد فرمایا کہ آج کل مجھے مناظرہ سے نفرت ہے اور طالبعلمی کے زمانہ میں بہت مناظرے کرتا تھا۔ سبب یہ ہے کہ آج کل مناظروں میں تحقیقِ حق تو مقصود رہا ہی نہیں۔ صرف بات کی پچ کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے اس سے مجھے نفرت ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ مجھے چار چیزوں میں شرح صدر ہے۔ مشاجراتِ صحابہ رضی، مسئلہ تقدیر، مسئلہ وحدۃ الوجود۔

مرزا قادیانی اور اکابر دیوبند مرزا قادیانی کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی رائے آپ پہلے ہی سے شدید تھی۔ اسکی کتاب براہین احمدیہ دیکھکر فرمایا کہ اسمیں عیسائیت کی بُو آتی ہے۔ مگر حضرت گنگوہیؒ شروع میں نرم تھے مرزا کی طرف سے تاویلیں کرتے تھے۔ جب اُس نے بالکل ہی صراحۃً نبوت کا دعویٰ اور دوسرے کفریات واضح کر دیے تو مجبور ہوکر تکفیر فرمائی۔

نیک گمانی اور بدگمانی میں اعتدال فرمایا کہ شیخ سعدیؒ کے دو شعر اس معاملہ میں متضاد ہیں۔ ایک گلستاں میں ہے ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی! — پارسا دان و نیک مرد انگار

دوسرا بوستان میں ہے ؎

نگہ دارد آن شوخ در کیسہ دُر — کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

گلستان کے شعر سے سب کے بارے میں نیک گمانی کی اور بوستان کے شعر سے بدگمانی کی تلقین معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اعتقاد کے اعتبار سے تو گلستان کے شعر پر عمل چاہیے کہ جسکا ظاہر اچھا دیکھے اُس کیساتھ نیک گمان رکھے مگر معاملات میں بوستان کے شعر پر عمل کرے کہ اپنے راز اور خاص چیزیں، ہر شخص کے سامنے نہ کھولے اسمیں احتیاط کرے۔

ارشاد فرمایا کہ میں نے بزرگوں کی بہت دعائیں لی ہیں۔ فرمایا کہ میں کبھی اللہ کا نام لینے والے بدعتی بزرگ کی بھی توہین نہیں کی اور نہ برتاؤ خشونت کا کیا۔

حضرت مولینا دیوبندی (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت حاجی صاحب کا ارشاد

جب حضرت مولینا دیوبندی حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو حضرت نے مولینا سے کوئی سوال کیا۔ مولینا نے جواب دیا جسپر حضرت حاجی صاحبؒ نے خوش ہو کر فرمایا کہ مولوی محمد قاسمؒ نے تمہیں فقط مولوی ہی نہیں بنایا بلکہ فقیر بھی بنا دیا ہے۔

رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

حضرت مولینا فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مرادآبادی کے بعض ملفوظات

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد اور بہت بڑے عالم ہونے کیساتھ کچھ کیفیات مجذوبانہ تھیں۔ گفتگو بھی عجیب ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ہندو ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اسکے ساتھ کھانا کھایا وہ اتباع سنت کی برکت سے اچھا ہو گیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اجی ہم ایک مرتبہ بیمار ہوئے ہمیں ڈر ہوا کہ مر نہ جائیں، اور ہمیں مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ رات کو خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی انھوں نے ہمیں سینہ سے لگایا۔ ہم اچھے ہو گئے۔

ایک اہم ہدایت ایک مرتبہ بہت سے حقائق و معارف کا بیان کرنے کے بعد فرمایا اور آخری بات ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو مریض سمجھے اور علاج کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا اچھا ہو

کتنا مریض ہوں معالجہ اور استغفار کرتا ہے۔ ساری عمر اسی طرح ختم کر دے۔

فرمایا کہ جو اس طریق (تصوف) میں داخل ہوا اور اسکو تواضع نصیب نہ ہوئی تو اسکو اس طریق سے کچھ حصہ نہیں ملا۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو چیز حب فی اللہ کی بناء پر اخلاص کے ساتھ آئے اسمیں نور ہوتا ہے اُس کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ ایک بزرگ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہدیہ لانے کیلئے کچھ تھا نہیں۔ راستہ میں سے خشک لکڑیوں کا ایک گٹھا باندھا وہ لاکر بطور ہدیہ پیش کر دیا۔ ان بزرگ نے اُسکی اتنی قدر کی کہ ان لکڑیوں کو احتیاط کیساتھ رکھا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد غسل کیلئے جو پانی گرم کیا جائے وہ اس سوختہ سے کیا جائے۔

غیر مسلمونکے ساتھ معاملہ

فرمایا کہ حیدر آباد دکن کی ٹکسال میں ایک انگریز افسر تھا اس نے مجھے ٹکسال کی سیر بڑے اکرام کے ساتھ تفصیل سے کرائی۔ مَیں نے اکثر اس کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا کہ آپ کے اخلاق تو ایسے اچھے ہیں جیسے مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ ایک سفر میں ایک انگریز کا ساتھ ہو گیا۔ کھانے کا وقت ہو گیا تو مَیں نے اپنے کھانے سے اُس کی تواضع کی مگر اپنے برتن میں نہیں کھلایا، الگ کر کے دے دیا۔ مَیں نے اس میں اسکا حق جوار ادا کیا کیونکہ قرآن میں اُس شخص کو بھی وقتی پڑوسی قرار دیا ہے جو کسی سفر وغیرہ میں ساتھ ہو جائے۔ والصاحب بالجنب کا یہی مطلب ہے تو پڑوسی ہونے کے اعتبار سے اس کا حق تھا وہ تو ادا کر دیا مگر اکرام و تعظیم نہیں کی۔ میرا یہی مذاق ہے کہ غیر قوموں کی نہ تحقیر کرتا ہوں نہ تکریم و تعظیم۔

اور فرمایا مَیں ارشادِ حدیث کے مطابق اکرام ضیف تو کرتا ہوں اکرام سیف نہیں کرتا۔ ضیف کے معنی مہمان اور سیف تلوار کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مہمان کا بحیثیت مہمان کے اکرام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے۔ لیکن کسی کے صاحب قوت و اقتدار ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا حکم نہیں۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کا اتباع سنت اور حسن ادب

حضرت خواجہ صاحبؒ نے

جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جَو کا آٹا بغیر چھلنے پکایا جاتا تھا تو گھر میں حکم دے دیا کہ آئندہ اسی سنّت پر عمل کرنا چاہیے۔ آٹا چھانا نہ جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی لیکن چونکہ اس کی عادت نہ تھی۔ سب کے پیٹ میں درد اور تکلیف ہوئی تو فرمایا کہ ہم سے ایک گستاخی ہوگئی کہ ہم نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کر لیا۔ گویا ایک قسم دعوائے مساوات ہوگیا اس کا وبال ہم پر پڑا۔ ہم کہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں۔ ہمیں آپ کے مقام سے نیچے ہی رہنا مصلحت ہے اور پھر سابق معمول کے مطابق آٹا چھان کر پکنے لگا

تنبیہ مگر یہ صورت ان سنتوں کے متعلق درست ہے جو مقاصد شرعیہ میں سے نہیں ہیں جیسے آٹے کا بغیر چھلنے استعمال۔ اور سنن مقصودہ میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی نقل پوری اتارنے کی کوشش کرے۔

(محمد شفیع)

مولینا فیض الحسن سہارنپوری سے کسی نے وہابی اور بدعتی کی تعریف پوچھی تو فرمایا کہ وہابی بے ادب باایمان اور بدعتی باادب بے ایمان کا نام ہے۔

کسی موقع پر اشعار ذیل پڑھے۔ موقع محل یاد نہیں رہا مگر اشعار مفید ہیں اسلئے لکھتا ہوں۔ (ولیغو ماقیل) ؎

تاجر ما جنس درد از راہ دور آوردہ است
از برائے داغ دل آتش ز طور آوردہ است

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات میں ہے ؎

نیست کس را از حقیقت آگہی
جملہ می میرند با دست تہی!

خود حضرتؒ کا ایک شعر ؎

اندریں رہ ہرچہ می آید بدست
حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

عمل تسخیر کے متعلق حضرت مولینا محمد یعقوبؒ کا ارشاد ارشاد فرمایا کہ بچپن میں مجھے تعویذات کا بہت شوق تھا۔ ایک بیاض میں بہت سے تعویذات جمع کر رکھے تھے جو عرصہ ہوا جلادی۔ اور فرمایا کہ میں نے حضرت مولینا محمد یعقوبؒ سے عرض کیا کوئی ایسا عمل بھی ہے جس سے مؤکلات مسخر ہو جائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں ہے اور آسان بھی ہے لیکن یہ بتلاؤ کہ تم خدا بننے کیلئے پیدا ہوئے ہو یا بندہ بننے کیلئے؟ اس جملے سے آنکھیں کھل گئیں اور اس فن سے نفرت ہوگئی۔

مولوی غوث علی شاہ پانی پتی رحمۃ اللہ کے متعلق فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی تحقیق ان کے بارہ میں یہ ہے کہ وہ صادق تو تھے کامل نہ تھے۔

ایک اہم عمل ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتا اور عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا۔

ازواج مطہرات کیلئے سال بھر کا نفقہ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ دے دینے کی سنت جاری فرما کر امت کیلئے آسانی فرمادی کہ وہ بھی اتباع سنت کر سکیں ورنہ آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا توکل اس قدر قوی تھا کہ اس کی حاجت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹے بچوں سے کلام کے وقت بڑے آدمی تُتلا کر بچوں کی طرح بولتے ہیں تاکہ انکو بولنا آسان ہو جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اُمت محمدیہ کا کمال اسی میں ہے کہ ہر شخص دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھے۔ اس طرح سب بڑے ہو جاتے ہیں ورنہ کوئی بھی بڑا نہیں رہتا۔

معمولاتِ سلف ارشاد فرمایا کہ سلف صالحین کے تین معمول تھے۔ نماز۔ تلاوت۔ ذکر۔ متاخرین نے صرف ذکر کو تو رکھا باقی کو چھوڑ دیا۔ اسی لئے ناقص رہے۔

مجالس حکیم الامت!

مجالس رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

اختلافی مسائل میں عدل و اعتدال فرمایا کہ کانپور میں ایک شخص نے میرے سامنے اہل بدعت کی برائی کرنا شروع کیا۔ میں نے انکی طرف سے تاویلات شروع کیں جس سے وہ سمجھا کہ میں بدعتی ہوں۔ پھر اس نے غیر مقلدوں کی برائیاں بیان کرنا شروع کیں۔ میں نے انکی طرف سے تاویلات کرنا شروع کردیں اس نے متحیر ہو کر پوچھا کہ آخر آپکا مذہب کیا ہے میں نے کہا کہ میرا مذہب یہ آیات قرآن ہیں۔ کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولو علی انفسکم اور لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہو جاؤ تم اللہ کیلئے کھڑے ہونے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے، اگرچہ یہ گواہی خود تمہارے نفس ہی کے خلاف ہو۔ اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے، نہ بھڑکا دے تم کو غصہ کسی قوم کا اس بات پر کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ تمہیں انصاف ہی کرنا چاہیے وہی تقویٰ کے قریب ہے۔

ولنعم ما قال الجامی ؎

زِ ہفتاد و دو ملت کرد جامی رو بعشق تو ۔۔۔ بلے عاشق ندارد مذہبے جز ترک مذہبہا

سالک کو جو حال پیش آئے اسپر راضی رہنا چاہیئے حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس تھی۔ حقائق و معارف کا بیان ہورہا تھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور اس نے ایک تعویذ مانگا۔ حضرتؒ نے تقریر موقوف کرکے اس کو تعویذ لکھ کر دیا۔ مجلس کے لوگ دل تنگ ہو رہے تھے کہ اس نے کیسے بے وقت یہ سوال کرکے مجلس کا لطف ختم کردیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اپنے بندوں کی مصلحت کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک مفید کام کا سلسلہ جاری رہنے میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً کبر وغیرہ تو حق تعالیٰ اسکو قطع کرا دیتے ہیں۔ جو بظاہر ان لوگوں کو ناگوار گذرتا ہے مگر اسمیں انکی مصلحت مضمر ہوتی ہے اس لیئے آدمی کو ابن الوقت ہونا چاہیے اور یہ ابن الوقت وہ ہے جو ابوالوقت کا قسیم و مقابل

نہیں بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہر شخص کو ابن الوقت ہونے کی ضرورت ہے اسی کو فرمایا ہے ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق

اور فرمایا کہ بعض اوقات ایک کام ہماری نظر میں بہت اہم ہوتا ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہ کام چھڑا کر اہم کام میں لگا دیتے ہیں۔

حقیقی خواب میں ایک نور ہوتا ہے

ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کے خواب عموماً اضغاث احلام کی قسم سے ہوتے ہیں اور سچے خواب میں ایک نور ہوتا ہے بیان ہوتے ہی اسکی تعبیر سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

ایک اہم نصیحت

خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اشرف السوانح لکھنے کیلئے طویل چھٹی لیکر تھانہ بھون میں مقیم تھے۔ چھٹی ختم پر آگئی اور کام بہت باقی تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو سامنے آوے اسکو لکھ ڈالو پھر جو یاد آتا رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا۔ کام اسی طرح ہوتا ہے۔ مگر کوئی بڈھوں کی بات مانتا نہیں۔ جوانی کے جوش میں جب کام لیکر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ سبھی کچھ کر ڈالیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند!

جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

قلب کی نگرانی ہر وقت رکھنا چاہیے

ارشاد فرمایا کہ اس طریق تصوف میں قلب کی ایسی حالت ہے جیسے چھوئی موئی ہر وقت نگرانی اور رذائل سے تحفظ کی ضرورت ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو دیکھا گیا کہ پانی کا مشکیزہ کاندھے پر لادے ہوئے جا رہے ہیں۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ دوسرے ملکوں کے وفود آئے ہوئے تھے اس وقت دربار کی ایک شان بن گئی خطرہ پیدا ہوا کہ قلب میں عجب و تکبر پیدا نہ ہو جائے اسکا علاج کرنے کیلئے ایسا کیا ہے۔

حضرتؒ کی ایک بیماری اور خلق عظیم اور رعایت حقوق خلق

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ کی شب میں حضرتؒ تہجد کیلئے اٹھے پیشاب کے لئے بیٹھے تو ایک دورہ ایسا ہوا کہ زمین پر گر گئے نبضیں ساقط ہو گئیں۔ پسلی اور کہنی وغیرہ میں چوٹ بھی آئی۔ اٹھنا چاہا تو اٹھ نہ سکے۔ مجبوری زمین ہی پر لیٹ گئے۔ پھر مشغول نماز

کی چوکی تک پہنچے اس وقت تک بھی گھر والوں کو ازراہ شفقت بیدار نہیں کیا۔ کچھ دیر کے بعد گھر والے بیدار ہوئے۔ صبح کو ڈاکٹروں حکیموں کا علاج شروع ہوا سب کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت چند روز مکمل آرام کریں۔ ڈاک بھی نہ دیکھیں اور کسی سے ملاقات بھی نہ کریں۔ یہ انتظام بھائی شبیر علی صاحب کے سپرد ہوا کہ لوگوں کو حضرت تک نہ پہنچنے دیں باہر ہی سے حالات بتلا کر رخصت کر دیں۔

احقر کو دیو بند میں اطلاع ملی تو تھانہ بھون اس مقصد سے حاضر ہوا کہ قریب رہ کر ہر وقت کا حال معلوم ہو سکے گا۔ ملاقات کے متعلق تو معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹروں نے ممانعت کر دی ہے اسلئے احقر کا خیال تھا کہ اپنی حاضری کی اطلاع بھی حضرت تک نہ پہنچاؤں گا۔ مگر ہوا یہ کہ میں شب میں تھانہ پہنچا، صبح کا وضو، حوض پر کر رہا تھا حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کا چھوٹا بچہ قریب آ کر وضو، کرنے لگا وہ مجھے پہچانتا تھا۔ اس نے بغیر میری اطلاع کے گھر میں جا کر میرے آنے کی اطلاع حضرت کو کر دی۔

حضرت نے غایت شفقت سے یہ ارادہ فرمایا کہ تھوڑی دیر کیلئے مجھے اسطرح بلائیں کہ بھائی شبیر علی صاحب کو اطلاع نہ ہو کیونکہ وہ ملاقاتوں کی ممانعت کیلئے مامور تھے۔ اسلئے اپنے خادم سلیمان سے فرمایا کہ مولوی شفیع کو بھیج دو سلیمان کو معلوم تھا کہ آج کل حضرت بجز بھائی شبیر علی صاحب کے کسی کو نہیں بلواتے۔ وہ میرے نام میں حرف شین کے اشتراک سے یہ سمجھا کہ بھائی شبیر علی کو بلوایا ہے۔ جاکر ان سے کہہ دیا وہ حاضر ہوئے۔ تو حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ہم نے تو آپ سے چوری کر کے ایک کام کرنا چاہا تھا اللہ کو منظور نہ تھا چوری کھل گئی۔ میں مولوی شفیع کو بلانا چاہتا تھا۔ بھائی شبیر علی صاحب نے خیال فرمایا کہ میں نے خود حضرت سے کوئی درخواست ملاقات کی کی ہے یا کم از کم اپنی حاضری کی اطلاع کر دی ہے اسلئے مجھ پر خفا ہوتے ہوئے تشریف لائے کہ آپ لوگوں کو حضرت کی راحت اور صحت کی پرواہ نہیں۔ اپنی ملاقاتوں کی فکر میں رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے قطعاً کوئی علم نہیں کہ حضرت کو میری حاضری کی اطلاع پہنچ گئی میں نے کسی سے نہیں کہا۔

خلاصہ یہ کہ بھائی شبیر علی صاحب نے مجھے حضرت کے زنانہ مکان میں جہاں حضرت فروکش تھے پہنچا دیا اور بہت تاکید کی کہ چند منٹ سے زیادہ نہ بیٹھنا۔ چنانچہ احقر نے مختصر ملاقات اور مزاج پرسی کے بعد اٹھنا چاہا تو حضرت نے روک لیا اور کچھ دیر تک ارشادات فرماتے رہے اسکے بعد فرمایا

کہ اچھا بس اب میرا جی بھر گیا۔ میں رخصت ہو گیا۔

اس ذرّۂ بے مقدار اور ناکارہ و آوارہ کو دیکھئے اور حضرت قدس سرہ کی جلالت شان کو اور پھر اس پر ضعف و علالت کے سبب اطباء کی مخالفت کو اور حضرت کے اس معاملہ کو ملاحظہ فرمائیے

؎ خاشاک ببین کہ بر دل دریا گذر کند!

اور ان سب چیزوں کے ساتھ یہ رعایت کہ بھائی شبیر علی صاحب کے انتظام میں خلل نہ آئے اور ان کو ناگواری نہ ہو۔ کتنی رعائیتیں اس مختصر سے واقعہ میں ہیں اور در حقیقت دین کی اصل ہی حقوق و حدود کی رعایت ہے۔

مسٹر جناح قائد اعظم کا ایک خط حضرت کے نام

رمضان مبارک ۱۳۵۷ھ ہی کا زمانہ تھا کہ حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں باہمی مصالحت کی گفتگو ہو رہی ہے اور مسٹر جناح گفتگو کرنے والے ہیں۔ حضرت کو یہ فکر ہوئی کہ مسٹر جناح شرعی احکام سے واقف نہیں کہیں اس مصالحت میں کچھ خلاف شرع شرائط پر صلح نہ ہو جائے تو مسلمانوں کیلئے بڑی مشکل ہو گی اسلئے مسٹر جناح کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ محض سیاسی اور اقتصادی معاملات میں تو آپکو کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں لیکن مذہبی امور میں آپکو ان سے مصالحت کرنے کا حق اسوقت تک نہیں ہے جبتک آپ علماء ماہرین سے مسودہ صلح دکھلا کر مشورہ نہ کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی امر خلاف شرع طے ہو جائے پھر دشواریاں پیدا ہوں اسکے جواب میں مسٹر جناح صاحب کا خط انگریزی میں آیا جسکا ترجمہ یہ ہے:۔

خط قائد اعظم:۔ مجھ کو مولانا ظفر الدین نیز نوابزادہ لیاقت علی صاحب سے گفتگو کرنے کا موقع ملا اور میں بہت زیادہ خوش ہوا یہ معلوم کر کے کہ آپکو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقصد اور پروگرام سے پوری ہمدردی ہے۔ مجھ کو آپ کا خط ملا لیکن موجودہ متعدد مشاغل اور عدم حاضری بمبئی کے سبب آپ کو جواب اس سے قبل نہ دے سکا۔

چند نکات جو میرے سامنے پیش کئے گئے ہیں انکو بغور تحریر کر لیا ہے اور آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں انکے متعلق آپ سے ضرور مشورہ کرونگا جب وقت آوے گا۔

آپ کی مہربانی کا شکریہ

احقر کے محررہ فتاویٰ کا نام حضرتؒ کی طرف سے

حضرت قدس سرہ کو اپنے شیخ کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ اپنے سارے ہی کاموں کو شیخ کے نام سے موسوم فرمایا۔ خانقاہ کا نام خانقاہ امدادیہ، مدرسہ کا نام امداد العلوم رکھا اپنے فتاویٰ کا نام امداد الفتاویٰ رکھا۔ پھر مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے وہاں فتاوے کا کام شروع کیا تو اس کا نام امداد الاحکام ان کے بعد مفتی عبدالکریم صاحب نے تھانہ بھون میں فتاویٰ کا کام شروع کیا تو اسکا نام امداد المسائل تجویز فرمایا پھر ۱۳۴۹ھ میں احقر کے سپرد دار العلوم دیوبند میں خدمت فتویٰ کی گئی تو میرے فتاویٰ کا نام امداد المفتین رکھا۔ بعض مسائل میں بعد میں ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسکا نام اختیار الصواب فی مختلف الابواب تجویز فرمایا۔ (رمضان ۱۳۵۰ھ)

حضرتؒ کی کرامت باتصرف

حضرتؒ کے ایک خاص عزیز جو عالم صالح ہیں انھوں نے خود بیان فرمایا کہ اوائل شباب میں میرا قلب حسن صورت سے بہت متعلق ہو جاتا تھا۔ میں نے حضرت سے اسکی شکایت کی حضرت نے فرمایا کہ اچھا آج شب کو تین بجے تہجد کے وقت مکان پر آجانا۔ میں حاضر ہوا تو اول حضرت نے مجھے بٹھا کر فرمایا کہ عزیزم داعیہ تو ایک فطری امر ہے وہ تو کسی اصلاح و تدبیر سے زائل نہیں ہو سکتا اور وہ فی نفسہ مذموم بھی نہیں۔ اور جبتک محل مذموم میں صرف نہو اسکی فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

البتہ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے تمھاری کلفت اور پریشانی رفع ہو جائیگی۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا اور تقریباً آدھے گھنٹے لگائے رکھا پھر چھوڑ دیا اس دن سے آج کا دن ہے، کہ الحمد للہ مجھے کبھی ابتلاء نہیں ہوا۔ (۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ)

عارف و غیر عارف کی عبادت میں تفاوت

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ کے برابر ہیں۔ (احقر جامع کہتا ہے کہ اسکی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جنہیں صحابہ کرام کے اللہ کی راہ میں ایک مُد خرچ کرنے کو دوسروں کے جبل احد برابر خرچ کرنے سے بھی افضل فرمایا ہے۔

معمولات کی پابندی کا حیرت انگیز اہتمام

رمضان ۱۳۵۶ھ میں اطباء کے مشورہ سے حضرتؒ نے بعد عصر شہر سے باہر تشریف

لیجانے کا معمول بنایا تھا۔ بعض حاضرین خانقاہ نے ساتھ چلنے کی اجازت لے لی تھی ان میں احقر بھی شامل تھا۔ عصر کے بعد چہل قدمی کا یہ معمول حضرت رحمہ نے بنا رکھا تھا کہ الہ کے ریلوے پل تک تشریف لیجاتے اور وہاں سے واپس آجاتے تھے۔ معمولات کی پابندی حضرت کی طبیعت ثانیہ بنی ہوئی تھی۔ کسی روز طبیعت کسلمند ہوئی اور چلنے کو دل نہیں چاہتا پھر بھی اس معمول کو ناغہ نہ فرماتے تھے۔

ایک روز اس سفر کے منتہی ریلوے پل سے پہلے گائے بیل جانوروں کا ایک ٹڈ اگلا سامنے آگیا اور گردوغبار کی وجہ سے اس راستہ پر چلنا مشکل ہوگیا معمول کے مطابق جتنا چلنا تھا اسمیں سو پچاس قدم کی کمی رہ گئی تو یہیں سے واپس ہوجانے کے بجائے راستہ بدل کر جتنے قدم کی کمی تھی اسکو پورا کرنے کے بعد واپس ہوئے۔

یہ پابندی ایسے امور سے متعلق ہے جو مقاصد نہیں زوائد میں سے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مقاصد میں کس قدر پابندی ہوگی۔ ایک روز اسی سیر کے درمیان فرمایا کہ جن معمولات کا تعلق کسی دوسرے سے ہو ئیں انکی بہت پابندی کرتا ہوں اور جو خود میرے نفس سے متعلق ہیں ان میں بہت آزاد رہتا ہوں۔ دوپہر کا آرام کبھی کرتا ہوں کبھی نہیں۔ اسی طرح دوسری چیزیں ہیں۔

عصر کے بعد کی سیر میں پند نامہ کا درس

اس مرتبہ میرے ساتھ میرے لڑکے محمد زکی بھی تھے جنکی عمر اسوقت بہت تھوڑی تھی۔ فارسی پڑھتے تھے۔ حضرت رحمہ بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ یہ بچہ حضرت کی خدمت میں جو چاہتا کہہ لیتا تھا — ایک روز حضرت سے درخواست کی کہ مجھے پند نامہ عطار پڑھادیں۔ بچے کی درخواست رد کرنا پسند نہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اور تو کوئی وقت خالی نہیں، عصر کے بعد جب ہم چہل قدمی کیلئے جنگل جاتے ہیں راستہ میں پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ یہ درس شروع ہوا پھر تو خانقاہ میں مقیم متعدد علماء نے بھی اس میں شرکت کی اجازت لے لی۔ احقر بھی حاضر رہتا تھا۔ اس درس کا ایک ملفوظ یہ یاد رہا۔ قرب سلطان کی مذمت جو پند نامہ میں لکھی ہے اس پر ارشاد فرمایا کہ قرب سلطان میں اول تو دنیوی خطرہ بھی ہر وقت رہتا ہے ذرا نظر بدلی تو مصیبت کھڑی ہوگئی اور دینی مفسدہ بڑا ہے وہ یہ کہ انکے سامنے حق گوئی بڑی مشکل ہے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ شریعت نے خود بھی انکے ادب کی رعایت کا حکم دیا ہے۔

(۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

جس عورت کا کوئی محرم حج میں ساتھ نہ ہو کسی با محرم عورت کیساتھ اسکا سفر!

باہر سے ایک سوال آیا کہ ایک صاحب حج کو جا رہے ہیں انکے ساتھ انکی خالہ بھی ہیں اور ایک دوسری محرم عورت جو انکی محرم نہیں ہے وہ بھی انکی خالہ کے ساتھ سفر حج میں شریک ہونا چاہتی ہے کیا یہ جائز ہے؛

حضرت رحمہ نے جواب میں تحریر فرمایا:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حنفی مذہب میں تو اس صورت میں بھی اجازت نہیں اور شافعی مذہب میں اگر ثقہ عورتیں ہمراہ ہوں تو اجازت ہے اور حنفی کو کسی خاص مسئلہ میں شافعی کی تقلید بوقت ضرورت جائز ہے۔ ضرورت کا فیصلہ میں نہیں کرسکتا۔

(اشرف علی۔ ۲۴ رمضان ۱۳۵۷ھ)

حضرت نظام الاولیاء رہ کے خلیفہ حضرت حسنؒ کے ایک شعر پر تضمین

حضرت سلطان نظام الاولیاء قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ حضرت حسنؒ تھے جو شروع میں حضرت نظام الاولیاء کے قدموں میں پڑے اور سلوک میں کمال حاصل کرکے خلیفہ مجاز ہوئے۔ انکا ایک شعر ہے

۵ اے حسن تو یہ آنچنان کردی!	کہ ترا طاقت گناہ نماند

احقر نے اسی ردیف وقافیہ میں چند اشعار لکھے تھے۔

بس شمردم گناہ زید و عمر	چون زعیب خود انتباہ نماند
چون نظر بر گناہ خود افتاد	گنہ ہیچ کس گناہ نماند
بدرت آنچنان رسیدہ شفیع	کہ در دیگرش پناہ نماند
عجبے تیز راہ در ماندن!	لیک کس چون من تباہ نماند
در چنیں جو دو فیض محرومے	ہمچو این ننگ خانقاہ نماند
مددے ایک نگاہ پیر مغان	غیر آن ہیچ بندہ راہ نماند

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا ایک شعر:۔

فقر میں بھی سر بسر کبر و غرور و ناز ہوں	کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بےنیاز ہوں

(محمد شفیع)

سوات سے تبییض کیگئی ۲ محرم ۱۳۹۳ھ

مجالس حکیم الامت رح

ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں احقر بیمار ہوا، اور بیماری نے طول پکڑا، دار العلوم سے کچھ عرصہ کی رخصت لی، یہ فرصت بیماری تھانہ بھون میں گذارنے کا قصد کر کے حاضر ہو گیا۔ ۵ ربیع الثانی سے ۱۸ جمادی الاول ۵۵ھ تک کے تقریباً چالیس روزہ قیام میں اشرف المجالس سے جو کچھ اقتباسات بیماری کے باوجود حاصل کئے اس کا کچھ حصہ لکھا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات اللہ اللہ! بعض علماء صرف اسم ذات یعنی اللہ اللہ کے ذکر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ماثور و منقول نہیں، اسی لئے بعض علمائے نے اس کو بدعت تک کہہ دیا۔ حضرت رح نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا۔ یعنی یاد کرو نام اپنے رب کا صبح اور شام، یہاں لفظ اسم کو بہت سے حضرات مفسرین نے مقحم (یعنی زائد) قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ لیکن یہ احتمال بھی کچھ بعید نہیں کہ لفظ اسم کو زائد نہ کہا جائے، تو مراد یہ ہوگی کہ اپنے رب کا نام ذکر کیا کرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رب کا نام اللہ ہے اس سے ذکر اسم ذات مدلول قرآنی بنجاتا ہے۔ انتہیٰ۔

احقر کہتا ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے بھی بعض ایسی آیات کی تفسیر میں جہاں اسم ربک آیا ہے یہی مفہوم لیکر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کو اس کا مدلول قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت رح نے فرمایا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا یہ سلوک طریق حق کے مبتدی کے متعلق ہے کہ مبتدی کا پہلا کام نام کی رٹ لگانا ہے، اس کے بعد دوسری آیت میں جو وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ارشاد فرمایا یہ منتہی کا حال ہے۔ کیونکہ ابتداء اس طریق کی ذکر اللہ کی کثرت سے ہوتی ہے، اور

انتہا ساری مخلوق سے کٹ کر صرف خالق کا ہو رہنا ہے۔

اپنی تواضع کے ساتھ مریدوں کی تربیت کا خاص اہتمام

فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی مجلس میں آپکے فیوض و برکات جو ہر وقت مشاہدہ میں آتے تھے بیان کئے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھ میں کیا رکھا ہے، سب تمہارے ہی اندر ہے۔ اس کا ظہور میرے ذریعہ سے ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم ایسا مت سمجھنا۔ سبحان اللہ یہ ہے خاصہ تربیت کہ اپنی تواضع اور مرید کی مصلحت دونوں کو جمع فرما دیا۔

محقق صوفیہ کرام سے نفع عظیم اور گمراہ صوفیوں سے اُمت کا ضرر عظیم!

فرمایا کہ صوفیہ کرام سے اُمت کو اتنا نفع پہونچا ہے کہ اور کسی سے اتنا نفع نہیں پہنچا، مگر گمراہ اور اہلِ باطل مدعیان تصوف سے امت کو ضرر بھی اتنا پہونچا کہ کسی کافر سے بھی اتنا ضرر نہیں پہونچا۔ اور فرمایا کہ نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف مظاہر حق نے غالباً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:۔ من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق یعنی جو شخص فقیہ ہو جاوے مگر صوفی نہ ہو وہ خشک بے کیف و بے نور رہتا ہے۔ اور جو صوفی ہو گیا فقیہ نہ ہوا وہ زندیق اور ملحد ہو گیا، اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہو گیا۔

عراقی اور شمس تبریز

یہ دونوں بزرگ صوفیائے کرام میں معروف و مشہور بڑے باکمال حضرات ہیں۔ دونوں ایک بزرگ کی خدمت میں فیض باطنی حاصل کرنے کیلئے جاتے تھے۔ عراقی ایک بڑے عالم ہونے کے ساتھ بڑے فصیح و بلیغ شاعر بھی تھے۔ اپنے حالات نظم میں لکھ کر شیخ کی خدمت پیش کرتے تھے۔ شمس تبریز لکھنے پڑھنے کے عادی نہ تھے، معمولی زبان میں حالات لکھنے اور پیش کرتے تھے۔ ایک دن شیخ نے اُن سے کہا کہ آپ عراقی کی طرح اپنے حالات نظم اور بلیغ انداز میں کیوں نہیں لکھتے۔ شمس تبریز اس سوال پر دلگیر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ میں یہ لیاقت نہیں ہے شیخ نے انکے جواب میں فرمایا کہ غم نہ کرو اللہ

تعالیٰ تمھیں ایک نئے یاں دیگا جس کے ذریعہ تمھارے علوم و فیوض دنیا میں پھیلیں گے۔

ان بزرگ کی پیشین گوئی مولانا رومیؒ کی شکل میں پوری ہوئی۔ مولانا رومیؒ شمس تبریزؒ کے مرید ہوئے اور ان سے باطنی فیوض حاصل کیئے، پھر اپنی مثنوی کے ذریعہ انکو بیان کیا۔ قدرت نے اسکو ایسی مقبولیت فرمائی کہ صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی دُنیا کے ہر خطے میں پڑھی جاتی ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے نظم و نثر ترجمے کئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ جو شخص اللہ کا ہو رہے اسمیں جو کمی کوتاہی بھی ہوتی ہے اسکو حق تعالیٰ مختلف انداز سے پورا فرما دیتے ہیں۔ شمس تبریزؒ جیسے بے زبان بزرگ کو ایسی زبان عطا فرمادے کہ وہم و قیاس سے زیادہ انکے فیوض کو دنیا میں پہنچا دیا۔ حضرتؒ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ قدس اللہ سرہ علوم میں معروف اور صاحب تصنیف نہ تھے مگر حق تعالیٰ نے انکے اخلاص و عبادت کی برکت سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہما کو انکی زبان بنا دیا ان کے ذریعے کتنے علم و معرفت کی نہریں دنیا میں رواں ہوئیں اور انکے فیوض و برکات دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے۔

اور خود ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی دینی تبلیغی تصنیفی خدمات اتنی ہیں کہ آخری دَور میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ سب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی برکتؒ ہے۔

حروف و کلمات کا ادبؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لیگئے پھر فوراً ہی گھبرا کر واپس آئے اور ناخن پر جو قلم کی نوک سے ایک نقطہ لگا ہوا تھا اسکو دھونے کے بعد بیت الخلاء میں گئے۔ یہ تھا ان حضرات کا ادب جسکی برکت سے حق تعالیٰ نے انکو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے تھے۔ آج کل تو اخبار و رسائل کی فراوانی ان میں قرآنی آیات احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں العیاذ باللہ العلی العظیم اور معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔

ملّا دوپیازے

فرمایا کہ ملّا دوپیازہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں اور بزرگ معلوم ہوتے ہیں، بڑے لوگوں بادشاہوں میں تبلیغ حق کیلئے ایسی وضع اور

صورت بنا رکھی تھی جو مسخرے لوگوں کی ہوتی ہے۔ اور بھی بہت سے بزرگوں نے ایسا کیا ہے۔

خوش پوشاک ہونا حدود کے اندر ہو تو کوئی عیب نہیں فرمایا کہ ایک صاحب یہاں آئے تھے۔ مجھ میں دو عیب لگائے انکو میرے حقیقی عیبوں کی تو خبر نہ تھی۔ ایک عیب یہ کہ خوش پوشاک ہیں دوسرے یہ کہ لطائف کی مشق نہیں کراتے۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو خوش پوشاک ہونا کوئی عیب نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کسی کو مال دیں اور وہ اچھا کپڑا پہنے تو اسمیں حرج کیا ہے۔ دوسرے میں خوش پوشاکی کا اہتمام کبھی نہیں کرتا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اچکن خرید کر پہنی ہو بلکہ جب خود بناتا ہوں تو سادہ ململ لٹھے کا بناتا ہوں۔ اور دل تو یہ چاہتا تھا کہ گاڑھا (کھدر) پہنوں مگر ایک مرتبہ نین سکھ (کھدر) کا کرتہ میں نے پہن لیا تمام بدن میں مرچیں لگنے لگیں معلوم ہوا کہ میں اسکا متحمل نہیں۔

ہاں لوگ جو لباس بنا کر بھیجتے ہیں اس میں یہ معمول ہے کہ اگر بنانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں تو تکلف کے کپڑے کو منع کرتا ہوں اور بلا اطلاع بنالائیں تو دیکھتا ہوں اگر میری حیثیت سے بہت زیادہ ہو تو نہیں پہنتا اور کچھ تھوڑا سا زائد ہو تو پہن لیتا ہوں۔

بزرگوں کے درجات قائم کرنا فرمایا کہ بہت سے لوگ بزرگوں کے باہمی تفاضل اور درجات پر بحثیں کیا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنی رائے سے ان حضرات کے تفاضل اور درجات کا پہچاننا سخت دشوار ہے۔ بلکہ اسکی صحیح صورت یہ ہے کہ انکے معاصرین اہل علم بصیرت بزرگوں کا معاملہ دیکھا جائے کہ ان بزرگوں کیساتھ کیا تھا جسکو وہ افضل سمجھتے ہوں وہ افضل اور جسکو مفضول سمجھتے ہوں وہ مفضول ہے۔ اسی بنا پر ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے درمیان تفاضل میں گفتگو کے وقت ہمارے بعض اکابر نے فرمایا کہ ہمنے بزرگوں کو یہ دیکھا کہ وہ بہ نسبت حضرت شاہ اسمعیلؒ کے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت زیادہ کرتے تھے۔

ایک شاعرانہ لطیفہ ایک صاحب نے اپنے خط میں حضرتؒ سے چند فرمائشیں لکھیں اور اسکے ساتھ یہ شعر لکھا ؎

عاشق کے دل کو توڑو لیکن ذرا سنبھل کر ۔۔۔ لاتقنطوا کو دیکھو یہ کسکی گفتگو ہے

حضرتؒ نے فی البدیہہ جواب میں یہ شعر لکھ دیا ؎

عاجز کے دل کو توڑو لیکن ذرا سنبھل کر ۔۔۔ لاتظلموا کو دیکھو یہ کسکی گفتگو ہے

اور لکھا کہ میں ان فرمائشوں کے پورا کرنے پر قادر نہیں اور غیر قادر کو مجبور کرنا ظلم ہے۔

حضرتؒ نہ شعر شاعری کو پسند کرتے تھے نہ کبھی یہ مشغلہ رہا لیکن فطری ذوق سلیم اور طبیعت کی شگفتگی سے جب کبھی کوئی شعر کہا تو بڑا چست اور وزنی ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنا ایک شعر سلوک راہِ حق کے متعلق سنایا ؎

اندریں رہ آنچہ می آید بدست   حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

اسی ذوق لطیف کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں ایک صاحب خورجہ کے رہنے والے محمد یوسف نامی تھے۔ ذاکر شاغل صاحب حال مگر نیم مجذوب قسم کے آدمی تھے۔ ایک مرتبہ تھانہ بھون پہنچے وہاں سے جلال آباد گئے جہاں ہمارے شیخ الشیوخ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کا قیام رہا تھا۔ وفات کو عرصہ ہو چکا تھا۔ وہاں جا کر یہ تحقیق کی کہ حضرت میاں جی صاحبؒ کا کوئی دیکھنے والا اب بھی موجود ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک بڑھا بنیا ہندو ہے۔ اُسکے پاس پہنچے پوچھا کہ تم نے حضرت میاں جی صاحبؒ کو دیکھا ہے اُس نے کہا کہ ہاں دیکھا ہی نہیں انکے مکتب میں پڑھا بھی ہوں۔ محمد یوسف صاحب خورجوی نے کہا کہ جب تم نے اُن سے پڑھا ہے تو کبھی تمھیں مارا بھی ہوگا۔ اس نے کہا کہ ہاں کئی مرتبہ۔ زبایا کہ کہاں مارا تھا اُس نے اپنی گُدّی کی طرف اشارہ کیا۔

یوسف صاحبؒ عاشق مزاج بزرگوں کی محبت میں مغلوب الحال تھے، لگے اسکی گُدّی چومنے ۔۔۔

حضرتؒ کو لوگوں نے یہ واقعہ سنایا تو آپ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

عشق را نازم کہ یوسف را ببازار آورد   ہمچو صنعانا ہمے را زیر زنار آورد

یہ شعر بہت پہلے کسی بزرگ کا ہے مگر اس واقعہ پر شعر کی اصل مراد سے بھی زیادہ چسپاں ہوگیا۔

ارشاد فرمایا — بعض اوقات مُرید سے شیخ کو اور شاگرد سے استاد کو فیض پہنچتا ہے

کہ ایک مرتبہ کا تجربہ ہے کہ کتاب پڑھانے کے وقت جب مطالعہ کیا تو بعض مقامات پر اشکال پیش آیا۔ حل نہیں ہوا، سبق پڑھانے بیٹھے تو بات سمجھ میں آگئی، یہ بلاشبہ طلبہ کی برکت تھی۔ اسی طرح بعض اوقات کسی مخلص مُرید کی برکت سے حق تعالیٰ شیخ پر مشکل مقامات کھول دیتے ہیں، اسلئے کسی شیخ اور مصلح کو ناز نہیں کرنا چاہیے کہ ہم لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس پر کرم فرماتے ہیں اور

اس سے اصلاح خلق کی خدمت لیتے ہیں تو اس خدمت ہی کی برکت سے انکو علوم و معارف اور درجات عالیہ دیئے جاتے ہیں اگر وہ اس خدمت کو ترک کر دیں تو سب حالات رفیعہ سے محروم ہو جائیں۔ جس کنویں سے پانی نکالنے والے کم ہو جائیں یا کوئی نہ ہے اسکے سوتے بند ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ شیخ موصل ہے، بعد وصول الی الحق کے وہ بھی علیحدہ ہو جاتا ہے۔ بس مرید رہتا ہے اور اللہ میاں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے مشاطہ اور دولھن کہ دولھن کو خلوت میں پہنچا کر مشاطہ رخصت ہو جاتی ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا ۔

جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز　　　　وقت خلوت نیست جز شاہ عزیز

البتہ یہ بات پھر بھی رہتی ہے کہ شیخ کی مخالفت کرے گا تو سب مقامات سلب ہو جاتے ہیں کیوں کہ یہ ناشکری ہے۔

میرے والد ماجد کی ایک حکایت از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ حضرتؒ کو اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ گہرا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے تھا اور میرے والد ماجد مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرتؒ کے ہمسبق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد تھے اور دوسرے شاگردوں سے زیادہ خصوصیت رکھتے تھے۔ والد ماجدؒ نے اپنا ایک واقعہ سنایا تھا جسکو حضرتؒ نے بھی بارہا اپنی مجالس میں ذکر فرمایا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دیر تک مصروف گفتگو رہے۔ والد ماجد اس زمانے میں پچھلے بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اگرچہ صاحب جلال بزرگ مشہور تھے مگر والد صاحبؒ پر خاص عنایات تھی اسلیے بے تکلف ایک سوال پیش کر دیا کہ بزرگان سلف میں اسکا بڑا اہتمام تھا کہ کلام کم کیا جائے۔ زیادہ گفتگو سے منع فرماتے تھے۔ اس کی حد کیا اور اسکا کیا مطلب ہے۔

حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ اصل مقصد تو ناجائز کلام سے بچنا ہے مگر بعض اوقات ناجائز سے بچنے کیلئے بطور علاج کے جائز و مباح کلام کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اسکے بغیر نفس صرف جائز کلام پر قناعت نہیں کرتا۔ شدہ شدہ حرام و ناجائز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ والد صاحب ایک کتاب ہاتھ میں لیئے ہوئے تھے اسکو اپنے ہاتھ میں لے کر اسکے ایک ورق کو موڑ دیا۔ پھر والد صاحب کو دیا کہ "اس مڑے ہوئے ورق کو سیدھا کرو" والد صاحب نے سیدھا کر دیا مگر وہ پھر مڑ گیا اور بار بار ایسا کرنے پر بھی سیدھا نہیں ہوا

توحضرت مولینا نے پھر کتاب اپنے ہاتھ میں لیکر اس مڑے ہوئے ورق کو دوسری طرف موڑ دیا اور پھر والد صاحب کو دیا کہ اب سیدھا کرو۔ والد صاحبؒ نے اسکو سیدھا کیا تو وہ سیدھا ہوگیا اور اپنی جگہ ٹھہر گیا۔ یہ محسوس مثال دکھلانے کے بعد فرمایا کہ صوفیائے کرام جو مجاہدات کراتے ہیں اسکی یہی مثال ہے کہ اصل مقصود تو اعتدال پر قائم رہنا ہے لیکن خم خوردہ نفس اعتدال پر اسوقت تک نہیں آتا جب تک اسکو بالکل دوسری طرف نہ موڑ دیا جائے یعنی بہت سے مباحات اور جائز امور سے بھی روک دیا جاتا ہے تب وہ اعتدال پر آتے ہیں کہ ناجائز سے بچنے لگیں۔ یہ مجاہدات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ علاج ہوتے ہیں۔" جو اس حقیقت پر غور نہیں کرتے وہ ان صوفیائے کرام پر اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ حلال چیزوں سے روکتے ہیں حالانکہ انکا روکنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی حکیم معالج اپنے مریض کو کسی پاک صاف حلال طیب چیز کے کھانے سے اسلیے روکتا ہے کہ وہ اسکے مزاج میں بیماری پیدا کرے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس نے خدا کے حلال کو حرام کر دیا۔

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک آیت کی تفسیر

فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں جو یہ آیت آتی ہے لاعاصم الیوم الا من رحم اس کی تفسیر میں اکثر ائمہ تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ یہاں عاصم بمعنے معصوم ہے۔ فرمایا کہ اسمیں تکلف ہے اور بے تکلف تفسیر یہ ہے کہ یہاں اصل میں دو جملے تھے۔ ایک لاعاصم الیوم الا اللہ دوسرا لامعصوم الا من رحم۔ ان دونوں کو ملا کر ایک جملہ میں ادا کر دیا گیا لاعاصم الیوم الا من رحم۔

مولینا جامیؒ کے ایک شعر کا صحیح مفہوم

مولینا جامی رح نے مولینا روم کی مثنوی کے متعلق فرمایا ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

اسکا ظاہر مطلب لیا جائے تو غلط ہونا اسکا ظاہر ہے اور شاعرانہ مبالغہ پر محمول کرنا بھی رسول و قرآن کے معاملہ میں مولینا جامی سے بہت بعید ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہمارے حاجی صاحبؒ اس کی تشریح یہ فرماتے تھے کہ یہاں قرآن سے مراد قرآن معروف نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے۔ جو وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے۔ اس تشریح پر کوئی اعتراض نہیں رہتا کیونکہ مضامین مثنوی قرآن و سنت

سے باہر کہیں نہیں۔

دفع آسیب کیلئے حاضرات کا مسئلہ

ایک صاحب نے حضرتؒ سے خط میں سوال کیا، کہ آسیب کے علاج کیلئے کچھ لوگ حاضرات کا عمل کرتے ہیں اسمیں بعض غیر مشروع چیزیں بھی کی جاتی ہیں اسکو اگر دوا کیا جائے تو کیا جرم ہے جبکہ فقہاء کے نزدیک دوا و علاج کیلئے بعض حرام چیزوں کے استعمال کے جواز پر فتویٰ بھی منقول ہے۔

حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اس تدبیر سے آسیب دفع ہو جاتا ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک بالکل غلط اور دھوکا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے خود اسکی تحقیق ہے کہ یہ محض ایک خیال کا تصرف ہے۔ اگر مجلس میں کوئی آدمی اسکے خلاف خیال جما کر بیٹھ جائے تو پھر کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ پھر چند واقعات کا ذکر فرمایا جن سے اسکا مسمریزم کی قسم ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

(۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ بعد ظہر)

دنیا میں کسی کے تعلق پر بھروسہ نادانی ہے

فرمایا کہ دنیا میں اسطرح رہنا چاہیئے کہ اسکا کوئی نہیں بالکل اکیلا ہے پھر فرمایا کہ یہ حال نصیب تو نہیں۔ مگر تمنا ضرور ہے اور فرمایا ؎

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد ۔۔۔ زہے بار ند درختاں کہ ثمر ہا دارند

(۸۔ ربیع الثانی ۵۰ھ)

احقر جامع کہتا ہے کہ اسکے کچھ دن کے بعد حضرت قدس سرہ نے ایک تنہائی کے موقع میں احقر سے ذکر فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنے آپکو تنہا پاتا ہوں، تعلقات و علائق سب ہیں اور سب کے حقوق ادا بھی کرتا ہوں مگر پھر اپنے کو تنہا پاتا ہوں ؎

می دہد یزداں مراد متقین ۔۔۔ تو چناں خواہی خدا خواہد و چنیں

اختلاف علماء کے موقع میں حضرتؒ کا اعتدال

واقعہ احمد حسن :۔ حضرتؒ کی خدمت میں عرصہ دراز سے ایک عالم رہتے تھے۔ ذی علم ہونے کی بناء پر حضرتؒ نے ایک کتاب کی تصنیف کا کام بھی انکے سپرد فرما دیا تھا جسکی تنخواہ انکو عطا فرماتے تھے۔ مولوی صاحبؒ موصوف خشک کتابی تقویٰ کے بڑے

دلدادہ تھے۔ اور حضرتؒ پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ ان میں تقویٰ نہیں۔ حضرت کو اسکا علم ہوتا تو فرماتے کہ وہ سچ کہتے ہیں مَیں کہاں کا متقی ہوں۔ اس پر کبھی ناگواری پیش نہیں آتی۔

اتفاقاً اسی زمانہ میں تحریک خلافت چلی جسمیں کانگریس کے ہندو بھی شریک ہوگئے اور ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پر آزادی ہند کی تحریک نے خلافت کی جگہ لے لی۔ اس ہندو مسلم اشتراک نے جگہ جگہ خلاف شرع امور کو رواج دیا۔ بعض اکابر علماء نے اصل مقصد یعنی انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کو اہم سمجھ کر اس اشتراک کو قبول کیا اور جہاں اس اشتراک کی وجہ سے خلافِ شرع امور کا ارتکاب ہوتا تو وہ اس پر نکیر بھی فرماتے۔ مگر تحریک عوامی ہو چکی تھی۔ علماء کی فکر کا اثر بہت محدود دائرے میں رہتا ہے اور عام مسلمان غلط راستہ پر پڑ کر کفر و اسلام کا امتیاز کھوتے جاتے تھے۔ حضرتؒ اسطرح اشتراک کو شرعاً جائز بھی نہ جانتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کیلئے انجام کار مفید بھی نہ سمجھتے تھے۔ (جیسا کہ بعد کے واقعات نے اسکا مشاہدہ کرا دیا) لیکن جو علماء اسکے جواز کے قائل تھے انکا احترام و ادب ہمیشہ قائم رہا انکے قول پر عمل کرنے والوں کیساتھ وہی معاملہ رہا جو اجتہادی مسائل کے اختلاف میں رہنا چاہیئے۔

مولوی صاحب مذکور اس معاملے میں بھی حضرتؒ کے خلاف کانگرس کے حامی علماء کیساتھ متفق الرائے تھے۔ اس حد تک حضرتؒ کو کوئی ناگواری نہ تھی مگر وہ کچھ آگے بڑھے اور خانقاہ امدادیہ میں رہتے ہوئے حضرتؒ کے فتویٰ کے خلاف فتاوی شائع کئے کرائے۔ جلسوں میں تقریریں کیں۔ خانقاہ میں آنے والوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوششوں میں تیز ہوگئے تو حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ:۔

"مَیں آپکو آپکی رائے سے نہیں روکتا کہ مسئلہ اجتہادی ہے مگر ایک جگہ رہ کر اختلاف کرنا مناسب نہیں۔ اسلئے اب مصلحت یہ ہے کہ آپ اپنے وطن چلے جائیں اور جو تصنیف کا کام آپ یہاں کر رہے وہاں جا کر کریں اور یہی تنخواہ جو آپکو یہاں مل رہی ہے وہاں پہنچتی رہے گی۔ پھر آپ کھل کر خلافت و کانگرس کی موافقت میں فتوی دیں اور تقریریں کریں مجھے کوئی گرانی نہیں ہوگی۔ پھر جب یہ تحریک یکسو ہو جاوے تو پھر یہاں آجائیے"

حضرتؒ نے فرمایا کہ مگر خدا کے بندے نے کسی چیز کو نہ مانا" مولوی صاحب بہت مدعی تقویٰ تھے حیدرآباد وغیرہ ریاستوں سے جو وظائف علماء یا مدارس کو ملتے تھے ان سب کو حرام کہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اسکا تقویٰ صرف کتابی تھا کسی بزرگ کی صحبت میں اصلاحِ نفس کے قصد سے رہے نہیں تھے اور محض کتابوں اور مطالعہ پر اعتماد کرنے والے عموماً ایسی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

انعام اور استدراج میں فرق

بعض فساق فجار بلکہ کفار کو بھی دنیا میں بہت نعمتیں مال و دولت حکومت و ثروت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہے جو انکے لئے انجام کار اور زیادہ غفلت اور سرکشی کا سبب بنکر آخرت کا عذاب شدید بنجاتی ہے یہ ظاہری نعمت درحقیقت سزا ہوتی ہے اسکو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں استدراج کہا جاتا ہے۔

حضرتؒ نے ایک روز ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو حق تعالیٰ نے آپکو عطا فرمائی تھیں۔ پھر فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ پھر فرمایا مگر ایک بات سے امید ہوتی ہے کہ استدراج نہیں۔ وہ یہ کہ مجھے استدراج کی فکر اور خوف لگا رہتا ہے۔ اور جس شخص کی نعمتیں اللہ کی طرف سے بطور استدراج ہوتی ہیں اسکو یہ فکر ہی کبھی نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں نعمت زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی غفلت اور بڑھتی جاتی ہے۔

ایک لطیفہ

حضرتؒ کے ماموں کا نام امداد علی تھا۔ درویش صفت آدمی تھے مگر کچھ بدعات میں مبتلا اسلئے حضرتؒ سے نہیں بنتی تھی انھوں نے اپنی خانقاہ کا نام خانقاہ امداد علی رکھا تھا اور تھانہ بھون کی مشہور خانقاہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ کے نام سے موسوم خانقاہ امداد اللہ کہلاتی تھی۔ بطور ظرافت کے فرمایا کہ خانقاہ امداد اللہ اور خانقاہ امداد علی میں وہی فرق ہے جو اللہ میاں اور حضرت علیؓ کے درمیان ہے

ایک لطیفہ

مولانا.............نے جو کانگریس کے حامی تھے حضرت رح کو خط لکھا کہ میں آپکی خدمت میں حاضری کا قصد کرتا ہوں مگر میں نے سُنا ہے کہ آپ کانگریسیوں سے چھوت کا معاملہ کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ اس تہمت کا تو میرے پاس کوئی علاج نہیں مگر میں نے سُنا ہے کہ آپکے مزاج میں جلال اور غصہ زیادہ ہے اور میں بھی کچھ ایسا ہی ہوں تو آپ فرمایئے کہ یہ جلالین کا سبق کون پڑھائے گا۔ اس خط نے انکو حاضری کیلئے مزید آمادہ کر دیا اور تشریف لائے۔ شگفتہ ملاقات رہی۔ پھر یہ کہکر گئے کہ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو آپ کو متشدد کہتے ہیں۔

باطنی امراض کے علاج کیلیے خداداد بصیرت

فرمایا کہ طالبین سلوک میں سے ایک شخص نے خط میں لکھا کہ مجھ میں کبر بہت ہے اور فرمایا کہ مجھے بھی محسوس ہوا کہ واقعی ہے انکا یہ احساس غلط نہیں۔ میں نے انکے لئے یہ علاج تجویز کیا کہ اپنا یہ مرض خط میں لکھ کر میرے پاس بھیج دو اسی طرح پانچ مرتبہ یہ کام کرو۔ ارشاد فرمایا کہ بحمد اللہ پانچ مرتبہ لکھنے کی نوبت پوری ہونے سے پہلے ہی یہ مرض جاتا رہا۔

مشائخ طریق کو جنھیں حق تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق کی خدمت عطاء کر دیجاتی ہے ان کو ہر شخص کے علاج کیلئے نئی نئی تدبیریں بھی سکھا دی جاتی ہیں۔ جو زمانے اور مقام اور افراد کی خصوصیات پہ نظر کر کے یہ حضرات تجویز کرتے ہیں اور انکا نفع مشاہدہ میں آتا ہے یہ کوئی عام ضابطہ نہیں کہ پانچ مرتبہ اپنی بیماری لکھکر طبیب کے پاس بھیج دو تو شفاء ہو جائے۔ غالباً اس تدبیر میں دو چیزیں پیش نظر رہی ہیں ایک یہ کہ بیمار کو اپنی بیماری کا مکمل استحضار کم از کم چالیس روز رہے اور وہ خود اسکے ازالہ کی فکر میں لگے کیونکہ ڈاک کے ذریعہ خطوط کے پانچ مرتبہ آنے جانے میں تقریباً چالیس روز خرچ ہو ہی جاتے ہیں دوسرے یہ کہ ہر مرتبہ حضرت کی دعاء اور توجہ بھی انکو حاصل ہوتی رہے۔ واللہ اعلم۔

آیت ولقد یسرنا القرآن پر ایک شبہ اور جواب

قرآن کریم نے متعدد مرتبہ اس کلام کو دہرایا ہے کہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر یعنی ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس پر عام طور پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن کے علوم و معارف تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اور علماء کو اپنی عمریں صرف کرنے کے بعد بھی اُن پر احاطہ نہیں ہو سکا تو پھر اسکو آسان فرمانے کا کیا مطلب ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیسیر (آسانی) مسائل میں ہے دلائل میں نہیں یعنی قرآن مجید نے جو احکام دیئے ہیں انکو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں۔ البتہ انکے دلائل اور حکمتیں اور شبہات کے جوابات، انمیں یُسر کا ذکر نہیں۔ وہ اپنی جگہ محنت اور غور و فکر چاہتے ہیں۔

حق کی شناخت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھدی ہے اور اس کا علم ضروری دیا ہے

ارشاد فرمایا کہ آج رات الحمدللہ ایک علم عظیم عطا ہوا وہ یہ کہ جو شخص کفار کے گھر میں پیدا ہوا انھیں میں پلا اسکو یہ کبھی وسوسہ بھی نہ آیا کہ میں جو کام کر رہا ہوں یا اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کچھ میرا عقیدہ ہے یہ شاید غلط ہو اسی طرح دوسرے کسی باطل کام میں جو شخص اسطرح رہا ہو کہ اسکو حق کا دھیان کبھی آیا ہی نہیں ایسے شخص کے متعلق مجھے ہمیشہ یہ خلجان رہتا تھا کہ یہ تو معذور قرار دیا جانا چاہیئے۔ پھر ابدی عذاب میں اسکا مبتلا ہونا سمجھ میں نہ آتا تھا کیونکہ ایسا آدمی جسکو غلطی کا وسوسہ اور دھیان بھی کبھی نہیں آیا جس کی وجہ سے اسکو تحقیق کرنے کا موقع ملتا تو تحقیق نہ کرنا اسکیلئے

کوئی جرم نہیں کہا جا سکتا مگر آج معلوم ہوا کہ حق کا علم ضروری اللہ تعالیٰ ان سبکو عطا فرما دیتے ہیں جن کو احکام کا مکلف کیا گیا ہے مگر بعض جگہ اسکا ظہور موانع کی کثرت کے سبب نہیں ہوتا۔ ورنہ درحقیقت فطری اور ضروری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف انسان کو اتنی سمجھ عطا فرمادی ہے کہ اگر وہ خالی الذہن ہو کر غور کرے تو اسکو یہ علم ضروری یقیناً حاصل ہو جائے گا (یعنی کم از کم اتنا ضرور سمجھ میں آ جائے گا کہ یہ خود اور یہ سارا عالم خود بخود نہیں بنا۔ اسکا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ بھی کہ وہ پیدا کرنے والا سارے جہان سے زیادہ علم و قدرت رکھنے والا ہے اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور یہ کہ جسنے ہمیں اور سارے جہان کو پیدا کیا ہے اور ہر وقت اسکی طرف سے ہمیں نعمتیں مل رہی ہیں ہمارا فرض ہے کہ اسکی پسند و ناپسند کو پہچانیں اور ناپسند چیزوں سے اجتناب کریں اسکی پسند کے کام کریں اور جب اتنی سمجھ آگئی تو اللہ کی پسند و ناپسند کی تحقیق کرنا اس پر لازم ہو گیا اور ذرا تحقیق کرتا تو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے پیغمبر اور اپنی کتابیں بھیجی ہیں جنمیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کی تاکید اور ناپسندیدہ سے پرہیز کرنے کی ہدایات ہیں بس یہی مکمل ایمان اور حق پرستی ہے) غرض اللہ تعالیٰ نے حق کے پہچاننے کیلئے بہت راستے رکھ دیئے ہیں۔ اور ہر مشکل کا حل رکھ دیا ہے ؎

در فیض است منشین ناامید این جا | برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

صوفی کی تعریف

ارشاد فرمایا کہ صوفی کا ترجمہ میرے نزدیک عالم باعمل ہے (لوگوں نے اس میں نہ جانے کیا کیا شرطیں قیدیں لگائی ہیں جو اسکی تعریف کا جز نہیں بلکہ عمل کے ثمرات و برکات ہیں جو ہر شخص کیلئے الگ الگ ہوتے ہیں)۔

ایک حدیث کی تشریح

مقاصد حسنہ میں علامہ سخاویؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے اطلبوا الخیر عند احسان الوجوہ یعنی جو لوگ شکل و صورت سے اچھے ہوں ان سے خیر اور بھلائی کی توقع رکھو۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صورت کو سیرت کا ترجمان بنایا ہے جس شخص کو اللہ نے صورت اچھی دی ہے وہ علامت ہے حسن سیرت کی اسی طرح جس شخص کی شکل و صورت میں کوئی عیب ہے وہ بمقتضائے اصل علامت ہے عیب باطنی کی لیکن کسی خاص جگہ عوارض کی وجہ سے حال مختلف ہو جائے تو وہ ضابطہ کے خلاف منافی نہیں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون کو اسطرح بیان فرمایا ہے:۔

گنہ عفو کرد آلِ یعقوبؑ را   کہ معنے بود صورت خوب را!

حضرت امام باقرؒ کے واقعہ میں کہا گیا ہے

چشم ازرق موئے گون رنگ نے رد   ایں چنیں کس باکسے نیکی نکرد!

مشائخ وعلماء کیلئے ایک اہم وصیت

فرمایا کہ جسطرح کوئی طبیب ڈاکٹر بیمار ہو جائے تو اپنا علاج خود نہیں کرتا دوسرے معالج کی طرف رجوع کرتا ہے اسی طرح مشائخ وقت اور مقتداء لوگوں کو اگر کسی وقت اپنے نفس میں کوئی روحانی مرض محسوس ہو تو انکو چاہیے کہ کسی اپنے بڑے سے رجوع کریں اگرچہ وہ سلوک میں اپنے سلسلہ کا نہ ہو۔ مگر اہلِ حق میں سے متبع سنت ہو۔ اور اگر کسی شخص کا ضابطہ کا کوئی بڑا نہ رہے (ضابطہ کا اسلئے کہا کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اسکی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) تو اسکو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں میں ہی سے معتمد لوگوں کے سامنے اپنا حال پیش کر کے مشورہ لے۔ توقع ہے کہ صحیح علاج سمجھ میں آجاوے گا۔

اتفاق اور اختلاف و شقاق کی اصل بنیاد

فرمایا کہ ہمارے حضرت مرشدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی بنیاد تواضع پر ہے اسی طرح باہمی شقاق و منافرت کی بنیاد کبر ہے۔ (اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے دوسری چیز ہے وہ کبھی شقاق و منافرت پر منتج نہیں ہوتی) پھر فرمایا کہ الحمد للہ خانقاہ کے لوگوں میں باہمی کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں۔ سبب یہ ہے کہ سب میں تواضع ہے ہر ایک دوسرے کو بڑا اور بہتر سمجھتا ہے۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولینا محمد صدیق صاحب گنگوہیؒ نے سید احمد خان صاحبؒ بانی علیگڑھ کالج سے خود سنا وہ فرماتے تھے کہ لوگ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ محدث دہلوی کو متشدد کہتے ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے ہم نے خود انکے معاملات کو دیکھا ہے وہ اپنے نفس کے معاملہ میں تو بیشک متشدد تھے کہ کسی خلاف اولیٰ فعل کو اپنے لئے گوارا نہ کرتے تھے مگر عام لوگوں کیلئے بڑے نرم تھے۔ پھر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مولینا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی بھی ایسے ہی ہیں انکا تشدد اپنے نفس کے حق میں ہے۔

احقر کہتا ہے کہ میں نے اپنے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کو بھی ایسا ہی پایا ہے اپنے نفس کے

معاملہ میں سخت تھے۔ بعض چیزوں کے جواز کا فتویٰ لوگوں کو دیتے تھے مگر اسمیں ذرا بھی شبہ ہوتا تو خود احتیاط فرماتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات احقر کے سامنے پیش آئے بلکہ ایک واقعہ تو حضرتؒ نے احقر ہی سے ایک فقہی سوال کا جواب لکھوایا پھر اسکی تصدیق بھی فرمائی اور اسکے مطابق سبکو فتویٰ بھی دے دیا۔ لیکن اسمیں ایک معاملہ اپنی ذات کا تھا تو خود اس فتویٰ پر عمل نہیں کیا بلکہ احتیاط پر عمل کیا۔ معاملہ کچھ خاندانی حقوق اور تقسیم میراث کا تھا جس کیلئے ہزاروں روپیہ اس احتیاط کی بناء پر حضرتؒ نے ان عزیزوں میں تقسیم کیا جسکا حق معلوم ہوتا تھا۔ انگریزی رنگوں کی روشنائی جو لکھنے میں کام آتی ہے اس میں اسپرٹ شامل ہونے کی خبر حضرتؒ کو پہنچی اور بعض اسپرٹ حرام ہونے کے ساتھ نجس بھی ہوتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ روشنائی میں کسطرح کا اسپرٹ استعمال کیا جاتا ہے اسلئے شروع میں حضرتؒ اس روشنائی سے لکھنے کو منع فرماتے تھے اور ایسی روشنائی سے لکھے ہوئے کاغذ کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کو بھی منع فرماتے تھے۔ پھر بعض لوگوں نے تحقیق کر کے ایک تو یہ بتلایا کہ اسمیں استعمال ہونے والا اسپرٹ وہ نہیں جو ناپاک ہوتا ہے (یعنی جو کھجور یا انگور سے بنا گیا ہو)۔ دوسرے واقعات یہ بتلائے کہ اس زمانے میں اس اسپرٹ سے کوئی چیز خالی نہیں۔ پریس میں چھپائی کیلئے جو روشنائی استعمال ہوتی ہے اسمیں بھی اسپرٹ ہے جس سے قرآن بھی چھاپے جاتے ہیں۔ جلدوں کے رنگ میں اسپرٹ شامل ہے۔ اسی طرح عام استعمالی چیزوں میں کہیں نہ کہیں اسپرٹ شامل ہوتا ہے۔

اس پر حضرتؒ نے فتویٰ تو لوگوں کیلئے جواز کا دے دیا لیکن خود عمر بھر نہ یہ روشنائی استعمال فرمائی اور نہ رنگ کی روشنائی سے لکھے ہوئے کاغذ کو جیب میں رکھکر کبھی نماز پڑھی۔

ایک مرتبہ مجھے ایک کاغذ کسیکو دینے کیلئے عطا فرمایا جو رنگ سے لکھا ہوا تھا میں نے حضرتؒ کے سامنے ہی جیب میں رکھ لیا۔ آپ خانقاہ سے مکان تشریف لیگئے وہاں جاکر یاد آیا کہ میں نے یہ کاغذ جیب میں رکھ لیا تھا تو وہیں سے آدمی بھیج کر متنبہ کیا کہ اس کاغذ کو جیب میں رکھکر نماز نہ پڑھنا۔ مگر یہ سب اپنے عمل میں تھا دوسروں کیلئے جواز کا فتویٰ تھا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

بزرگوں سے حاصل کرنے کی اصل چیز، ایک تعلیمیافتہ کے خط کا جواب

ایک انگریزی تعلیمیافتہ شخص نے خط میں لکھا کہ میں احکام شرعیہ سے کچھ واقف ہوں اور

جتنا واقف ہوں ان پر عمل بھی کرتا ہوں لیکن میں اس چیز سے واقف نہیں جو بزرگوں کی صحبت سے حاصل کی جاتی ہے۔ حضرت ؒ نے جواب میں فرمایا کہ وہ چیز تعلق مع اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت و اطاعت کا گہرا تعلق (جسکی بناء پر احکام شرعیہ کی تعمیل آسان اور خلاف ورزی مشکل نظر آنے لگتی ہے)۔ انھیں صاحب نے ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ میں چاہتا ہوں کہ عبادت کی دلی رغبت اور شوق پیدا ہو جائے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ امر غیر اختیاری ہے اسکے درپے نہ ہو۔

علمِ دین کا بے مثال ادب

فرمایا حضرت مجدد الف ثانی ؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کیلئے لگا لیا جاتا تھا۔ فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور اسکے دھونے کے بعد تشریف لیگئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو بھی علم کے ساتھ ایک تلبس و نسبت ہے۔ بے ادبی معلوم ہوئی اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں۔

جو لوگ ہر وقت اپنے دل کو بُری چیزوں سے صاف رکھنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ہر وقت اہتمام رکھتے ہیں انکا یہی حال ہوتا ہے کہ ادنیٰ کوتاہی سے بھاگتے ہیں اور ادنیٰ سی نیکی کو بھی چھوڑتے نہیں کیونکہ بعض اوقات ادنیٰ سی چیز محبوبِ حقیقی کی خاص توجہ سے حجاب بنجاتی ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک ست اندک نیست
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

یہ ثمرات و برکات عشق کے ہیں۔

مثنوی رومی ؒ کے ایک شعر کی صحیح شرح

زان طرف کہ عشق می افزود درد
بو حنیفہ ؒ شافعی ؒ درسے نکرد

اس شعر سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ و شافعی عشق مولیٰ سے خالی تھے اسی لیے انکی تعلیمات میں درس عشق نہیں اور یہ واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ جتنے آئمہ مجتہدین گذرے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو حق تعالیٰ کی محبت میں عشق کا درجہ نہ رکھتا ہو۔ امام غزالی ؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم میں آئمہ اربعہ کے ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے اُن کا صاحبِ دل اور عاشقِ حق ہونا ثابت ہوتا ہے اسلئے بظاہر مولینا رومی کا یہ شعر خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ اس شعر کی شرح میں صرف ایک کلمہ

فرما کر سب شبہات دور کر دیتے تھے وہ کلمہ یہ تھا (اے علماء ظاہر) یعنی یہاں ابو حنیفہ شافعی کے ناموں سے خود یہ آئمہ مراد نہیں بلکہ مراد علماء ظاہر ہیں جیسے مشہور مثل (لکل فرعون موسیٰ) میں فرعون و موسیٰ کے نام مقصود نہیں بلکہ گمراہ اور ہادی مراد ہیں اور ابو حنیفہ شافعی کو علماء ظاہر کہنا بھی عوام کی سطحی اصطلاح کی بناء پر ہے ورنہ یہ بزرگ جیسے علماء ظاہر تھے ویسے ہی علماء باطن بھی تھے۔

شعبان ۱۳۵۰ھ

مصنفین کتب کیلئے خاص ہدایت

فرمایا کہ جب میں تصنیف کا کام کرتا تھا تو عادت یہ تھی کہ ہر وقت کاغذ پنسل میری ساتھ رہتے تھے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کوئی مضمون یاد آگیا تو فوراً لکھ لیتا تھا۔ آدھی رات کو کوئی چیز یاد آتی تو لکھ کر سوتا تھا۔ کیونکہ بعض اوقات مضمون ذہن سے غائب ہو جاتا ہے سوچنے سے بھی نہیں آتا۔ پھر فرمایا کہ اب تو سب سے فارغ ہو گئے ؎

اے جنون گرد تو گردم کہ چہ احسان کردی ٭ فارغ از دغدغہ دست و گریبان کردی

اصول شرعیہ کی رعایت کے ساتھ لوگوں کے نفسیات کی رعایت کا اہتمام

تعلیم و تبلیغ اور دعوت الی الخیر میں قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کو سب سے پہلے حکمت اسکے بعد موعظت حسنہ کی ہدایت فرمائی ہے ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة۔ تجربہ شاہد ہے کہ دعوت حق کی تاثیر میں اسکو بڑا دخل ہے اور جہاں اسکا اثر نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے وہاں غور کیا جائے تو اکثر اس حکایت ربانی کی رعایت میں کمی و کوتاہی اسکا سبب ہوتی ہے۔ حضرت رح کو حق تعالیٰ شانہ نے جیسے علمی عملی ظاہری اور باطنی کمالات عطا فرمائے تھے اسیطرح پیغمبرانہ دعوت کے اصول بھی ہمیشہ مستحضر رہتے تھے۔ مریدین میں اہل علم حضرات جنکا اثر عوام پر ہوتا ہے ان میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اسکی معافی کیلئے یہ شرط ہوتی تھی کہ جو غلطی آپ نے علانیہ کی ہے اسکی توبہ بھی علانیہ ہونی چاہئے تاکہ عوام میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی اسکا کفارہ ہو جائے اس لئے اشتہار و اعلان شرط ہوتا تھا۔ بہت سے اہل علم حضرات نے ایسے اعلانات حضرت کے ایماء پر طبع کرا کر شائع کر دیئے ہیں اسی سلسلے کے ایک بہت بڑے مشہور عالم کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک معاملہ

سے حضرتؒ کو رنج پہنچا اور اپنے ساتھ خصوصی تعلق کو ختم کردیا۔ یہ عالم حقیقتاً عالم اور طالب حق تھے حضرت کے ترک تعلق کا ان پر بہت زیادہ اثر تھا بمعانی تلافی کی کوشش کی تو حسب عادت اعتراف غلطی کا اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ مگر خود حضرتؒ کو انکی علمی شہرت و وجاہت کی وجہ سے یہ احساس تھا کہ اعلان ایسا ہونا چاہیے جسمیں غلطی کا اعتراف تو پورا ہو مگر انکی وجاہت اس سے متاثر نہ ہو تاکہ عوام و خواص کے علمی افادہ و استفادہ جو ان سے متعلق ہے کوئی خلل نہ آئے۔

ان تمام رعایتوں کی جامع عبارت لکھنا خود ان عالم صاحب کیلئے دشوار ہو رہا تھا۔ حضرتؒ نے احقر کے سامنے فرمایا کہ لاؤ بھائی یہ اُن سے نہ بن پڑیگا میں خود انکی طرف سے لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ حسب ذیل مضمون تحریر فرمایا جسکا عنوان بھی اعتراف غلطی وغیرہ کے بجائے شکر نعمت رکھا کہ انکی علمی شہرت و حیثیت متاثر نہ ہو۔ اس میں حضرتؒ سے اجازت لیکر بعض جملے خود ان بزرگ عالم نے بڑھائے۔ یہ مضمون حسب ایماء حضرتؒ، دیوبند کے ماہنامہ قاسم العلوم ماہ شوال ۱۳۵۲ھ کا ضمیمہ ہوکر شائع ہوا۔ مضمون یہ ہے:۔

شکرِ نعمت

چند سال پہلے اصلاح دارالعلوم دیوبند کی نیت سے جو تحریک اٹھی تھی سب جانتے ہیں کہ اسمیں یہ عاجز بھی حصہ دار تھا۔ سلسلہ واقعات نے تکوینی طور پر جو صورت اختیار کرلی بلاشبہ وہ دارالعلوم کے وقار اور مفاد کو صدمہ پہنچانے والی تھی جسپر تمام دردمندان دارالعلوم کی طرح اس عاجز کو بھی انتہائی قلق و تاسف تھا خصوصاً حضرت مخدومی و مطاعی حکیم الامت مولینا تھانوی مدظلہم کے قلب گرامی پر اس کا اثر بہت زیادہ رہا۔

اس دوران میں سب سے بڑی چیز جو خصوصاً میرے قلب کو محزون و معذم کرنے والی تھی وہ حضرت ممدوح کے دامن لطف و عنایت سے ایک طرح کا ظاہری انقطاع اور حضرت قاسم العلوم والخیرات نانوتوی قدس اللہ روحہ کے گھرانے سے ایک قسم کی بے تعلقی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بعض بہی خواہوں کی سعی جمیل ہے۔ یہ صورت حال ختم ہوئی اور حضرت مولینا تھانوی مدظلہم کی دیرینہ شفقت، میری تمنا اور خواہش پر عملی رنگ میں پھر عود کر آئی اور خاندان قاسمی سے بھی اپنے روایتی تعلقات پھر تازہ ہوگئے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی یہ عظیم نعمت ہے کہ میرے بزرگ میری نیت کی طرف سے مطمئن ہیں اور میری کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے ہیں۔ میں صدقِ دل سے اللہ جل شانہ کے انعام واحسان اور اپنے بزرگوں کی نوازش وقدر افزائی کا شکر گذار ہوں اور رب کریم سے حسن عمل کی توفیق چاہتا ہوں۔ وھو المعین المستعان۔

.... عفا اللہ عنہ۔ ۱۲ رشوال ۱۳۵۳ھ

ایک عبادت کے ایصال ثواب میں چند آدمیوں کو شریک کیا جائے، تو ثواب تقسیم ہوگا یا سبکو برابر ملیگا

ارشاد فرمایا کہ ایصال ثواب اگر چند لوگوں کو مشترک طور پر کیا جائے تو حضرت گنگوہیؒ تقسیم کے قائل تھے لیکن بعد میں بعض روایات کی بناء پر میرا خیال یہ ہوگیا کہ سبکو برابر ثواب ملیگا اسکی تحقیق امداد الفتاوی میں مفصل لکھدی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ اسمیں تعدی کیا ہے۔ حق تعالیٰ کی تو شان بہت بڑی ہے۔ ایک چراغ سے سینکڑوں چراغ جلائے جاتے ہیں اس چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

شیطان کو معلم الملکوت کہنے کی شہرت

ارشاد فرمایا کہ یہ بات بہت مشہور ہے مگر اسکی تصدیق کسی روایت سے نظر میں نہیں آتی اور نہ یہ بات فی نفسہ سمجھ میں آتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس درجہ کا بڑا عالم تھا کہ معلم الملکوت ہوسکتا تھا۔ شعراء نے عموماً اسکو لیا ہے یہانتک کہ خاقانی نے بھی اپنی نظموں میں لکھا ہے۔ خاقانی بہت بڑے آدمی تھے مگر محقق بڑے نہ تھے۔

مخلوق کی ناراضی میں بعض اوقات حکمت ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے سے کچھ لوگوں کو بدگمان کردیتے ہیں وہ ان کو بُرا کہنے لگتے ہیں اسمیں انکی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ توجہ الی اللہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے

خلق را با تو چنین بدخو کنند ۔۔۔ تا ترا ناچار رو آنسو کنند

دنیا کی فکر سے آخرت کی فکر مقدم ہونا چاہیئے

اس مضمون پر مولینا رومیؒ کا یہ شعر ارشاد فرمایا ہے

خواب ناید مر ترا از بیم دلق　　　خواب چون آید ترا با بیم حلق

یعنی اگر تمھیں کسی جگہ اپنے کپڑے چوری ہو جانے کا خطرہ ہو تو رات کو نیند نہیں آتی لیکن جن کاموں میں جان کے ہلاکت میں پڑنے کا خطرہ ہو تو تمھیں انکے ساتھ کیسے نیند آجاتی ہے۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ نے عربی شعر میں فرمایا ہے ؎

وکیف تنام العین وھی قریرۃ　　　ولو تدر فی ای المحلین تنزل

یعنی انسان کی آنکھ ٹھنڈی ہو کر آرام کے ساتھ کیسے سو سکتی ہے جبکہ اسکو یہ خبر نہ ہو کہ دو مقام جنت و دوزخ میں سے کہاں اسکا ٹھکانا ہوگا۔

بعض اوقات مہر بصورت قہر ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ حالی مرحوم کا ایک مصرع ہے ؎ مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح!

بعض اوقات کسی انسان کو ایک تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وہ درحقیقت اس سے بڑی کسی تکلیف کا علاج ہوتا ہے یہ چونکہ حقیقت سے بے خبر ہے اسلیے شور مچاتا اور پریشان ہوتا ہے۔

ایک آیت پر منطقی اشکال اور اسکا جواب

ارشاد فرمایا قرآن کریم میں ہے ولو علم اللہ فیھم خیرا لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون۔ منطقی قاعدے سے یہ قیاس کی شکل اوّل ہے جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے ولو علم اللہ فیھم خیرا لتولوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو انمیں کوئی بھلائی معلوم ہوتی تو یہ منہ پھیر کر بھاگتے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کہ جواب اسکا یہ ہے کہ شکل اوّل کا نتیجہ جب صحیح نکلتا ہے جب حد اوسط مکرر ہو یہاں مکرر نہیں ہے کیونکہ لفظ اسمعھم جو مکرر آیا ہے وہ درحقیقت مکرر نہیں ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں کے معنی الگ الگ ہیں کیونکہ پہلے جملے میں اسمعھم سے مراد وہ سماع ہے جو علم خیر کیساتھ جمع ہوتا ہے یعنی سماع مقبول و مؤثر اور دُوسرے جملے میں سماع سے وہ سماع مراد ہے جو علم خیر کیساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی صرف کانوں سے سننا اور دل میں کوئی اثر نہ لینا۔ اسلیئے تقدیر عبارت دُوسرے جملے کی یہ ہے ولو اسمعھم مع عدم علم الخیر لتولوا یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہ جانتے ہوئے کہ ان کو حق بات سنانا مفید نہیں ہوگا پھر بھی سنائیں تو وہ سننے کے باوجود منہ پھیر کر بھاگے لیکن جیسے آیت ولو شاء اللہ ما اشرکنا جو اہل جہنم بطور عذر کے کہینگے یہ غلط ہوگا اور تقریباً یہی الفاظ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں ولو شاء اللہ ما اشرکوا

یہ عذر کریں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے شرک و کفر پر راضی نہ ہوتا تو ہم شرک کر ہی نہ سکتے تھے اور دوسرے جملے میں مشیت بمعنے ارادہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اگر ارادہ یہ ہوتا کہ لوگ شرک نہ کریں تو انکو شرک کرنے کی قدرت ہی نہ ہوتی کیونکہ اللہ کے ارادہ پر کسی کا ارادہ غالب نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اللہ کے ارادہ کے دنیا میں نہ کوئی اچھا کام ہو سکتا نہ بُرا۔ البتہ رضا، اللہ تعالیٰ کی اچھے کاموں کے ساتھ متعلق ہوتی ہے بُرے کاموں سے رضا متعلق نہیں ہوتی بلکہ بُرے کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

حکیمانہ جواب

ایک صاحب نے سورہ تبت یدا ابی لہب کچھ شبہات پیش کئے۔ یہ صاحب تعلیم یافتہ مگر علوم دین سے بیخبر تھے اور سوالات بھی دور از کار تھے حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ سمجھ نہیں سکتے۔ یہ بولے کہ عالم ہی کیا ہوا جو صحیح بات سمجھا نہ سکے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے اقلیدس تو پڑھی ہوگی۔ انھوں نے اقرار کیا حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آپکا نوکر گھوڑے کا سائس آپ سے پوچھے کہ اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل کا ثبوت آپ اسطرح بیان کریں کہ میں سمجھ سکوں تو جو تقریر آپ اس وقت فرما دینگے میں بھی اسکے سننے کا مشتاق ہوں۔ کیا آپکے پاس اسکے سواء کوئی جواب ہوگا کہ اسکا ثبوت بہت سے اصل موضوعہ اور علوم متعارفہ پر موقوف ہے جبتک تم انکو نہ سمجھ لو۔ پانچویں شکل کو نہیں سمجھ سکتے۔

عقیدہ تقدیر کی حکمت

قرآن کریم نے مسئلہ تقدیر کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم یعنی تقدیر خداوندی کے معتقد ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اگر تمہارا کوئی مقصود فوت ہو جاوے تو تم زیادہ افسوس اور رنج وغم میں گھلو اور اگر کوئی مقصود حاصل ہو جائے تو بہت زیادہ خوشی جو تکبر وغرور تک پہنچائے اسمیں مبتلا نہ ہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص دنیا کے تمام واقعات وحالات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے اور اسکا واقع ہونا ناگزیر ہے۔ کسی کی طاقت اسکو روک نہیں سکتی وہ عیش ومصیبت اور راحت وتکلیف کی دونوں حالتوں میں اعتدال پر رہتا ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا اسکی واضح مثال یہ ہے کہ دو شخص ہوں ایک قائل تقدیر دوسرا منکر تقدیر اور دونوں کے دو لڑکے ہوں اور دونوں اکلوتے ہوں۔ اور دونوں ایک ہی وقت ایک ہی مرض میں مبتلا ہو جاویں اور علاج معالجہ کے باوجود دونوں مر جاویں پھر دونوں کے متعلق یہ ثابت ہو جاوے کہ علاج میں غلطی ہو گئی تو اب دونوں کا حال دیکھئے منکر تقدیر کو عمر بھر اضطراب اور بےچینی رہے گی کبھی قرار نہ آئے گا۔

اور قائلِ تقدیر کو اسطرح کا اضطراب نہیں ہوگا کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ علاج کی غلطی بھی مقدر ہی تھی جس کا واقع ہونا ضروری تھا۔

دنیا کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب بنایا ہے جو کچھ ہوتا ہے اسباب کے پردوں سے اسکا ظہور ہوتا ہے۔۔ حقیقت ناشناس لوگ انھیں پردوں میں کھو کر رہ جاتے ہیں اور جنکو حقیقت کا علم ہے اور جانتے ہیں کہ اسباب عالم سب پردے ہیں۔ اصل فاعل تو قدرتِ حق ہے۔ حافظ شیرازیؒ نے خوب فرمایا ؎

این ہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود — با حریفاں آنچہ کرد آن نرگس مستانہ کرد

نرگس مستانہ کنایہ ہے عنایت حق سے۔

مدارس اسلامیہ کیلئے چندہ جمع کرنے کا طریقہ بقول حضرت شیخ الہندؒ

ارشاد فرمایا کہ مولینا مبارک علی (سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہندؒ مولینا محمود الحسنؒ کے سامنے کسی نے یہ شکل پیش کی کہ مدارس اسلامیہ کیلئے چندہ جمع کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں۔ لوگوں میں علم و علماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے۔ وغیر ذلک اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ چندہ کرو مگر غریبوں سے کرو

حضرت ؒ نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح علاج ہے وجہ یہ ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے تعظیم کیساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں ان پر بار خاطر بھی نہیں ہوتا۔ خوشدلی کیساتھ دیتے ہیں جسمیں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔

مگر اسپر یہ سوال ہوگا کہ غریب لوگوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا، مقدار چندہ بہت گھٹ جائے گی مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد زیادہ مالداروں کی کم رہی ہے اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں کی رقم جمع ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو زیادہ نہ بڑھاؤ کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔

مامون رشید کا ایک عبرت آموز واقعہ

فرمایا کہ ایک شخص خلیفہ ہارون رشید کے صاحبزادے مامون رشید کے پاس آیا اور حج ادا کرنے کیلئے ان

سے روپیہ مانگا۔ ماموں رشید نے کہا کہ اگر تم صاحب مال ہو تو سوال کیوں کرتے ہو۔ اور صاحب مال نہیں تو تم پر حج فرض نہیں اسلئے کہا کہ میں آپ کو ایک بادشاہ سمجھ کر آیا ہوں مفتی سمجھ کر نہیں آیا۔ مفتی تو شہر میں آپ سے زیادہ اچھے موجود ہیں۔ آپ مجھے فتویٰ نہ سنائیں جو دے سکتے ہیں دے دیجئے ورنہ انکار کر دیجئے۔ ماموں رشید کو اسکی بات پر ہنسی آگئی اور حج کیلئے رقم دے دی۔

حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کے جامع العلوم ہونے کا عجیب واقعہ!

حضرت امیر شاہ خانصاحبؒ جو حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ کے مرید خاص تھے اور بزرگان دہلی کے واقعات سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے انھوں نے فرمایا کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ اپنے خاندان میں غبی مشہور تھے کیونکہ خاندان سارا اکابر علماء کا ہے ایک سے ایک بڑھکر تھا۔ اگر اس بزرگ کی جو اس خاندان کا غبی مشہور تھا۔ ایک حکایت سنو تو تعجب ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ :

ایک روز ایک طالبعلم کو بیچین دیکھکر شاہ صاحب نے وجہ پوچھی تو اولاً اس نے متکبرانہ طور پر اغماض کیا کہ کچھ نہیں پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ شمس بازغہ (فلسفہ کی مشہور درسی کتاب) کا ایک مقام حل نہیں ہوتا اور استاد سے اسکے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ تین روز سے اسمیں الجھا ہوا ہوں۔ شاہ صاحب نے از روئے شفقت فرمایا ذرا ہمیں تو دکھاؤ اس نے یہ سمجھ کر کہ یہ ایک محدث علم حدیث کے ماہر ہونگے فلسفہ کی کتابوں سے انکا کیا واسطہ۔ بڑے استغناء کے ساتھ کتاب انکے آگے رکھدی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مقام کا مطالعہ کر کے اسکی ایسی واضح تقریر کر دی کہ اسکے سب شبہات جاتے رہے۔ اب تو یہ طالبعلم قدموں میں گر پڑا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا میاں ہم نے پڑھا سب کچھ ہے مگر اسکو لغو سمجھ کر چھوڑ رکھا ہے۔

فقہ سب فنون سے زیادہ مشکل ہے

ارشاد فرمایا کہ مجھے تو تمام علوم و فنون میں فقہ سب سے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے اور تواضعاً یہ بھی فرمایا کہ مجھے تو اس فن سے مناسبت نہیں بالکل عاجز ہو جاتا ہوں۔

مُلّا خالد نقشبندی ترکی کا تقویٰ اور بزرگانِ دہلی پر تنقید

حضرتؒ نے فرمایا کہ جس شخص پر رنگ فقہ اور فتویٰ کا غالب ہوتا ہے اسکے فتویٰ کا رنگ اور ہوتا ہے کہ جزئیات میں تشدد کی عادت ہوتی ہے۔

جس پر حدیث کا رنگ غالب ہوتا ہے اسکے فتویٰ کا رنگ اس سے مختلف ہوتا ہے کہ اسمیں کچھ توسع ہوتی ہے یہ ترکی بزرگ تھے اور ترکوں میں عموماً فقہ اصول فقہ کا رنگ غالب ہوتا ہے اسکا بھی یہی حال تھا دہلی پہنچے تو بازار سے سودا کسی دوسرے کے ہاتھ نہ منگواتے تھے خود جاکر سودا خریدتے تھے اور فرماتے تھے کہ بازار دلی میں عام طور پر بیوع فاسدہ رائج ہیں اسلیے دوسروں پر اطمینان نہیں ہوتا۔

دہلی میں کسی بزرگ کے قائل نہ تھے یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ متقی نہیں۔ دہلی کے اکابر علماء کے متعلق اسوقت انکی تحقیق یہ تھی کہ فرماتے تھے "عبدالعزیز آدمی ست۔ عبدالقادر مسلمان ست و رفیع الدین ناحق بر علم خود غرہ می کند۔" پھر حضرت شاہ غلام علی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا تو رنگ عجیب دیکھا تو وہیں کے ہو رہے بیعت ہوئے مجاہدے کئے اور انکے خلیفہ مجاز ہوئے۔ اور سب تقویٰ کے دعوے رخصت ہوگئے۔

١٩ ربیع الثانی ١٣٥٨ھ

اکابر دیوبند کا عدل و اعتدال

ٹھسکہ میں ایک بزرگ تھے بہادر علی شاہ صاحب۔ سماع سنتے تھے مگر ذاکر شاغل عبادت گذار آدمی تھے۔ ہمارے بزرگوں کے معتقد بھی تھے۔ ایک دفعہ پیران کلیر شریف کے سجادہ نشین نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو حضرت گنگوہیؒ نے انکو مشورہ دیا بہادر علی شاہ صاحبؒ ٹھسکہ والے سے بیعت ہو جاویں۔ باوجود اختلاف مسلک کے بہادر علی صاحبؒ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور خود بظاہر اسلیے نہ کیا کہ سجادہ نشین کو بہت سی رسوم کی شرکت ضروری ہوتی ہے جو حضرت کے مذاق کے خلاف تھیں۔

لکھنؤ میں مدح صحابہ کی مجالس کے متعلق حضرتؒ کا ارشاد

روافض کی تبرا گوئی کے مقابلہ میں لکھنؤ کے بعض علماء نے مدح صحابہ کی جاری کی تھیں جسکے نتیجہ میں روافض کی تبرا گوئی اور تیز ہوگئی۔ اس کے متعلق بعض حضرات نے حضرتؒ سے سوال کیا تو حضرتؒ نے انکو جواب لکھا جسکا خلاصہ بطور یادداشت کے ایک پرچہ میں لکھا ہوا تھا۔ جسکی نقل یہ ہے۔

الجواب روی البخاری بسندہ عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا قال نزلت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ کان اذا صلی باصحابہ رفع صوتہ بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجھر بصلوتک ای بقراءتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بھا من اصحابک فلا تسمعھم وابتغ بین ذالک سبیلا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہرا اور وہ بھی جماعت کی نماز میں کہ امام پر واجب ہے اگر سبب بن جائے قرآن کے سب و شتم کا تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب و شتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچ جاوے تو مدح صحابہ کا اعلان وجہر کہ فی نفسہ واجب بھی نہیں۔ اگر سبب بن جائے صحابہ کے سب و شتم کا تو ایسے وقت اسکا اتنا جہر کہ سب و شتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچے کیسے ممنوع نہ ہوگا۔ ویؤیدہ ویزیل بعض الاشکالات الواردۃ علیہ ما فی روح المعانی تحت قولہ تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ الایۃ (روح صفحہ ۲۱ جلد ۷)۔

واستدل بالآیۃ ان الطاعۃ اذا ادت الی معصیۃ راجحۃ وجب ترکھا فان ما یؤدی الی الشر شر وھذا بخلاف الطاعۃ فی موضع فیہ معصیۃ لا یمکن دفعھا وکثیرا ما یشتبھان ولذا لم یحضر ابن سیرین جنازۃ اجتمع فیھا الرجال والنساء وخالفہ الحسن قائلا لو ترکنا الطاعۃ لاجل المعصیۃ لاسرع ذالک فی دیننا للفرق بینھما ونقل الشھاب عن المقدسی فی الصحیح عند فقھائنا انہ لا یترک ما یطلب لمقارنۃ بدعۃ کترک اجابۃ

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی طاعت معصیت راجحہ کا سبب بن جائے تو اس طاعت کو بھی چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ جو چیز کسی شر کا سبب مؤدی بنے وہ بھی شر ہے۔ اور یہ بات اس سے الگ ہے کہ کسی ایسی جگہ میں جہاں معصیت ہو رہی ہو اور اس کے دفع کرنے پر قدرت نہ ہو وہاں کوئی طاعت ادا کی جائے اور بسا اوقات لوگوں پر یہ دونوں چیزیں مشتبہ ہو جاتی ہیں۔ دونوں کا ایک ہی حکم سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن سیرین اس جنازہ میں شریک نہیں ہوئے جس میں مرد و عورتیں مخلوط شریک تھے اور حضرت حسن رہتے اسکی مخالفت فرمائی اور کہا کہ اگر ہم معصیت

دعوة لما فيها من الملاهى وصلوٰة الجنازة لنائحة فان قدر على المنع منع والا صبر وهذا اذا لم يقتد به والا لا يقعد لان فيه شين الدين - الى اخر ما فصله فليطالع ثمه -

کی موجودگی کی وجہ سے طاعت کو چھوڑ دیا کریں تو ہم بہت سی طاعات سے محروم ہو جائیں گے اور یہ ہمارے دین کی بربادی کا آسان راستہ ہوگا - اور شہاب مقدسی سے نقل کیا ہے کہ صحیح ہمارے فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی طاعت مطلوبہ کو کسی بدعت کی مفارقت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا جیسے کسی ولیمہ کی دعوت نہ قبول کرنا اس بناء پر کہ وہاں لہو ولعب ہے یا جنازہ میں شرکت نہ کرنا اس وجہ سے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے - بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ ولیمہ اور جنازے میں شریک ہو اور جو گناہ کا کام ہو رہا ہو اسکو روکے اگر روکنے پر قدرت ہو - ورنہ صبر کرے اور یہ جب ہے کہ ایسا کرنے والا قوم کا مقتدا نہ ہو - اور اگر یہ مقتدا ہے تو اسکو شرکت نہیں چاہیئے -

نیز اس مضمون کی تائید علامہ شامی کے کلام سے بھی ہوتی ہے جو فصل اتباع الجنائز میں لکھا ہے -

قول الدر المختار (ولا يترك اتباعها لاجلها) اى لاجل النائحة لان السنة لا تترك باقتران البدعة - ولا يرد الوليمة حيث يترك حضورها ببدعة فيها للفارق بانهم لو تركوا المشى مع الجنازة لزم عدم انتظامها ولا كذالك الوليمة لوجود من يأكل الطعام - (شامی ص۹۳۳ ج ۱) -

جنازہ کے پیچھے چلنا اس بناء پر نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے کیونکہ اقتران بدعت کی وجہ سے اہل سنت کو نہیں چھوڑا جا سکتا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ولیمہ کی شرکت جبکہ وہاں کوئی بدعت ہو ترک کر دی جاتی ہے - کیونکہ اگر نائحہ کی وجہ سے جنازہ کی شرکت چھوڑ دیگئی تو جنازوں کا انتظام درست نہ رہے گا - بخلاف ولیمہ کے کہ ایک نے نہ کھایا تو دوسرے کھانے والے موجود ہیں -

آیت يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ پر شبہ اور اسکا جواب از مولانا محمد یعقوب

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو فساد اور خونریزی اس میں بیان کی گئی ہے یہ خود آدم علیہ السلام سے سرزد ہو گی - حالانکہ وہ نبی معصوم ہیں - اسکا جواب دوسرے حضرات نے تو یہ دیا ہے کہ اس سے خود آدم علیہ السلام کی ذات مراد نہیں - بلکہ بنی آدم مراد ہیں - حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے

عجیب جواب یہ دیا ہے کہ یہاں فساد اور خونریزی کے شرعی معنی مراد ہی نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں۔ کیونکہ انسان جانوروں کو ذبح کر کے کھائیگا شکار کریگا تو لغوی معنی کے اعتبار سے یہ بھی زمین میں ایک فساد کی صورت ہے۔

حضرت کی خاص تواضع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عنداللہ مقبول ہی ہو۔ دیکھو چمار سے بیگاری جاتی ہے مگر اس سے چمار کا کوئی درجہ نہیں بڑھ جاتا وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے۔ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کچھ خدمت ہم سے لے لیتے ہیں مگر اپنا حال ہم خود جانتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں۔ درجہ تو اللہ کے نزدیک صرف عالم باعمل کا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے کرتے میں اکیس پیوند شیخ دملان نے اپنی کتاب فتوحاتِ اسلامیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو انکی خلافت کے زمانہ میں طواف کرتے ہوئے اس حالت میں دیکھا ہے کہ انکے کرتے میں اکیس پیوند لگے ہوئے تھے جنمیں سے بعض کپڑے کے بھی نہ تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا جُبّہ جو ابھی تک اُنکے خاندان میں محفوظ ہے۔ اور سالانہ اسکی زیارت کرائی جاتی ہے یہ بھی اس واقعہ کی یادگار ہے اور اصل سبب یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کو یہ کرتہ اُنکے شیخؒ نے عطا فرمایا تھا۔ اسلئے ساری عمر اُسکو اپنے بدن سے جُدا نہیں کیا۔ جب میلا ہوتا دھو لیتے جب پھٹ جاتا تو جس رنگ اور جس قسم کا کپڑا ہاتھ لگ گیا وہ اسمیں جوڑ دیا۔ یہ تھی اصل حقیقت اس جُبّہ کی۔ آج کل کے مصنوعی درویشوں نے اسکی عجیب گت بنائی ہے کہ مختلف رنگوں کے مُکلّف کپڑے ایک خاص انداز سے جوڑے جاتے ہیں اور اسکو لباسِ درویشی سمجھا جاتا ہے۔

بڑوں اور بزرگوں کی رضاجوئی کا اہتمام ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ہزاراں ہزار نعمتیں مجھ پر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے کبھی اپنے کسی بزرگ کو ناراض نہیں کیا اور کبھی بے ادبی نہیں کی۔ اگر کبھی اُنکی طرف سے زیادتی بھی ہوئی تو میں نے یہ سمجھ کر نظرانداز کیا کہ اُنکے ذریعہ حق تعالیٰ نے مجھے علم کی ایسی بڑی دولتیں عطاء فرمائی ہیں۔ اگر ایک تکلیف بھی پہنچ گئی تو کیا مضائقہ ہے ؎

آنرا کہ بجائی تست ہر دم کرمے　　عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے!

حضرت لقمان کا واقعہ یاد آیا کہ انکے آقا نے ککڑی بوئی جب تیار ہو گئی تو اپنے پاس منگائی اور اس کی کچھ قاشیں لقمان کو دیں انھوں نے کھالی اور کچھ نہ کہا پھر آقا نے خود کھائی تو دیکھا کہ سخت کڑوی ہیں اس نے لقمان سے کہا کہ لقمان تم نے یہ کڑوی ککڑی کھالی اور کچھ کہا نہیں۔ حضرت لقمان نے کہا کہ جس شخص کے ہاتھوں ہزاروں شیریں چیزیں روز کھاتے ہیں اگر ایک روز اس سے کوئی کڑوی چیز مل جائے تو میرا کیا منہ ہے کہ میں اسکی تلخی کا ذکر کروں۔

ارشاد فرمایا کہ ہم بھی قصد کیوں کریں کہ اللہ کے سامنے جُنَید بنکر جاویں۔ اگر حجاج بنکے بھی جاؤ اور کہو اللھم اغفرلی تو یہ بھی کافی ہے اور اگر جنید ہونے پر ناز ہونے لگے تو اس سے حجاج ہونا شاید بہتر ہو

ناز تقوی سے تو بہتر ہے نیاز رندی ۔۔۔ جاہ زاہد سے پھر اچھی مری رسوائی ہے

ایک تجربہ فرمایا کہ بستی کے آدمی سے وفا کی امید بہت کم ہوتی ہے اسلئے ملازم رکھے تو باہر کا آدمی رکھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دو شعر

أيَّ يومين من الموت أفرّ ۔۔۔ يوم لا يُقدَر او يوم قُدِر

يوم لا يقدر لا يأتي القضاء ۔۔۔ يوم يقدر لا يغني الحذر

یعنی کوئی موت سے بھاگنا چاہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس روز میں اسکی موت مقدر نہیں یا مقدر ہے۔ پہلی صورت میں تو قضاء اور موت آ ہی نہیں سکتی پھر ڈرنا کیسا اور دوسری صورت میں موت کا آنا یقینی ہے پھر بھاگنا کیسا۔ اسی کا ترجمہ کسی نے فارسی میں خوب کیا ہے

دو روز حذر کردن از موت خطا است ۔۔۔ روزیکہ قضا نباشد و روزیکہ قضا است

حرفِ ضاد کی ادائیگی کا مسئلہ فرمایا کہ قاری عبد الوحید صاحبؒ مدرس تجوید دار العلوم نے ایک مرتبہ لکھا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ حرفِ ضاد اشبہ بالظاء مگر اس طرح پڑھتا ہوں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بزرگوں کے طرز کے خلاف پڑھتے ہو۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر لوگوں کو رازق سمجھتے ہو تو انکا اتباع کرو ورنہ صحیح پڑھنے پر قائم رہو۔

پھر فرمایا کہ یہ محض غلط ہے کہ ہمارے بزرگوں کا طرز دال مفخم پڑھنے کا تھا۔ کیونکہ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کے پیچھے میں نے سینکڑوں نمازیں پڑھی ہیں نہایت صحیح ضاد پڑھتے تھے۔ قاری عبد الرحمن صاحبؒ سے باقاعدہ مشق کی تھی۔

اور حضرت گنگوہیؒ کے مضادؔ کے متعلق قاری عنایت اللہ گنگوہیؒ سے دریافت کیا فرمایا کہ بالکل صحیح پڑھتے ہیں اور فرمایا کہ میں نے حضرت سے دومرتبہ پورے قرآن کا دور کیا ہے آپکے حروف کو بالکل قواعد کے مطابق صحیح پایا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ قاری عنایت اللہ صاحبؒ گنگوہی کچھ بدعات میں مبتلا تھے اور حضرت کو بدعات سے سخت نفرت مگر اس زمانہ میں بے تہذیبی نہ تھی اختلاف حدود پر رہتا تھا یہاں تک کہ آپس میں دور قرآن بھی ہوتے تھے۔

مناظرہ حضرتؒ نے فرمایا کہ مناظرہ کے ساتھ شوخی کچھ لازمی سی ہوگئی ہے۔ پہلے مجھے بھی مناظرہ کا شوق تھا تو کلام میں شوخی ہوتی تھی۔ مگراب تو اس سے نفرت ہے، اب تو مذاق یہ ہے ؎

تو بر ہر قدر خویشتن باش و وقار بازی وظرافت بندیمان بگذار

حضرت مولینا شیخ محمد صاحب کا مناظرہ فرمایا کہ حضرت مولینا شیخ محمد صاحب تھانوی کا عالمانہ تحریری مناظرہ مولینا عبدالحق خیرآبادی وغیرہ سے ہوتا تھا وہ تین آدمی تھے سب کی طرف سے ایک تحریر آتی تھی۔ ادھر سے مولینا جواب لکھتے تھے۔ مگر مناظرہ نہایت متانت کیساتھ تھا۔ ایک مرتبہ کسی تحریر میں انکی طرف سے ایک جملہ استہزا کا آگیا۔ مولانا نے اسکا کچھ جواب لکھنے کے بجائے یہ لکھا کہ:۔

الاستہزاء ینبت النفاق کما ینبت الماء الکلاء۔ یعنی استہزا جھگڑا باہمی ایسا اگتا ہے جیسے پانی سے گھاس اگتی ہے۔

لہٰذا جوابش نظرانداز کردہ شد آنند احتیاط دارند۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مناظرہ اس طرز سے ہو تو مضائقہ نہیں۔

علماء ربانی کا حلم وکرم حضرت مولینا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ درس حدیث دے رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کچھ گستاخانہ کلام کیا۔ طلباء میں شورش ہوئی اور اس سے انتقام لینا چاہا۔ مولینا نے منع فرمایا اور فرمایا کہ بھائی بعض باتیں تو سچی ہی تھیں سب تو غلط نہیں کہی اس لیے معاف کرنا چاہیے۔

طریق جذب وسلوک وصول الی اللہ کیلئے دو طریقے ہیں ایک سلوک یعنی اپنے اعمال صالحہ اختیاریہ، دوسرے جذب کہ خود حق تعالیٰ جل شانہٗ بغیر اسکے کسی کسب کے اسکو اپنا بنالیں۔ قرآن مجید کی

آیت اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب میں ان دونوں طریقوں کی طرف اشارہ ہے۔ اجتباء سے مراد وہ طریق ہے جسکو جذب کہا جاتا ہے اور ہدایت وانابت سے طریق سلوک کی تعبیر ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جبتک یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوں وصول الی اللہ نہیں ہوتا۔ بندہ جب اپنا ارادہ اور اختیار اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور محنت اٹھاتا ہے تو رحمتِ حق متوجہ ہوتی ہے وہ ہی اسکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس سے وصول ہوتا ہے ورنہ تنہا سلوک وکسب وصول کیلئے کافی نہیں ہوتا ؎

ورنہ من از طرفِ خویش بغایت دورم   تو مگر از طرفِ خویش بمن نزدیکی!

حضرت مولینا صدیق احمد صاحب انبھٹوی نے کیا خوب بات فرمائی کہ ہمارے بزرگوں کے طریق میں بہت جلد وصول ہوتا ہے حالانکہ مجاہدات زیادہ نہیں کراتے اسکا سبب یہ ہے کہ وصول الی اللہ کیلئے سلوک اور جذب دونوں کی ضرورت ہے۔ ابتداء سلوک سے ہوتی ہے کہ بندہ اپنی مقدور بھر کوشش حق تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے کرتا ہے مگر یہ کوشش وصول الی اللہ کیلئے کبھی کافی نہیں۔ وصول جسکو ہوتا ہے وہ جذب ہی کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی بندہ جب عمل شروع کرتا ہے تو رحمتِ حق متوجہ ہو کر اسکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور وصول ہو جاتا ہے۔ اور رحمتِ حق کی توجہ عمل مرضی وپسندیدہ پر موقوف ہے جو عمل سنت کے مطابق ہو۔ اس پر رحمتِ حق جلد اور بہت زیادہ متوجہ ہو جاتی ہے اور جسمیں اتباع سنت کی کمی ہو اس پر رحمت جلد متوجہ نہیں ہوتی ہمارے بزرگوں کا طریق چونکہ سنت کے عین مطابق ہے اسلئے جذب جلد ہو جاتا ہے اور وصول بھی۔

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کو وصول الی اللہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ مردود نہیں ہوتا۔ بزرگوں کا مقولہ ہے الواصل لا یرجع اور بعض نے فرمایا الفانی لا یُرَدُّ۔ اور ایسے قصے جو مشہور ہیں کہ بعض اولیاء اللہ معاذ اللہ بعد میں گمراہ ہو گئے وہاں درحقیقت وصول الی اللہ اور ولایت حاصل ہی نہ ہوئی تھی اس کا دھوکہ ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت میں جسکو وصول ہو جائے پھر نہیں لوٹتا اور نہ پھر اس کو گمراہی کا خطرہ رہتا ہے۔

ایک شخص کا خواب اور حضرتؒ کی اسکو ہدایت

ایک صاحب نے اپنا خواب حضرت کی خدمت میں بغرض تعبیر بھیجا خواب یہ تھا کہ ایک عالم صاحب کے مریدین کی ایک جماعت انکے پاس آئی اور عالم صاحب کی طرف سے کچھ تحفے انکو دینے۔

جنمیں ایک کپڑے کے اندر بزرگوں کے مستعملہ سلے ہوئے کپڑے ہیں پھر ایک دوسرا کپڑا بھی ایسا ہی دیا گیا پھر ایک تیسرا کپڑا دیا گیا جسمیں چند بزرگوں کے مستعملہ کپڑوں کے ٹکڑے ہیں۔ بغرض تبرک سب بٹے گئے ہیں اور انہیں بتلایا گیا کہ جواہر لال نہرو اور گاندھی کے مستعملہ کپڑے بھی شامل ہیں۔ اس پر خواب دیکھنے والے صاحب خواب ہی میں برہم ہوئے اور کہا سبحان اللہ کیا اولیاء اللہ کیساتھ اعداء اللہ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے میں تو اس کپڑے کو صرف استنجا کیلئے استعمال کر سکتا ہوں اس پر یہ جماعت برہم ہوئی خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں کسی عالم سے انکو سمجھانے کیلئے کہا یہ عالم ایک چارپائی پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگے اسی حالت میں آنکھ کھل گئی۔

خواب دیکھنے والے نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس خواب کی تعبیر ہر طبقہ کے علماء سے دریافت کی گئی ہے حضرتؒ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا:-

> السلام علیکم ـــ اوّل تو ہم لوگوں کے خواب ہی کیا اور اگر ہو بھی تو وہ ایسا امر اہم نہیں جسکی تعبیر کا خاص اہتمام کیا جائے کیونکہ نہ خواب حجت ہے نہ تعبیر حجت۔ پھر اگر اہتمام بھی ہو تو اس درجہ کا اہتمام کیوں کیا جائے ایک معبر جس سے عقیدت ہو اس سے پوچھ لینا کافی ہے اور مرئی لہ (یعنی جسکے متعلق خواب دیکھا ہے) سے عقیدت ہے تو اسکو سب پر ترجیح ہے۔

حضرتؒ کو قتل کی دھمکی اور حضرتؒ کا رَدِّ عمل

کسی صاحب نے ایک گمنام خط حضرتؒ کے نام شائع کر دیا جسمیں آپکو قتل کی دھمکی دی گئی تھی۔ فتحپور کے لوگوں نے اس سے متاثر ہو کر خط لکھا جسمیں اس خط پر اظہار ناراضی اور حضرتؒ سے محبت و عقیدت کا اظہار تھا۔ آخر میں بہت سے لوگوں کے دستخط تھے۔ حضرت نے اسکے جواب میں فرمایا

> مکرمی السلام علیکم ـــ محبت کا شکر گذار ہوں مگر خیر خواہی سے اعتدال فی المحبۃ کا مشورہ دیتا ہوں اور اس اعتدال کی صورت یہ ہے کہ دعا کی جاوے اور اگر بہت جوش ہو، انفرادی طور پر اسکا اظہار کر دیا جائے باقی دستخطوں کا اہتمام اور اسقدر تطویل مضمون غالباً یہ زیادت علی السنۃ ہے گو مغلوب المحبت معذور ہے مگر معذور سے محقق اچھا ہے۔ والسلام

یہ خط لکھا ہی گیا تھا کہ ایک پولیس سب انسپکٹر آئے اور عرض کیا کہ ضلع اعظم گڑھ کے کلکٹر کی چٹھی آئی ہے وہ پوچھتے ہیں کہ قتل کی دھمکی کا جو خط آیا ہے کیا اسکے متعلق آپ کچھ چاہتے ہیں (غالباً خط ضلع اعظم گڑھ کا تھا) حضرتؒ نے اسکے جواب میں سب انسپکٹر پولیس سے کہہ دیا کہ میں کچھ نہیں چاہتا نہ امداد نہ تفتیش۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ قتل کی دھمکی کے خط نے مجھے بڑا فائدہ پہنچایا۔ جس قدر لوگوں کے حقوق میرے ذمہ تھے۔ میں نے ان سبکو ادا کر کے سبکدوشی حاصل کر لی اس سبکدوشی کا میرے باطن پہ ایسا اثر ہوا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ (۹ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ)۔

تجوید قرآن کے معاملے میں افراط و تفریط

فرمایا کہ سلف صالحین میں تجوید حروف کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا آج کل کے لوگوں میں ہے جسکی دو وجہ ہیں اوّل تو یہ کہ وہ عرب تھے انکو حاجت نہ تھی فطری طور پر ان کے حروف صحیح نکلتے تھے۔ اور عجم کے لوگ انکی صحبت اور اُن سے سیکھنے کی وجہ سے غلطیاں زیادہ نہ کرتے تھے۔ دُوسرے یہ بھی ہے کہ ہر کام میں زیادہ تکلف پسندی تھی نہ تھا آج کل اسمیں غلو ہو گیا ہے کہ جو لوگ اس فن میں لگ جاتے ہیں۔ تمام دوسرے ضروری امُور سے غفلت برتتے ہیں۔

دوسری طرف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تجوید حروف کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ معاملہ اعتدال کا ہونا چاہیے۔

پانی پتی اور مصری لہجہ

ایک جلسہ میں پانی پتی اور مصری لہجہ کے دونوں قراء جمع تھے اور اُنکے آپس میں یہ تنازعہ تھا کہ پانی پت والے مصری لہجہ والوں پر گانے کا الزام لگاتے تھے اور مصری لہجہ والے انکو کہتے تھے کہ یہ ایسا پڑھتے ہیں جیسے روتے ہیں۔ حضرتؒ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جسطرح اوزان شعر پر کوئی آیت منطبق ہو جانے سے آیت کو شعر نہیں کہہ سکتے اسی طرح اگر قواعد غناء پر بلا قصد منطبق ہو جائے تو اسکو گانا نہیں کہہ سکتے ہاں قواعد موسیقی پر بالمقصد منطبق کیا جائے تو وہ غناء میں داخل ہے۔

قرآن میں وقف اور وصل کا حکم

فرمایا کہ اصل تحقیق یہ ہے کہ وقف نہ کسی جگہ ممنوع و ناجائز ہے اور نہ کسی جگہ ایسا لازم و ضروری کہ اسکے بغیر نماز نہ ہو یا قرأت غلط سمجھی جائے۔

پھر فرمایا کہ آیات اور چیز ہیں اور وقف اور چیز۔ آیات تو منقول کا اتباع ہے۔ یہ ضروری نہیں

کہ ہر آیت پر مضمون ختم ہوتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے نظم میں قطعہ بند کے دو شعر ملکر مضمون پورا ہوتا ہے مگر وہٗ دونوں آیتیں جدا جدا ہوتی ہیں ۔ اور اوقاف تابع تفسیر ہیں اسی وجہ سے ان میں اختلاف ہے۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہر آیت پر وقف کرنا ضروری ہے اور غیر آیت پر وقف کرنا جائز نہیں ۔

اخبار اور احبار کا لطیفہ فرمایا کہ اخبار کا تو اعتبار پہلے سے نہ رہا تھا اب تو افسوس یہ ہے کہ احبار کا اعتبار بھی مشکل ہو گیا۔

ہر کام میں حفظ حدود کی اہمیت فرمایا کہ حق تعالیٰ نے صلحاء کی بہت سی تعریفیں سورۃ توبہ کی اس ایک آیت میں جمع فرمائی ہیں جسمیں التائبون الحمدون سے شروع ہو کر بہت سی صفات محمودہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا والحفظون لحدود اللہ اس سے معلوم ہوا کہ تمام صفات محمودہ اسوقت محمودہ ہیں جبکہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں انمیں افراط و تفریط یا غلو ہو گیا تو صفت محمودہ نہیں رہتی ۔ اور ہر کام اس وقت صحیح و مقبول ہو گا جبکہ وہ حفظ حدود کیساتھ ہو۔

ایک تجربہ کی بات ارشاد فرمایا کہ مباحات سے قلب کو خالی کرنے کا اہتمام مضر ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ مباحات کا اشتغال انسان کیلئے معاصی سے اجتناب میں معین ہوتا ہے اسلئے کچھ نہ کچھ مباحات کا اشتغال رکھنا چاہیے مگر اس حد تک کہ تشویش نہ ہو اور غیر اختیاری طور پر کبھی تشویش بھی ہو جائے تو مضر نہیں۔

علمی انحطاط فرمایا کہ پہلے بھی کچھ طلباء فاقدالاستعداد تو ہوتے تھے مگر فاسدالاستعداد نہ تھے ۔ اب تو فاسدالاستعداد ہیں کہ تربیت و تعلیم کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دین پر پختگی کیساتھ اسکی فکر کہ لوگوں کی دلشکنی نہ ہو فرمایا کہ کشن پرشاد جو ریاست حیدر آباد میں بڑے رکن ہیں انکی لڑکیاں مسلمان ہیں اور ایک مرتبہ یہاں آئیں تو ہمارے گھر میں قیام کیا ایک لڑکی نے درخواست کی کہ میں حضرت کے سامنے آنا چاہتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس درخواست کا یہ جواب میرے نزدیک متعین تھا کہ سامنے آنے کی اجازت نہیں ۔ لیکن یہ سوچتا تھا کہ عنوان کیا ہو جس سے دلشکنی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا تو میں نے ان سے یہ سوال کر لیا کہ وہ کچھ بات بھی کرنا چاہتی ہیں یا صرف سامنے آنا چاہتی ہیں انھوں نے کہا کہ بات بھی کرنا ہے تو میں نے کہدیا کہ میرا طبعی امر ہے کہ اجنبی عورت سامنے ہوتی ہے تو میں اس سے بات نہیں کر سکتا۔ پھر انھوں نے

؎ شعر دو دو ہی کہلاتے ہیں ۔ اسی طرح بعض جگہ دو یا زائد آیتیں ملکر مضمون پورا ہوتا ہے علاوہ

بھی اختیار کیا کہ پس پردہ بات کرلیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ جو شخص پختہ ہو جائے یا کم از کم پختہ لوگوں کے مشابہ ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کبھی شرمندگی اٹھانی نہ پڑیگی۔

تقویٰ میں رعایت حدود کیساتھ رعایت قلوب بھی چاہیئے

مولانا مظفر حسینؒ صاحب کاندھلوی

جو تقویٰ میں معروف عالم و بزرگ تھے۔ ایک دفعہ دہلی سے کاندھلہ اپنے وطن آ رہے تھے۔ اس وقت تک ریل جاری نہیں ہوئی تھی۔ بیل گاڑیوں میں سفر ہوتا تھا۔ مولانا نے دہلی سے ایک بیل گاڑی کرایہ پر لی۔ راستہ میں بطور مروت بہلبان سے گفتگو شروع کی اسمیں یہ پوچھا کہ گاڑی تمھاری اچھی ہے۔ کہاں سے لی ہے اس کی زبان سے نکلا کہ یہ گاڑی فلاں طوائف کی ہے کرایہ پر چلتی ہے میں اسکا ملازم ہوں۔ یہ سُنکر دل میں تو یہ طے کر ہی لیا کہ اب اس گاڑی پر سوار نہ ہوں گے۔ مگر اس کے اظہار میں بہلبان کی دل شکنی سمجھ کر ایک حیلہ کیا کہ پیشاب کے حیلہ سے ترے اور پیشاب کرنے کے بعد پیادہ چلنے لگے۔ بہلبان نے عرض کیا کہ بیٹھ جائیے عذر کر دیا کہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اس نے کہا پھر بھی وہی جواب دیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ کہنے کے بعد اسکو یہ احساس ہوا کہ اب یہ گاڑی میں بیٹھیں گے نہیں تو اس نے عرض کیا کہ حضرت میں اب سمجھا ہوں کہ آپکو جب سے یہ معلوم ہوا کہ گاڑی طوائف کی ہے آپ اسمیں بیٹھنا نہیں چاہتے تو اب اگر یہی رائے ہے تو مجھے اجازت دے دیجئے میں دہلی واپس چلا جاؤں۔ فرمایا کہ ہاں بات تو یہی ہے مگر میں تمھارا یا مالکہ کا نقصان بھی برداشت نہیں کر سکتا اسلیے کاندھلہ چلکر تمھاری اُجرت اور جملہ حقوق ادا کرنے کے بعد جانے دونگا۔ پھر ایسا ہی کیا حضرتؒ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ خشک تقویٰ تو آسان ہے مگر ان بزرگوں کا تقویٰ بڑا مشکل تھا جو حدود کی رعایت کے ساتھ قلوب کی رعایت کو بھی جمع فرماتے تھے۔

مولانا مظفر حسینؒ کی عقیدت حضرت حاجی صاحبؒ کیساتھ

مولانا مظفر حسین صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ قدس سرہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ آج کل کے بزرگوں میں سے نہیں جُنیدؒ و شبلیؒ کے طبقہ میں سے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ جبتک کوئی شخص خود اپنی اصلاح کا قصد نہ کرے کسی معلم و مرشد کی تعلیم و تربیت کچھ مفید نہیں ہوتی اور نہ کسی کی دعاء عادتاً مؤثر ہوتی ہے دیکھ لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

زیادہ کون معلم اور مرشد اور مقبول الدعا ہو سکتا ہے۔ آپ کے چچا ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقد بلکہ عاشق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی ساتھ شغف تھا کہ یہ کسی طرح ایمان لے آویں اور آخر تک برابر اس کی تدبیریں کرتے رہے مگر خود چونکہ انھوں نے اسکا قصد نہ کیا تو کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آیت قرآن انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء کی تفسیر میں مشہور تو یہی ہے کہ یشاء کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور یہ صحیح ہے لیکن ایک دوسری توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یشاء کی ضمیر مَن کی طرف راجع ہو تو اسکا یہی مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت اسی کو کرتے ہیں جو خود اپنی ہدایت کا طالب اور خواہشمند ہو۔ اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے من اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا۔

ایک نہایت اہم مختصر جامع ارشاد ارشاد فرمایا کہ یہ ایک جملہ ہے جو صدہا برس کی تحقیقات کا خلاصہ اور طریق تصوف کی پوری حقیقت اور تمام گمراہیوں اور پریشانیوں سے نجات ہے کہ انفعالات غیر اختیاری اور افعال اختیاری ہیں اور یہی اس طریق میں مطلوب ہیں انفعالات مطلوب نہیں انکی فکر میں پڑنا خود اپنے لئے پریشانی خریدنا ہے۔

حقیقتِ دُنیا ارشاد فرمایا کہ دنیا ایک حالتِ عاجلہ ہے اور اسکی دو قسم ہیں۔ ایک مُعین فی الدین، دوسرے مانع عن الدین پہلی قسم دُنیا کی محمود ہے اور دوسری قسم مذموم اور ضابطہ سے ایک تیسری قسم بھی ہو سکتی ہے کہ جو دین کیلئے نہ معین ہو نہ اس سے مانع ہو مگر یہ تیسری قسم بھی دوسری قسم مذموم کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ ایک عبث اور لایعنی فعل ہے اور لایعنی فعل کم از کم انسان کو اس وقت کی برکت اور حسنات سے تو محروم کر ہی دیتا ہے اسلئے ایک حیثیت سے وہ بھی مانع عن الدین ہی ہو گیا۔ اور مولانا احمد حسن صاحب امروہی نے ایک جملہ بہت اچھا اس معاملہ میں ارشاد فرمایا وہ یہ کہ لفظ دنیا ایک تو دین کے بالمقابل بولا جاتا ہے وہ تو مطلقاً مذموم ہے اور کبھی یہ لفظ آخرت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اسمیں یہ تفصیل ہے کہ جو دنیا خود مطلوب بذاتہٖ ہو آخرت کیلئے نہ ہو وہ تو مذموم ہے اور جو دنیا آخرت کیلئے مطلوب ہو یعنی جسکے حاصل کرنے سے مقصود دین اور دینی مقاصد ہوں وہ محمود ہے۔ اور فرمایا کہ دنیا کے بارہ میں ایک بزرگ نے چند اشعار میں خوب فرمایا ہے

عارفے خواب رفت در فکرے   دید دنیا بصورت بکرے

کرد از وے سوال کے دلبر — بکر چونی باین ہمہ شوہر
گفت یک حرف با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وانکہ نامرد بود خواست مرا — زین بکارت ہمیں بجاست مرا

سرمد مجذوب کے چند اشعار

منعم کہ کباب می خورد می گذرد — ورنہ بادہ ناب می خورد می گذرد
سرمد کہ بکاسہ گدائی نان را — تر کردہ باآب می خورد می گذرد!
سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

حالات روحانی و نفسانی اور مقامات تصوف کی اصطلاح

ارشاد فرمایا کہ سالکین کو جو حالات اس طریق میں پیش آتے ہیں وہ دو قسم ہیں ایک حالات روحانی دوسرے نفسانی۔ حالات روحانی روح کے ایسے اوصاف ہیں کہ بعد موت و مفارقت بدنی بھی باقی رہتے ہیں۔ جیسے مشیت۔ محبت۔ توکل صبر شکر۔ اخلاص، صدق وغیرہ یہ حالات بدن کے ضعف سے ضعیف نہیں ہوتے اور مفارقت بدن کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور شورش۔ جوش خروش وغیرہ۔ یہ حالات نفسانی ہیں جو جسمانی ضعف کی وجہ سے ضعیف بھی ہو جاتے ہیں اور موت و مفارقت بدن کے بعد باقی نہیں رہتے۔ حالات نفسانیہ بیشتر کم عقل لوگوں کو پیش آتے ہیں۔ کامل العقل لوگوں میں یہ حالات بہت کم ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ حالات یکسوئی کے محتاج ہیں۔ اور ذہین آدمی کو یکسوئی بہت کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے حالات امت کے سب سے اعلیٰ طبقہ یعنی حضرات صحابہ پر طاری نہیں ہوئے کیونکہ وہ حضرات نہایت کامل العقل تھے۔ دوسرے یہ حالات عموماً قوت اور شباب کے زمانہ میں ہوتے ہیں۔ ضعف اور بڑھاپے میں کم ہو جاتے ہیں البتہ حالات نفسانیہ میں کچھ حالات لطیفہ ایسے بھی ہیں جو کامل العقل لوگوں کو پیش آتے ہیں مثلاً گریہ و بکا۔ جو حضرات صحابہؓ سے بکثرت منقول و ماثور ہیں۔ ایک صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مرید مغلوب الحال تھے قہقہ کیساتھ ہنستے رہتے تھے۔ لوگوں نے حضرت سے دریافت کیا تو فرمایا وہ مغلوب الحال ہیں اور ایسے حالات سالک کو پیش آجاتے ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ کبھی آپکو بھی یہ حال پیش آیا ہے۔ فرمایا کہ میں کوئی بیوقوف تھا جو مجھے پیش آتا۔ اس سے بھی مضمون مذکور کی تائید ہوئی کہ ایسے حالات اذکیاء کو پیش نہیں

آتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایسے ہی حالات نفسانیہ کے متعلق فرمایا ہے تلک خیالات تُربّی بھا اطفال الطریق۔ یعنی یہ خیالات ہیں جنکے ذریعہ طریقت کے نابالغ بچوں کو تربیت دیجاتی ہے۔ اعمال میں لذت اور جوش خروش کی یہی مصلحت ہے کہ ضعفاء کو اس سے آسانی ہوجائیگی۔ بزرگوں نے اُن کے آنے جانے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ مولینا فرماتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　　تو بمان اے آنکہ چون تو پاک نیست

روز سے مراد اس قسم کے حالات ہیں۔

حالات اور مقامات میں فرق ارشاد فرمایا کہ جبتک حالات روحانی میں پختگی نہیں آتی اسوقت تک وہ حالات کہلاتے ہیں اور جب انمیں پختگی حاصل ہوجائے تو انھیں کو مقامات تصوف کہا جاتا ہے۔ لوگوں نے خدا جانے کیا کیا گھڑ رکھا ہے۔ اور حقیقت اس سے زائد نہیں کہ حالات باطنہ راسخہ کا نام مقامات ہے۔

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کی تربیت میں مار پیٹ کی سزا فرمایا کہ مولوی احمد الدین صاحب حضرت مولینا محمد یعقوبؒ کے شاگرد تھے مگر اپنی زوجہ پر بہت تشدد کرتے تھے۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو مجمع کے سامنے انکو خوب پیٹا اور فرمایا کہ مجھے طلاق کا وکیل بناؤ۔ مولوی صاحبؒ کی خوبی یہ ہے کہ بیٹھے پٹتے رہے۔ ذرا حرکت نہ کی اور فوراً حضرت کو وکیل بالطلاق بنادیا۔ پھر حضرت نے حالات و معاملات کی تحقیق فرمائی، تو زیادتی واقعی مولوی صاحبؒ کی ثابت ہوئی اسلیئے انکی بیوی کو بحیثیت وکیل اُنکی طرف سے طلاق دے دی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ انکی اس فرمانبرداری اور اطاعت کی برکت یہ ہوئی کہ ایک عرصے کے بعد ان سے چھنار میں ملاقات ہوئی تو اسکی شکل و صورت چال ڈھال سب حضرتؒ مولینا محمد یعقوب صاحب جیسا ہوگیا تھا یہاں تک کہ ابتدا میں میں پہچان نہیں سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے اپنے خطاب اور اپنے سے عرض و درخواست کرنے کے لئے سادہ الفاظ یا اللہ یا الٰہی کو جائز کردیا۔ القاب و صفات کے بغیر۔ ورنہ دنیاوی معمولی رئیس بھی اپنے سامنے کسی درخواست کے پیش کرنے کیلئے بغیر خاص القاب کے راضی نہیں ہوتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا بڑھاپا عافیت سے گذارنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ حسن صورت۔ اور حُسنِ صوت سے احتراز کرے۔

ایک اہم نصیحت فرمایا کہ جس شخص کی حالت بیداری کی درست تابع شریعت ہو وہ خواب میں کتنی ہی اپنی حالت کو خراب دیکھے کہ خنزیر کا گوشت کھالیا یا معاذ اللہ کلمۂ کفر بولدیا ایسی ہی اور چیزیں دیکھے تو واللہ جو اسکو ایک رائی دانے کی برابر بھی اسکا اثر لینا جائز ہو سب اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور طبعی طور پر بہت پریشانی ہی ہو تو حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ لینا کافی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اہلحدیث کا منصفانہ مشورہ خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کے عزیزوں میں ایک صاحب غیر مقلد تھے۔ لکھنؤ میں میرا وعظ ہوا تو یہ بھی شریک ہوئے تو بہت متاثر ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اجازت طلب کی۔ میں فلاں عالم کے وعظ میں شریک ہوا تو مجھے بڑا نفع معلوم ہوا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دنوں کیلئے انکے پاس جا کر رہوں۔ جواب دیا کہ ضرور رہو۔ انکی صحبت میں برکت ہے۔ پھر یہ صاحب کچھ دن یہاں آکر رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو کہا کہ میں نے کسی چیز کو یہاں خلافِ حدیث نہیں پایا۔ بجز اسکے کہ صوفیہ کے خاندانوں کی چار تقسیم چشتیہ نقشبندیہ وغیرہ۔ خلافِ سنّت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اوّل تو یہ تقسیم کوئی شرعی تقسیم نہیں محض اصطلاح ہے اسلئے کوئی بدعت نہیں دوسرے یہ تقسیم کسی کے نزدیک بھی کوئی ضروری چیز نہیں آپ کو کامل اختیار ہے کہ اپنے آپکو انمیں سے کسی طرف بھی منسوب نہ کریں۔

اہلِ طریق کیلئے ایک مجرب اکسیری نسخہ طریق تصوف کے سالکین کو جو مشکلات پیش آتی ہیں انکے بارہ میں فرمایا کہ جو شخص وساوس میں مبتلا ہو برے برے وسوسے اسکی دل میں آتے ہوں وہ اس سے پریشان ہو اُسکے علاج میں ترک التفات کا جو نسخہ میں بتلاتا ہوں لوگ اسکی قدر نہیں کرتے۔ کوئی مجھ سے اسکی قدر پوچھے کہ بڑی مشقت کے بعد یہ نسخہ اکسیر ہاتھ آیا ہے جس زمانے میں مجھے باطنی تکلیف پیش آئی اور شورش بڑھ گئی تو حضرت گنگوہیؒ نے یہی نسخہ تجویز فرمایا تھا اور آخر تک یہی نسخہ رہا۔ پھر اسی سے آرام ہوا۔ حدیث میں جو وساوس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آیا ہے کہ ولینتہ یعنی اسکو آگے رُک جانا چاہیے اسکی تفسیر علماء نے بھی کی ہے کہ ان وساوس کیطرف التفات

چھوڑ دے۔

نجات کی دو ہی صورتیں ہیں کہ علوم قرآن و سنت میں یا خود ماہر و محقق ہو، یا پھر کسی ماہر کا مقلد ارشاد فرمایا کہ آیت قرآن لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحب السعیر۔ یہ اہل جہنم کا قول جو دخول جہنم کے وقت کہیں گے جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم دو صفتوں میں سے کسی ایک صفت کے بھی حامل ہوئے تو جہنم میں نہ جاتے وہ یہ کہ یا تو ہم دین کے عالموں کی بات سنتے مانتے یا خود اپنی عقل سے دین کے احکام سمجھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نجات ان دونوں طریقوں میں منحصر ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی ایک حکیمانہ نصیحت حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ریاضات و مجاہدات کا اصل مقصد یہ ہے کہ ملائکۃ اللہ کے ساتھ تشبّہ اور قرب ہو وہ انسان کو جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ نہ بھوک کی کلفت ہو نہ بہت کھانے کا کسل کیونکہ جسطرح پیٹ بھرنے کا کسل قلب کو مشوش کرکے ملائکہ سے بُعد کا سبب بنتا ہے ایسے ہی بھوک کی کلفت جو مشوش کرے وہ بھی مانع تشبّہ با ملائکہ ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اس طریق میں اصل چیز جمعیت خاطر ہے تشویش کے اسباب سے بہت بچنا چاہیے۔ کاملین کیلئے تو بڑی بڑی چیزیں بھی جمعیت خاطر میں خلل انداز نہیں ہوتیں مگر مبتدے اور ضعفاء کیلئے ذرا ذرا سی مخالف چیز تشویش قلب کا سبب ہو کر جمعیت خاطر کو رخصت کر دیتی ہے۔ فرمایا کہ میں تو ضعفاء کو اسی لئے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ معاش اور گذارے کا اتنا سامان کر لیا جاوے جس سے تشویش سے نجات ہو، پریشانی نہ ہو۔

اور اصل یہ ہے کہ لوگوں کے مزاج اور مذاق مختلف ہیں بعض کو سامان جمع ہونے سے تشویش ہوتی ہے اور بعض کو نہ ہونے سے اسلئے ہر ایک مزاج کیلئے نسخہ جدا ہے اور اولیاء اللہ میں دونوں طرح کے نظائر موجود ہیں۔

ایک نہایت اہم ارشاد فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے شیخ کی تعلیم و ہدایت کا پیرو رہے فن کی کتابیں دیکھکر خود عمل کرنا غلطی ہے۔ فرمایا کہ فن کی کتابیں مبتدیوں کیلئے نہیں بلکہ منتہی اور ماہرین کے لئے ہوتی ہیں۔ مبتدی کی کتاب تو اسکا شیخ ہے اسکو دیکھے اس سے پوچھے اور عمل کرے۔ جیسے طب اور ڈاکٹری کی کتابیں حکیموں ڈاکٹروں کیلئے ہیں۔ وہی ان سے فائدہ اٹھاتے مریض خود ڈاکٹری کی کتابیں دیکھکر دوا استعمال

کرنے لگے تو اسکی جان کا خطرہ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے بڑوں کے مشورہ کا پابند رہے خود رائی سے کام نہ کرے۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جسکے سر پر کوئی ضابطہ کا بڑا موجود نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد فرمایا کہ اسکے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بھاری علم عطا فرمایا ہے وہ یہ کہ ایسا شخص اپنے چھوٹوں کو ہی جمع کر کے مشورہ کرے سب کی رائے سنکر جسکی رائے پر اسکا قلب مطمئن ہو جائے اُسپر عمل کرے۔ اس طریق میں خود رائی کی آفت سے بھی نجات ہوگی اور مشورہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ غیب کی طرف ہدایت بھی فرما دیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات و ممات میں اختلاف ارشاد فرمایا کہ اس مسئلے میں اختلاف معروف ہے حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ نے حیات کے قول کو اختیار فرمایا اور یہ کہ ہر سو سال کے بعد اُنکا شباب عود کر آتا ہے اسلیئے ضعف نہیں ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک اُنکی وفات ہو چکی ہے اور اہل کشف کو جو انکے تصرفات دنیا میں محسوس ہوتے ہیں یہ تصرفات روحانی ہیں جو موت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔

لباس میں تکلف بیکاری اور پست ہمتی کی علامت ہے ارشاد فرمایا کہ میں جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس پوشاک میں تکلف کا پابند ہے تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں ایک تو یہ کہ یہ نکما آدمی ہے دوسرے یہ کہ بہت پست حوصلہ ہے کیونکہ اگر یہ کام کا ہوتا اور کسی بڑے مقصد کی طرف اسکی نظر ہوتی تو اسمیں وقت ضائع نہ کرتا۔

نباشند اہل باطن در پئے آرائش ظاہر

بزرگانِ دیوبند کا امتیازی وصف ارشاد فرمایا کہ اپنے بزرگوں میں جو خاص بات امتیاز کی ہے وہ یہی ہے کہ انمیں کوئی تصنع اور امتیاز نہیں۔ عوام کے ساتھ رُلے ملے رہتے ہیں۔

گنگوہ کے ایک حافظ معلم قرآن حافظ حسین علی صاحب گنگوہ میں ایک متقی بزرگ تھے۔ وہاں لال مسجد میں امام اور مسجد کے مکتب میں بچوں کے معلم تھے ایک مرتبہ کچھ گاؤں کے لوگ آئے اور انکو اپنے یہاں لیجانا چاہا انھوں نے فرمایا کہ بھائی میں حضرت مولینا رشید احمد

صاحب گنگوہیؒ کا خادم ہوں اپنے کام میں خود مختار نہیں حضرت سے اجازت لے لو تو چلا ؤ ڈنکا۔ ان لوگوں نے حضرت سے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا سواہ میاں گنگوہ میں ایک ہی تو مسلمان ہے وہ بھی نہ بجنے دے دوں"۔ حافظ صاحب کی خشیت کا یہ حال تھا کہ بچوں کی تعلیم میں کبھی انکو مارنا پیٹنا بھی پڑتا تھا تو پھر یہ خوف ہوتا تھا کہ شاید مجھ سے کچھ زیادتی ہو گئی ہو تو بچوں کو بلاتے اور کہتے کہ بھائی ہم نے تمہیں مارا ہے تم ہمیں پیٹو۔ بعض شریر لڑکے اسکیلئے تیار بھی ہو جاتے اور مارتے تھے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اسکی خبر ہوئی تو میں نے کہا کہ انکے اس فعل کا منشاء تو بہت اچھا ہے مگر یہ فعل تربیت کے خلاف ہے۔ اسمیں بچوں پر کیا اثر پڑے گا۔ اچھی صورت یہ ہے کہ اُن سے بعد میں ایسا برتاؤ کیا جائے جس سے وہ خوش ہو جاویں۔

حضرت جنید بغدادی اور ایک چور

حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک شخص کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا۔ پوچھا اس نے کیا جرم کیا ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہ عادی چور ہے۔ پہلی مرتبہ کی چوری میں اسکا داہنا ہاتھ کاٹا گیا۔ باز نہ آیا تو پھر بایاں پاؤں کاٹا گیا پھر بھی باز نہ آیا یہاں تک کہ سُولی کی نوبت آئی۔ حضرت جنیدؒ آگے بڑھے اور اُسکے پاؤں کو آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا تو فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اسکے وصف استقامت و استقلال کو بوسہ دیا ہے جو اسکے اندر تھا۔ اگرچہ یہ اسکو شر اور معصیت میں صرف کر کے خود برباد ہوا۔ کاش ہمیں یہ استقلال اعمال خیر کے معاملات میں حاصل ہو جائے۔

حضرتؒ نے یہ واقعہ نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ ان حضرات کی نظر کسقدر عمیق ہوتی ہے کہ ہر چیز کی حدّ ہر حال میں محفوظ رہتی ہیں کہ چور کے عمل بد کی بدی اپنی جگہ اور اسکے اندر جو عمدہ ملکہ استقلال و استقامت کا تھا اسکی خوبی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا کیا۔

انشاء شاعر کا ایک شعر حضرت بہت پسند فرماتے تھے

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ مجھکو آتا ہے پیار انشاء   ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے یہ دمبدم عنایت

فتوحات عراق کے وقت حضرت فاروق اعظمؓ کی دعائے عارفانہ

جب فتح عراق کے وقت وہاں کے خزائن حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوئے تو ان کو

دیکھکر یہ دُعا کی اللھم کثرت رعیتی ووھنت قوتی فاقبضنی الیک غیر مفتون یعنی یا اللہ میری رعیت زیادہ ہوگئی اور قوت کمزور ہوگئی تو آپ مجھے اب اپنی طرف اسطرح اٹھالیں کہ میں فتنوں سے محفوظ رہوں"۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ قرآن کریم کی آیت زُیّن للناس حب الشھوات سے معلوم ہوکر ان چیزوں کی محبت آپنے انسان کی فطرت میں ڈالدی ہے اسلئے میں اسکی دعا نہیں کرتا کہ یہ فطرت بدل دی جائے بلکہ یہ دُعا کرتا ہوں کہ انکی محبت آپکے راستہ میں ہماری معین بن جائے۔ مانع اور مضر نہ بنے۔

حضرتؒ نے یہ دُعا نقل کرکے فرمایا کہ بس یہ ہے صاف اور سیدھا سلوک و تصوف اسی کو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اس طریق میں رذائل کا بالکل ازالہ مقصود نہیں بلکہ اِمالہ یعنی انکو دین کیطرف مائل کرنا اور انکا رُخ دین کیطرف پھیر دینا مقصود ہے۔ عارف رُومی نے خوب فرمایا ہے:۔

شہوت دُنیا مثال گلخن ست　　　　کہ ازو حمام تقویٰ روشن ست

شاہ شجاع کرمانیؒ کی لڑکی کا بیمثال زہد

فرمایا کہ جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم کا واقعہ ترک سلطنت کرکے درویشی اختیار کرلینے کا معروف و مشہور ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ شاہ شجاع کرمانی کا واقعہ ہے وہ بھی سلطنت چھوڑکر درویش بن گئے تھے مگر انکی عزت وجاہ ملوک و سلاطین علماء صلحاء میں بہت زیادہ تھی۔ انکی ایک لڑکی جوان تھی۔ اور یہ چاہتے تھے کہ کسی دیندار آدمی سے اسکا نکاح کردیں۔ اُس زمانے میں دینداری کی بڑی علامت احسان الصلوٰۃ تھی۔ یعنی نماز کو پورے آداب اور خشوع کیساتھ اسطرح ادا کرنا کہ گویا یہ خدا کو دیکھ رہا ہے، یا خدا اُسکو دیکھ رہا ہے۔

شاہ شجاع نیک صالح آدمی کی تلاش میں تھے۔ ایک روز مسجد میں ایک نوجوان کو دیکھا کہ اچھی طرح خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے۔ اسی وقت ارادہ کرلیا کہ اس سے نکاح کرینگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اسکے پاس جاکر سلام کیا اور حال پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں کیا خاندان ہے۔ معلوم ہوا کہ شریف آدمی ہیں مگر غریب اور مفلس۔

شاہ شجاع نے اس سے پوچھا کہ آپکی شادی کہیں ہوگئی ہے یا نہیں، اس نے کہا کہ جی میں ایک بہت غریب اور مفلس آدمی ہوں مجھے کون اپنی لڑکی دینے لگا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ناامید کیوں ہوتے ہو تم نے کہیں کوئی پیغام بھی دیا ہے۔ اس نے کہا کہ جب مجھے معلوم ہے کہ میرا پیام رد کیا جاویگا، تو

یوں نخواہ مخواہ پیام دیکر رسوا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اچھا تم اس پر راضی ہو کہ شاہ شجاع کرمانی کی لڑکی کی شادی تم سے ہو جائے۔ نوجوان نے کہا کہ حضرت کیوں میرے ساتھ دل لگی کرتے ہیں کہ اں میں اور کہاں شاہ شجاع! نام بھی لونگا تو پٹوں گا۔ اب انھوں نے ظاہر کر دیا کہ میں ہی شاہ شجاع کرمانی ہوں اور اپنی لڑکی کا عقد تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ اسپر بھی نوجوان نے کہا کہ اگر آپ راضی ہیں تو کیا ضروری ہے کہ لڑکی راضی ہو جائے۔ فرمایا کہ میں اس سے دریافت کر چکا ہوں وہ راضی ہے۔

اب تو نوجوان نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں کہاں اس قابل تھا۔ شاہ شجاعؒ نے اسی وقت نکاح پڑھا اور اسی وقت کوئی چادر یا برقع اڑھا کر لڑکی کو اٹھا کر اس نوجوان کے گھر لیگئے۔ جو ایک شکستہ مکان تھا۔ کسی سامان کا نام نشان نہ تھا۔ لڑکی دروازے کے اندر داخل ہوئی تو اپنے والد شاہ شجاعؒ سے کہا کہ ابا جان آپنے مجھے کہاں ڈبو دیا ہے۔ نوجوان نے سنکر کہا کہ دیکھئے میں آپ سے کہتا تھا کہ لڑکی میری ایسی تنگدستی کی حالت پر کیسے راضی ہو سکتی ہے۔

اب تو لڑکی خود بولی کہ آپنے کیا سمجھا ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب سے کس چیز کی شکایت کی ہے بات یہ ہے کہ میرے والد نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا نکاح ایک زاہد شخص کیساتھ کرنا چاہتا۔ دل میں اسپر راضی ہو گئی۔ مگر جب میں آپکے گھر میں داخل ہوئی تو ایک گھڑے پر باسی روٹی رکھی ہوئی نظر آئی۔ میں نے اسکو زہد کے خلاف سمجھا کہ روٹی باسی بچا کر رکھی جائے اسلیے والد صاحب سے شکایت کی کہ مجھکو کہاں ڈبو دیا۔ یہ آدمی تو زاہد نہیں ہے۔ باسی روٹیاں اٹھا کر رکھتا ہے۔

اس پر نوجوان نے کہا کہ میرا آج روزہ ہے خیال یہ تھا کہ شام کو افطار کیلئے باسی روٹی اٹھا کر رکھ دوں کہ تکلیف نہ ہو۔ لڑکی نے کہا کہ میرے نزدیک یہی تو زہد و توکل کے خلاف ہے۔ جسکے لیئے روزہ رکھا ہے اسپر اطمینان نہیں کہ وہ افطاری بھی دیگا۔ سبحان اللہ۔

حکایت نقل کر کے حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ حکایات ہیں عورتوں کو سنانے کی مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ انکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے لیکن اسکے سننے سے غیب اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ ہو جائیگا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اسمیں عقل کام نہیں دیتی جبتک دولت باطن نہ عطا ہو یہ حالت نہیں ہو سکتی کیونکہ ظاہری عقل میں تو یہ بات نہیں آتی۔ جبتک دولت دنیا سے بڑی کوئی دولت سامنے نہ ہو۔ انکے زہد اور ترک دنیا کا یہ اعلیٰ مقام ذکر کرنے کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ اب میں آخری بات کہتا ہوں کہ یہ زنانہ ضعف کا ہے،

سائیں کیلئے سہولت بہم کرنے کا ہے بقدر ضرورت سامان کر لینا خلاف زہد نہیں مگر اس اعلیٰ زہد والوں سے کم از کم محبت و عقیدت تو رکھیں انکو حقیر تو نہ سمجھیں۔

مصلح اور معالج کو حقیقت شناس ہونا چاہئے ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب جو میرے مخصوصین میں سے ہیں۔ انھوں نے ایک بڑی رقم کا صدقہ کرنا اپنے اوپر بطور جرمانہ اور سزا کے لازم کر لیا۔ میں نے انکو منع کر دیا کہ تمھیں ایک پیسہ خرچ کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ خرچ کر دیں گے تو سخت تشویش میں پڑ جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ کبھی نفس کا علاج مالی خرچ کرنے میں ہوتا ہے کبھی خرچ نہ کرنے میں۔

ایک ترکی درویش خلیل پاشا فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایک ترکی بزرگ خلیل پاشا تھے پہلے ینبوع کے گورنر تھے۔ پھر عہدہ چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تھی اور انکی درویشی کا بھی ایک واقعہ ہے کہ انکے والد بڑے درویش اور اپنے وقت کے شیخ تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک روز شکایت کی کہ افسوس کہ میرا بیٹا خلیل دنیا دار ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا غم نہ کرو وہ بھی تم جیسے ہو جاویں گے۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں انکے قلب میں خود بخود انقلاب آیا اور عہدہ چھوڑ کر درویش ہو گئے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے کبھی ان سے ملاقات نہیں کی تھی ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم خلیل پاشا سے کیوں نہیں ملتے۔ میں نے کہا کہ کچھ ضرورت نہیں سمجھی اور یہ مثال دی کہ جسکو بیت اللہ کے پاس جانا ہو وہ اگر ایک راستہ اور ایک دروازہ سے داخل ہو کر بیت اللہ تک پہنچ گیا تو اس کیلئے کیا ضروری ہے کہ وہاں سے لوٹے اور کسی دوسرے راستہ اور دوسرے دروازہ سے پھر بیت اللہ تک پہنچے وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ میں نے صبح کو یہ خواب حضرت حاجی صاحب سے بیان کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ان سے ضرور ملاقات کرو۔ جب میں نے عرض کیا کہ اب حضرت کے حکم سے جاؤں گا۔ چنانچہ میں حاضر ہوا تو خلیل پاشا نے فرمایا کہ میں تین زبانیں جانتا ہوں۔ ترکی۔ عربی۔ فارسی۔ میں آپ سے کس زبان میں بات کروں میں نے عرض کیا کہ ترکی زبان تو میں نہ سمجھ سکتا ہوں نہ بولنے پر قادر ہوں۔ عربی کو سمجھتا ہوں بولنے پر پوری طرح قادر نہیں۔ فارسی زبان کو سمجھتا بھی ہوں بول بھی سکتا ہوں۔ آپ اسی میں گفتگو فرمائیں۔

خلیل پاشا نے بہت سی باتیں کیں۔ انمیں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ میں نے مختلف ممالک کے علماء

کو دیکھا ہے۔ ہندوستان کے علماء سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے انمیں کونسا وصف امتیازی پایا ہے تو فرمایا کہ وہ محبت دنیا نہیں ہیں۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی ایک حکایت

فرمایا کہ ہمارے ماموں امداد علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں ایک مقام پر بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک لالہ جی (بنیہ) دور سے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ لاشوں میں سے ایک زخمی نے جو ابھی مرا نہیں تھا۔ آواز دی کہ لالہ جی ذرا یہاں آؤ۔ لالہ جی گھبرا گئے کہ مُردہ بول پڑا۔ آواز سنتے ہی بھاگنے لگے۔ اس نے پھر آواز دی کہ لالہ جی گھبراؤ نہیں۔ میں مُردہ نہیں ہوں زخمی ہو گیا ہوں مرنے والا ہوں اور میری ہمیانی میں بہت سارا روپیہ بندھا ہوا ہے۔ میں نے چاہا کہ اب یہ روپیہ میرے تو کسی کام آ نہیں سکتا۔ آپ یہاں آگئے تو آپ ہی کو دے دوں۔ روپیہ کا نام سنکر لالہ جی پگھل گئے اور ڈرتے ڈرتے پاس آئے جب بالکل قریب آگئے تو اس زخمی نے تلوار اُٹھا کر لالہ جی کی ٹانگ کاٹ دی۔ لالہ جی گر پڑے۔ مگر گرتے ہی اسکی کمر ٹٹولی کہ روپیہ ہو تو کھول لوں۔ زخمی نے کہا کہ لالہ جی تم باؤلے ہوئے ہو جنگ میں کوئی روپیہ کمر کو باندھ کر بھی لایا کرتا ہے اصل بات یہ تھی کہ میرے آس پاس سارے مُردوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ رات کو میں اکیلا رہتا ہوں محض موانست کیلئے تمھیں اپنی ساتھ کر لیا ہے کہ رات کو بات چیت تو رہے گی اور بغیر زخمی ہوئے تم یہاں کہاں ٹھہرتے اسلیئے تمھارے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ لالہ جی غصہ میں بھر کر بولے۔ مُکا مُکا اُوت کے اُوت۔ نہ خود چلیں نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

ماموں صاحبؒ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ آج کل اللہ کے راستہ میں لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود تو چلتے نہیں اور کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اسکی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

جو کسی بڑے سے بڑے ظالم پر بھی ظلم کریگا اس سے بھی اللہ انتقام لیگا

ایک بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے حجاج بن یوسف کیطرف کوئی عیب منسوب کیا اس بزرگ نے پوچھا کہ تمھارے پاس اسکا کوئی شرعی ثبوت اور حجت موجود ہے کہ حجاج نے ایسا کیا تھا مگر انکی سنی سنائی بے دلیل بات تھی۔ تو ان بزرگ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ حجاج کتنا ہی بڑا ظالم سہی اور یہ بھی صحیح کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مظلوموں کا انتقام لیگا مگر یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ اگر کسی نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے حجاج کا بھی انتقام لیگا۔

بزرگانِ دیوبند کا اصل امتیاز

ارشاد فرمایا کہ میں جو اپنے بزرگوں کا معتقد ہوں اسکی بنا یہ نہیں کہ یہ دنیا میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ کیونکہ مجھے یہ احتمال ضرور ہے کہ زمانے میں کچھ علماء ان سے بھی بڑے موجود ہوں اگرچہ ہمیں معلوم نہ ہوں بلکہ میرے اعتقاد کی بنیاد اسپر ہے کہ یہ لوگ اللہ والے تھے دنیا دار نہ تھے۔ دنیا میں رہتے تھے مگر درحقیقت دنیا کی انکو ہوا بھی نہ لگی۔ انکا جو کام تھا وہ دینی داعیہ سے تھا خواہ اسمیں اپنی تمام مصالح برباد ہو جائیں۔

احقر جامع کہتا ہے کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے انہی بزرگوں کا حال اس شعر میں ضبط کیا ہے۔

؎ دنیا میں ہوں دنیا کا پرستار نہیں ہوں ۔ بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

امام غزالیؒ کے ایک مقولہ کی تشریح اور جواب شبہ

امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ہدیہ اس نیت سے دے کہ وہ صالح اور بزرگ ہے تو اگر وہ شخص واقع میں صالح نہ ہو تو اسکو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔

حضرتؒ کے شاگرد مولوی رشید احمد صاحبؒ کانپوری نے اسپر یہ شبہ پیش کیا کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ہدیہ قبول کرنا کسی کیلئے بھی کسی حال جائز نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے آپکو صالح سمجھے تو وہ حقیقت میں صالح نہ رہا کیونکہ اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اسکو گناہوں سے پاک صاف قرار دیا جسکی قرآن میں ممانعت آئی ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپکو صالح سمجھنا خود بینی اور تزکیہ نفس ہونے کی بنا پر حقیقت میں صالح ہونے سے مانع ہے اسلیے ہدیہ لینا ناجائز ہوا اور اگر وہ اپنے کو صالح نہ سمجھے تو بقول امام غزالی اسکو ہدیہ لینا یوں ناجائز ہو گیا۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ مراد امام کی یہ ہے کہ جو شخص اپنے قصد و ارادہ سے کسی شخص کے دل میں اپنے صالح اور بزرگ ہونے کا اعتقاد خود پیدا کرے اور وہ اس سے متاثر ہو کر ہدیہ پیش کرے تو اسکا قبول کرنا اس کیلئے ناجائز ہے۔

اہلِ کمال کی تعداد ہر زمانے میں تھوڑی رہی ہے

فرمایا کہ اہلِ کمال ہر زمانے میں بہ نسبت دوسروں کے تھوڑے ہی رہے ہیں مگر چونکہ ہمارے سامنے چودہ سو برس کی تاریخ ہے! اسمیں اہلِ کمال کا مجموعہ کثیر نظر آتا ہے ورنہ موجودہ زمانے میں بھی اہلِ کمال اسی نسبت سے موجود ہیں (گو درجہ کمال میں انحطاط ہو)۔

علم پر عمل اور تقدس کے بغیر لوگوں پر تعلیم کا اثر نہیں ہوتا

فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی روایت ہے کہ وہ شبلی نعمانی سے پہلے

اور اُن سے پوچھا کہ آپکے نزدیک مسلم قوم کی فلاح کا کیا راستہ ہے تو فرمایا کہ جبتک قوم کے قلوب میں اعتقاد و اعتماد اچھے لوگوں کا نہ ہو کوئی فلاح کی صورت نہیں اور اعتقاد بغیر تقدس اور اعمال ظاہرہ و باطنہ کی درستی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مولانا عبدالخالق صاحبؒ واعظ دیوبند | یہ بزرگ دارالعلوم دیوبند کے قرن اول کے لوگوں میں سے ہیں۔ دیوبند کے بڑے خطیب اور واعظ مشہور تھے۔ انصاری خاندان سے تعلق ہے۔ دیوبند میں انصاری خاندان انھیں کا معروف ہے۔ حضرت مُلاّ محمود صاحبؒ دیوبندی جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس تھے یہ اُنکے شاگرد تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خود مُلاّ محمود صاحبؒ سے سُنا ہے کہ وہ ابتداء ہی سے متقی تھے۔

یہ ضروری نہیں کہ جو تدابیر کفار کی ترقی کا ذریعہ ہوں مسلمانوں کیلئے بھی ایسی ہی ہوں

ارشاد فرمایا کہ آج کل جو قومی اجتماعی ترقی کیلئے تدابیر سیاسیہ اختیار کی جا رہی ہیں یہ مُرکب ہیں آثارِ کفر اور آثار اسلام سے۔ جب اُنکو کفار اختیار کرتے ہیں تو وہ اسلام سے کچھ قریب ہو جاتے ہیں اسکی برکت سے کامیاب ہوتے ہیں اور جب اُنکو مسلمان اختیار کرتے ہیں وہ کفر سے قریب ہوتے ہیں اسلئے ناکام ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کو کافروں پر قیاس کرنا ایسا قیاس ہے جیسا کسی بُوجھ بجھکڑ کا قیاس مشہور ہے کہ ایک شخص کھجور کے اُونچے درخت پر چڑھ تو گیا مگر اُترنا اُسے مشکل ہو رہا تھا اس نے لوگوں سے فریاد کی کہ مجھے بچاؤ۔ گاؤں والے جمع ہو گئے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اپنے بوجھ بجھکڑ کو بلایا اس نے آتے ہی کہا کہ یہ کام تو بہت ہی آسان ہے تم ایک لمبا رسّا لاؤ اور کھجور پر پھینکو اسکو کہو کہ رسّا پکڑ کے اپنی کمر میں باندھ لے جب یہ کام ہو گیا تو لوگوں کو کہا کہ اب تم زور سے یہ رسّا کھینچو یہ نیچے آجائے گا اس تدبیر سے وہ بیچارہ نیچے تو آ گیا مگر ہڈی پسلی سب ٹوٹ کر مُردہ ہو چکا تھا۔ لوگوں نے بوجھ بجھکڑ صاحب سے کہا کہ یہ کیا ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ تدبیر تو میں نے صحیح بتلائی تھی اسکی قضاء ہی آگئی ہوگی۔ جو مر گیا ورنہ اس تدبیر کے ذریعہ میں نے کنوؤں میں گر جانے والے بہت سے لوگوں کو نجات دلوائی۔ وہ اچھے خاصے نکل آئے۔

تو جسطرح اس عقلمند نے اعلیٰ کو اسفل پر قیاس کر کے ایک غریب کی جان لے لی اسی طرح لوگ مسلمانوں کو

اللہ تعالیٰ نے علو نسبت فرمایا ہے۔ کفار اسفل میں ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ کنوئیں کی گہرائی سے کسی کو اوپر اٹھانے کی جو تدبیر درست ہو وہ اوپر سے کسی کو زمین پر لانے کیلئے بھی درست ہو۔

کفار تو سود۔ قمار، حرام کاری، جھوٹ فریب کے ذریعہ بھی کامیابی حاصل کرلیں تو بعید نہیں۔ مگر مسلمانوں کیلئے یہ تدابیر باعث ہلاکت و بربادی ہیں۔

اللہ کی نعمتوں کو شکر کے ساتھ استعمال کرنا عین معرفت ہے

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو ایک درویش کی یہ حکایت پہنچی کہ انکو اگر کبھی کوئی لذیذ کھانا ملتا ہے تو اسمیں پانی وغیرہ ڈالکر بدمزہ کرکے کھاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ وہ گستاخ ہیں کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ یہ صورت اگر کسی مبتدی نے اپنے مصلح کے مشورہ سے بطور علاج کچھ دنوں کیلئے اختیار کی ہو تو وہ قابل ملامت نہیں)۔

حزن و غم کو تزکیہ باطن میں بڑا دخل ہے

حضرتؒ نے فرمایا کہ حزن کی کیفیت تزکیہ باطن میں بہت زیادہ مؤثر ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مؤثر صرف وہ حزن ہے جو آخرت سے متعلق ہو یا دنیا کی کسی مصیبت و تکلیف سے ہو تزکیۂ باطن میں ایک خاص اثر رکھتا ہے۔

حضرتؒ کا اپنا ایک شعر

فرمایا کہ اس شعر میں طریق کی پوری حقیقت کو بتلادیا گیا ہے ؎

اندریں رہ آنچہ می آید بدست ❊ حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

شکر اور ناشکری کی بنیاد

ارشاد فرمایا کہ ناشکری کی بنیاد ہے نظر بر مقصود و قطع نظر از موجود اور شکر کی بنیاد ہے نظر بر موجود و قطع نظر از مفقود۔ یعنی انسان کے دل میں ناشکری اس سے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی اللہ کی موجودہ اور حاصل شدہ نعمتوں پر تو نظر نہ کرے اور جو چیز حاصل نہیں صرف اسکو دیکھتا رہے۔ اسکے برخلاف جو شخص حاصل شدہ اور موجودہ نعمتوں پر تو ہر وقت نظر رکھتا ہے اور جو موجود و حاصل نہیں، ان سے قطع نظر کرتا ہے تو فطری طور پر اسکے دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوگی۔ ایک حدیث میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ: جالِسِ المساکین وَقَرِّبہم یعنی مساکین کے ساتھ بیٹھو اور انکو اپنے قریب کرو" اسکی مصلحت

بعض حضرات نے یہی بیان فرمائی ہے کہ انکی صحبت میں رہ کر اپنے پاس اُن سے زیادہ سامان دیکھے گا تو اسکی قدر ہوگی اور شکر کی توفیق ہوگی۔

بیماری سے کراہنا صبر کے منافی نہیں حضرت فاروقِ اعظمؓ کو دیکھا گیا کہ ایک مرض کی وجہ سے بیچین ہیں اور کراہ رہے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین کیا آپ بھی کراہتے ہیں یہ تو صبر کے خلاف ہے فرمایا سبحان اللہ حق تعالیٰ نے تو مجھے بیمار کیا میرا عجز و درماندگی ظاہر کرنے کیلئے تو کیا میں اسکے مقابلے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کروں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بیشک عارفین کا یہی حال ہوتا ہے ؎

چونکہ بر میخنت بہ بند بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

انتخاب شیخ کا معیار فرمایا کہ تصوف و سلوک کیلئے کسی شیخ مربی کی ضرورت تو بدیہی ہے مگر اسکے انتخاب کے طریقہ اور معیار سے لوگ واقف نہیں جسکی وجہ سے راہ غلط ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ انتخاب شیخ کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ

۱۔ وہ شخص احکام شرعیہ سے واقف ہو اگرچہ متبحر عالم نہ ہو۔

۲۔ فن سلوک کو جانتا ہو اگرچہ صاحب کشف و کرامات اور صاحب احوال نہ ہو۔

۳۔ کسی شیخ کامل کی خدمت میں معتد بہ مدت تک رہا ہو۔

۴۔ اس کی مجلس میں بیٹھنے کا یہ اثر عام ہو کہ دنیا سے محبت میں کمی اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو اور گناہوں سے خوف اور طاعت سے رغبت پیدا ہو چاہے احوال و مواجید کبھی حاصل نہ ہوں۔

اگر شیخ کامل ہونے کے باوجود اسکی صحبت میں رہنے سے کوئی نفع محسوس نہ کرے تو سمجھنا چاہیے کہ مجھے ان سے مناسبت نہیں اسلیئے انکو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے مگر اسکی شان میں کبھی بے ادبی نہ کرے جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج موافق نہ آئے تو دوسرے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے مگر کوئی سمجھدار آدمی پہلے طبیب یا ڈاکٹر کی توہین نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد کسی مانوس انسان کی شکل میں ایک صاحب جو حضرت کے خدام میں سے ہیں اور تاجر ہیں۔ یہ علیگڑھ کی نمائش میں کچھ سامان تجارت لیگئے وہاں اتفاقاً آگ لگ گئی۔ اسی حال میں انھوں نے بچشم خود

مشاہدہ کیا کہ حضرت قریب مستورہ تشریف لائے اور انکے سامان کا صندوق ایک طرف سے خود پکڑا اور دوسری طرف سے انکو پکڑایا اور آگ سے نکال دیا۔ جب واقعہ انھوں نے حضرت سے بیان کیا تو فرمایا کہ اول تو یہ حکایت میرے دل کو نہیں لگی۔ اگر حکایت صحیح ہے تو اسمیں میرا قطعًا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بعض اوقات حق تعالیٰ کسی شخص کی امداد رجال الغیب سے کرا دیتے ہیں اور انکو کسی ایسی شکل میں بھیجتے ہیں جو اس شخص کے نزدیک مانوس ہو۔

اور فرمایا کہ سورۂ یوسف کی آیت لولا ان رای برھان کی مشہور تفسیر جو یہ ہے کہ جس وقت زلیخا نے مکان کے سب دروازے بند کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا تو مکان کے ایک گوشہ میں انکو حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے اسکی توجیہہ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اگر وہاں اپنے علم و اختیار سے پہنچتے تو یوسف علیہ السلام کی طرف سے پریشان کیوں رہتے اور تلاش کا حکم دینے کی کیا ضرورت پیش آتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لطیفہ غیبیہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل میں انکے سامنے آیا۔ یعقوب علیہ السلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کو خود پیش آیا کہ وہ کسی کام میں متردد تھے کہ اچانک اپنے دماغ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ آواز آئی کہ اس طرح کرو۔ مولینا نے اسکے مطابق کیا، اور برکت ہوئی مگر مولینا فرماتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اسکی خبر بھی نہیں۔

(ملفوظات ۲۰ ربیع الثانی ۵۱ھ مسودہ سے صاف لکھا گیا۔ یوم عاشوراء ۱۳۹۳ھ)

مشقت اعمال مقصودہ میں صرف زیادت ثواب کا سبب ہے

فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر عمل میں جتنی مشقت زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ مگر میرے نزدیک اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اعمال مقصودہ میں تو یہ بات صحیح ہے جیسے نماز روزہ وضو، طہارت وغیرہ کہ سردی کے وقت یا تکلیف کی حالت میں وضوء کا ثواب زیادہ ہے۔ گرمی میں روزہ کا ثواب زیادہ ہے۔ نماز کے قیام وغیرہ میں مشقت اٹھانا موجب ثواب ہے مگر جو اعمال خود مقصود نہیں بلکہ ذرائع مقصود ہیں ان میں بلاوجہ زیادہ مشقت برداشت کرنے سے ثواب زیادہ نہیں ہوتا۔ مثلاً وضوء کا پانی پاس موجود ہے اسکو چھوڑ کر تین میل دور سے پانی لا کر وضو کرے تو یہ زیادت ثواب کا سبب نہیں۔ آیت قرآن ما جعل علیکم فی الدین من حرج اور

حدیث الدین یسر وغیرہ کو جاننے کے بعد بھی جو شخص مشقت وجز ... یعنی سمجھے تو ان نصوص کا مقابلہ ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

ہر کام میں طریق مسنون اسلم ہے جسمیں مشقت زیادہ نہیں فرمایا کہ جتنے اعمال سنت میں معروف ہیں وہ اعمال شاقہ نہیں انہیں ایک بڑا فائدہ ہے کہ جو اعمال شاقہ کو برداشت کرتا ہے تو اس کو ثمرات عظیمہ کا انتظار طبعی طور پر ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات اسکو محسوس نہیں ہوتے تو ناشکری کے کلمات زبان پر آنے لگتے ہیں۔ اور اگر مختصر اعمال بطریق مسنون ادا کئے تو ہر وقت حق تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے اعمال کے مقابلہ میں زیادہ پاکر ہمیشہ شکر سے اسکا قلب معمور رہے گا۔

اللہ کی نعمتوں سے استغناء بڑی بے ادبی ہے بعض ناواقف صوفی جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرنے سے کتراتے ہیں وہ کوئی اچھا کام نہیں۔ اور انسان اللہ کی کس کس نعمت سے استغناء کر سکتا ہے کھانے پینے پہننے کی چیزوں میں کچھ کر لیا تو ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان بھی تو اسکی دی ہوئی نعمتیں ہیں ان سے کیوں استغناء نہیں برتتے۔

شوق اور انس میں فرق جنت میں انس ہوگا شوق نہیں فرمایا شوق اس کیفیت رغبت کا نام ہے جو کسی غیر حاصل مطلوب کے حاصل کرنے کیلئے ہو۔ حاصل شدہ محبوب سے لذت وراحت کا نام انس ہے۔ جنت میں چونکہ انسان کی ہر مراد اور ہر مطلوب اسکو حاصل ہوگا اسلیے وہاں شوق کسی چیز کا نہیں ہوگا کیونکہ شوق میں ایک گونہ کلفت ہے اور جنت میں کلفت کا نام نہیں۔ وہاں راحت ہی راحت اور لذت ہی لذت ہوگی۔

رہا یہ سوال کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ شانہ کی زیارت اور مشاہدہ ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مشاہدہ ذات وصفات کی کنہ اور حقیقت کا نہیں ہوگا۔ تو جس قسم کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ اس سے تو اہل جنت کا انس متعلق ہونا صحیح ہے لیکن جو درجہ مشاہدہ جمال حق کا اسکو وہاں حاصل نہیں ہوگا اسکا تو شوق ہونا چاہیئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شوق کا تعلق اس غیر حاصل مقصود سے ہوتا ہے جس کا حصول انسان کی قدرت میں ہو اور اسکو حصول کی توقع اور امید ہو اور جس چیز کا حصول انسان کی قدرت واستعداد سے خارج ہو اسکے ساتھ شوق کا تعلق نہیں ہو سکتا جیسے دنیا میں کسی انسان کو آسمان کے اندر دن دجانے اور پھر واپس آنے کا شوق نہیں ہوتا۔ جنت میں جس قسم کا مشاہدہ جمال حق انسان کی قدرت میں

ہے۔ وہ تو حاصل ہو جائیگا اور جو حاصل نہیں وہ اسکی استعداد و قدرت سے خارج ہوگا اسلئے اسکا شوق بھی نہیں ہوگا۔

فضول و لایعنی تحقیقات طالب حق کا کام نہیں فرمایا کہ سالک اپنے ضروری مشاغل کو چھوڑ کر لایعنی اور فضول تحقیقات کے درپے ہو تو یہ اسکی علامت ہے کہ وہ طالب ہی نہیں جیسے کسی شخص کے سامنے کھانا لایا جاوے وہ کھانے میں مشغول ہونے کے بجائے یہ سوالات اور تحقیقات کرنے بیٹھ جائے یہ چیزیں کس بازار سے خریدی گئیں کون لایا کس نے پکایا کس طرح پکا یا یہ مسالے اسمیں ڈلے۔ تو یہ علامت اس کی ہوگی کہ اسکو کھانے کی ضرورت اور بھوک نہیں ہے۔

علماء و صلحاء کا مالداروں سے مستغنی رہنا اعزاز دین ہے اگر ریاءً بھی ہو تو ثواب سے خالی نہیں

ارشاد فرمایا کہ مالداروں سے علماء صلحاء کا اظہار استغناء دین کی اہم ضرورت ہے اسکے نہ ہونے کے سبب عام لوگوں میں نہ علماء کی بات کا کوئی اثر رہتا ہے نہ وہ ان سے استفادہ کرسکتے ہیں کیونکہ اپنا محتاج سمجھتے ہیں۔ اسلئے اگر کسی شخص کے دل میں اخلاص نہ ہو محض دکھلاوے اور ریاء کیلئے مالداروں سے استغناء کا اظہار کرے وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ ریاء کی وجہ سے اگرچہ اس کو اس عمل کا کوئی ثواب نہ ملیگا لیکن یہ عمل سبب آدمی ذریعہ ہوگا اعزاز دین کا۔ اسکا ثواب اسکو پھر بھی ملیگا۔ کیونکہ کسی عمل صالح کا تسبب اگر بلا نیت یا نیت فاسدہ سے بھی ہو تو تسبب کا ثواب ضائع نہیں ہوتا وہ پھر بھی ملتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کوئی درخت پھلدار لگایا اور پھر اُسکا پھل جانوروں نے کھایا تو اسکا ثواب بھی درخت لگانے والے کو ملیگا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ درخت لگانے کے وقت اُسکی یہ نیت نہ تھی کہ جانور اُسکا پھل کھائیں گے بلکہ اسکے خلاف کی نیت تھی کہ جانور پھل کھانے آئیگا تو یہ اسکو مار بھگائے گا۔ مگر چونکہ یہ شخص جانوروں کے فائدہ کا سبب بہر حال بن ہی گیا تو اُسکو اسکا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح ریاء کاری سے استغناء کرنے والے کو بھی اعزاز دین کا ثواب بطور تسبب کے ملیگا۔

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کی ایک حکیمانہ وصیت علماء صوفیہ طلباء سب کو یہ وصیت فرماتے تھے کہ جس کام میں لگے ہو وہ عبادت نماز دعاء کی ہو یا کتابوں کا مطالعہ یا درس تدریس

یا وعظ و پند سب میں اسکا اہتمام رکھیں کہ اس کام کا جتنا شوق و رغبت دل میں ہے اسکو ختم تک پہنچنے دیں بلکہ کچھ شوق و رغبت باقی ہو۔ اس وقت چھوڑ دیں۔ اسکا ثمرہ یہ ہوگا کہ پھر از سرنو شوق رغبت جلد پیدا ہوگی اور کام زیادہ ہوگا اور اگر کام کو شوق رغبت پورا کرنے اور تھکنے کے بعد چھوڑا تو دوبارہ اس کام کی رغبت و ہمت بہت دیر کے بعد عود کرے گی اسطرح کام میں نقصان آئیگا۔ جیسا اطباء کی متفقہ نصیحت یہ ہے کہ جب بھوک میں کھانا کھائے تو ابھی کچھ بھوک باقی ہو اس وقت کھانا چھوڑ دے کیونکہ ایسا کیا تو دوسرے وقت پھر جلد بھوک لگے گی اور اگر پہلے ہی وقت میں ڈٹ کر اتنا کھایا کہ بھوک پوری بھر گئی، اور رغبت باقی نہ رہی تو دوسرے وقت بھوک یا عود نہ کرے گی اور کیا بھی تو پوری بھوک نہ ہوگی۔

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب نے اس وصیت کو ایک محسوس مثال سے اسطرح ثابت فرمایا کہ بچوں کے کھیل کی چکٹی جسمیں ڈور لپٹی ہوتی ہے اور بچے اسکو اس ڈور پر گھماتے پھراتے ہیں یہ چکٹی پھر اسی ڈور پر لوٹ کر انکی طرف آجاتی ہے یہ سب کارروائی صرف اُس صورت میں ہوتی ہے جبکہ اس کی ڈور کو پورا کھلنے سے پہلے لوٹا یا جاوے ورنہ اگر پوری کھل گئی تو پھر اُسکے چڑھانے میں بہت دیر لگتی ہے۔

مدارس عربیہ اسلامیہ میں معاشی فنون کی تعلیم پر حضرت مولینا محمد یعقوبؒ کا ارشاد

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ زمانہ کے بعض عقلاء اور اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ ہم سے یہ کہتے ہیں کہ مدرسہ کی موجودہ تعلیم سے فارغ التحصیل طلباء کے معاش کا کوئی انتظام نہیں ہوتا اسلئے اسوقت تو یہ مدارس صرف اُن لوگوں کے کام کے ہیں جو آخرت کے دیوانے اور اس پر سب کچھ قربان کرنے والے ہیں۔ اگر ان مدارس میں کچھ تعلیم انگریزی کی یا صنعت وحرفت کی بھی جاری کر دیجائے تو یہ تعلیم سب مسلمانوں کے لیئے مفید ہو جائے۔

اس کے جواب میں حضرت مولینا نے فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا کہ دین و آخرت کے طلبگاروں کیلئے انتظام کر دیں اور ہم نے کر دیا۔ اب جس خدا کے بندہ کو توفیق ہو وہ اُنکے معاش کا بھی انتظام کرے۔ اسکے بعد فرمایا کہ تجربہ شاہد ہے کہ جب نقد اور اُدھار جمع ہوں تو ہر شخص نقد کو ترجیح دیتا ہے، اُدھار پر راضی نہیں ہوتا۔ اب سمجھ لیجئے کہ علم دینیہ اور تعلیم آخرت بمنزلہ اُدھار کے ہے اور فنون دنیویہ بمنزلہ نقد کے جب دونوں جمع ہونگے تو لوگوں کا میلان زیادہ نقد کیطرف ہوگا اور علوم دین و آخرت مؤخر بلکہ غیر مقصود

بنکر رہ جائیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ سبحان اللہ کس قدر متین اور انجام بینی کا جواب ہے یہ محض اس نور ایمان کا اثر ہے جو بزرگوں کی صحبت سے حق تعالیٰ نے انکے قلوب میں ڈالدیا تھا ورنہ ان بزرگوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ نہ تھا۔

متفرق انتظامی کام کاملین کی جمعیت خاطر کو برباد نہیں کرسکتے

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ ہونے والا تھا جسکے انتظام میں مدرسہ کا پورا عملہ لگا ہوا تھا۔ مگر میں نے مہتمم مدرسہ مولینا رفیع الدین صاحب کو دیکھا کہ نہایت اطمینان سے اپنے معمولات میں مشغول ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت پر اس وقتی انتظام اور اُسکے متفرق معاملات کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ جو عام لوگوں کی عادت کے خلاف ہے۔ حضرت مولینا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے فرمایا کہ یہ انتظام ہی کیا ہے اگر سلطنت کا انتظام ہمارے سپرد کردیا جائے تو اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ اسی شان سے اطمینان کیساتھ انجام دینگے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حقیقی تصوف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے کہ سب تعلقات کے حقوق ادا کیئے جائیں جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو عام لوگوں کی طرح گھر کے کام کاج میں لگے رہتے تھے لیکن اذان کی آواز سنتے تو اس طرح سبکو چھوڑ کر اُٹھ جاتے تھے کہ گویا آپ ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے سپرد دنیا کی خلافت و سلطنت ہوئی تو اسکے کاموں کو انھوں نے جس اطمینان سے انجام دیا ہے وہ ساری دنیا جانتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کاملین جن کا تعلق اور رابطہ حق تعالیٰ کیساتھ مضبوط اور راسخ ہوجاتا ہے پھر دنیا کے ہزار انتظامات کا تفرق و تشتت بھی اُنکے اطمینان اور جمعیت خاطر کو برباد نہیں کرسکتا۔ (۲ جمادی الاولیٰ ۵۸ھ)

یا محمد یا رسولؐ کی ندا پر ایک ارشاد

فرمایا کہ میرا ایک وعظ حیدرآباد دکن میں ہوا بضمن گفتگو یہ مسئلہ آگیا کہ یا محمدؐ، یا رسولؐ وغیرہ الفاظ سے ندا کرنا کیسا ہے تو میں نے کہا کہ قرآن کریم سورہ حجرات میں صحابہ کرام کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ آپ کے زمانہ حیات ظاہری میں جب آپ اپنے گھر میں موجود تھے اس وقت باہر سے آپکو آواز نہ دیں کہ یہ بے ادبی ہے تو جو لوگ ہندوستان سے حضور کو پکاریں یہ کیسے بے ادبی نہ ہوگی۔

ایک عجیب حکایت | ایک صاحب کشف بزرگ ایک بستی میں پہنچے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں ایک صراحی ایسی ہے جسمیں کسی موسم میں کسیوقت پانی ٹھنڈا نہیں ہوتا گرم ہی رہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ صراحی آج رات میرے پاس چھوڑ دو۔ لوگ صبح کو آئے تو صراحی انکے حوالہ کر دی اور فرمایا کہ اب دیکھو اسکا پانی ٹھنڈا ہے یا نہیں۔ دیکھا گیا تو پانی ٹھنڈا تھا۔ لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا کہ یہ صراحی ایک مُردہ کی مٹی سے بنی ہوئی تھی اور اس مُردہ کو برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اسکے عذاب کا اثر اس صراحی کی مٹی میں تھا۔ جب مجھے یہ منکشف ہوا تو میں نے اس مُردہ کیلئے دُعاء مغفرت کی حق تعالیٰ نے اُسکی مغفرت فرمادی اور وہ عذاب کا اثر جاتا رہا۔

حضرت نے فرمایا کہ بعض اوقات برزخ کے آثار عذاب کو حق تعالیٰ کسی حکمت و مصلحت سے اس عالم میں بھی ظاہر فرمادیتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں مصلحت یہ معلوم ہوئی کہ اس مردہ کو انکی دُعاء مغفرت سے فائدہ پہنچ گیا۔

تقلید و اجتہاد پر ایک حکیمانہ منصفانہ تقریر | فرمایا کہ ایک عالم غیر مقلد مگر غیر متعصب یہاں آئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ تقلید کا مدار حسنِ ظن پر ہے۔ جس شخص کے متعلق یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں کوئی بات بے دلیل شرعی کے نہیں کہتے اسکا اتباع کر لیا جاتا ہے اگرچہ وہ کوئی دلیل بھی مسئلہ کی بیان نہ کرے۔ اسیکا نام تقلید ہے۔ اور جس شخص کے متعلق یہ اعتقاد نہیں ہوتا وہ دلیل بھی بیان کرے تو شبہ رہتا ہے۔ دیکھئے حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں اور بعض رسائل مثلاً رسالہ مظالم میں محض احکام لکھتے ہیں کوئی دلیل نہیں لکھتے مگر غیر مقلد حضرات چونکہ انکے معتقد ہیں کہ وہ بے دلیل بات نہیں کرتے اسلئے اُنکی بات کو مانتے ہیں تو حنفیہ کو بھی یہ حق ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے بیان کئے ہوئے مسائل پر بناءِ اعتقاد عمل کر لیں کہ وہ کوئی بات بے دلیل نہیں فرمایا کرتے۔

پھر فرمایا کہ یہاں تک بات مُساوات کی تھی کہ جس طرح غیر مقلد حضرات ابن تیمیہؒ کی بات بے دلیل بھی مان لیتے ہیں۔ حنفیہ کو بھی یہی حق کیوں حاصل نہ ہو کہ وہ ابوحنیفہ کی بات بغیر دلیل کے محض حُسن ظن کی بناء پر مان لیں۔ مگر اب میں آگے بڑھتا ہوں اور ایک مثال سے یہ واضح کرتا ہوں کہ ابن تیمیہؒ کے اجتہاد اور امام اعظم ابوحنیفہ بلکہ اُنکے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں میں جو مجتہد ہوئے ہیں۔ انکے اجتہاد میں کیا فرق ہے۔ ابن تیمیہؒ نے کتاب مظالم میں لکھا ہے کہ اگر سلطان وقت کی طرف سے کوئی ظالمانہ ٹیکس اہل شہر

کے ذمہ عائد کر دیا جائے تو اُس سے اپنے آپکو بچانا مطلقاً جائز نہیں بلکہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی خاص رقم مجموعی طور پر معین نہ ہو تو جائز ہے اور اگر کوئی خاص معین رقم پورے شہر سے وصول کرنا ہے تو اس صورت میں اپنے آپکو اس سے بچانا جائز نہیں کیونکہ یہ بچ گیا تو اسکا حصہ بھی دوسرے مسلمانوں پر پڑ جائیگا وہ مزید ظلم میں مبتلا ہونگے اور یہ شخص اسکا سبب بنے گا۔

اسکے مقابلہ میں فقہا حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس ظلم سے جو بچ سکتا ہے اسکو بچ جانا مطلقاً جائز ہے اور اسکے بچ جانے سے جو زائد رقم دوسرے مسلمانوں پر پڑیگی اس کا سبب تو بیشک یہ ہوا مگر مباشر اس عملی ظلم کا وہ سلطان یا اسکا نائب ہے نہ کہ یہ شخص اور مباشر مختار کے ہوتے ہوئے سبب کی طرف فعل کی نسبت نہیں ہوتی۔ اسلیے صورت مذکورہ میں اس مزید ظلم کا گناہگار بھی وہی سلطان یا اُسکا نائب ہے جسکے حکم سے یہ وصول کیا گیا ہے۔ اب انصاف سے بتلائیے کہ اجتہاد کس کا زیادہ بہتر ہے۔ ان عالم صاحب نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا کہ بیشک ابن تیمیہ اس درجہ تو نہیں پہنچے۔

اسکے بعد حضرت نے فرمایا کہ حنفیہ کے اجتہاد کی دلیل میں ایک حدیث سے پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وددت ان اُقتل فی سبیل اللہ ثم احییٰ ثم اُقتل ثم اُحییٰ۔ — میری یہ تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ اور پھر قتل کیا جاؤں۔

اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقتول ہونے کی دعا کر رہے ہیں اور ظاہر ہے ہوگا کہ کوئی آپکا قاتل بنے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی کا قاتل اعلیٰ درجہ کا کافر اور جہنمی ہوگا۔ تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس دعا کی وجہ سے سبب ہوئے ایک شخص کے جہنمی ہونے کا اگر اسکو گناہ کہا جاوے تو یہ عصمت کے خلاف ہے سوائے اسکے اور کیا جواب ہو سکتا ہے کہ سبب کیطرف نسبت فعل اس وقت ہوتی ہے جب کوئی فاعل مختار مباشرت عمل کرنے والا نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے نفرت ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہم خود ایک غیر مقلد کے معتقد اور مقلد ہیں کیونکہ امام اعظم ابو حنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے۔ پھر فرمایا کہ مگر ان کی تقلید بوجہ خود مجتہد عام اہ ہونے کے جائز تھی۔ اب جاہل لوگ یا معمولی عربی جاننے والے اپنے آپکو

ابو حنیفہ پر قیاس کرکے تقلید نہ کریں تو یہ ان کی غلطی ہے۔

طلب جاہ کی مذمت ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ جاہ عند الخلق کی طلب تو مذموم و ناجائز ہے ہی جسکو سب جانتے ہیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ جاہ عند الخالق کی طلب بھی مذموم ہے مثلاً یہ خواہش کرے کہ میں درویش مقبول ہو جاؤں۔ کیونکہ جو لوگ اپنے کو درویش سمجھتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ہے۔ کوئی عمل بتلا دیجیے حضرتؒ نے فرمایا ماشاء اللہ آپ بڑا حوصلہ رکھتے ہیں ہم تو گنبد خضراء کی زیارت کی بھی قابلیت نہیں رکھتے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر طالبعلمانہ کلام کرو تو بہت سے شبہات ہیں لیکن جو چیز اسکا منشا تھی۔ یعنی کمال عبدیت وہ اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ نرا طالب کیا جانے سہ

ذوق وصال و شوق کنار آرزوی کیست   ماٸیم و خدف بوسی آن آستان بلب

کشف کوئی کمال انسانی نہیں فرمایا کہ کشف ایک ایسی چیز ہے کہ حیوانات کو بھی ہوتا ہے اور بعد مرنے کے کافروں کو بھی ہوگا تو یہ کوئی کمال انسانی نہیں اور فرمایا کہ اگر کمال ہو تو کمال خود مقصود انسانی نہیں بلکہ مقصود عبدیت ہے جو خود کمال کے منافی ہے۔

ترک لذات کو تقرب الی اللہ میں کوئی دخل نہیں فرمایا کہ بعض بزرگوں نے ترک لذات کیا ہے مگر محض معالجہ کے طور پر تقرب الی اللہ میں اسکو اصلاً دخل نہیں۔ تقرب محض سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے پیدا ہوتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہیں کہ آپ بالقصد ترک لذات نہ فرماتے تھے۔

اور آج کل تو معالجہ کے طور پر بھی ترک لذات کرنا مناسب نہیں کیونکہ قویٰ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ بلکہ آج کل تو اگر حلال مال بلا انہماک اور غلو فی الطلب کے ملجائے تو خوب کھانا چاہیے۔ البتہ پھر اس کا حق ادا کرے کہ غفلت میں نہ رہے۔ ذکر اللہ اور طاعات میں مشغول رہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

ان اللہ یحب ان تؤتی رخصہ کما یحب ان تؤتی عزائمہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ بھی پسند فرماتے ہیں کہ ان کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ اسکو پسند فرماتے ہیں۔

کہ اُنکی مقرر کردہ عزیمتوں پر عمل ہو۔"

اور فرمایا کہ تتبّع رُخص جسکو فقہاء علماء نے مذموم قرار دیا ہے وہ عام رخصتوں پر عمل نہیں بلکہ وہ رخصت جو نفس کی خواہش کے مطابق نصوص میں تاویل کر کے نکالی جائے۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو رخصتوں پر عمل کی مصالح کا بیان کیا ہے اس سے مقصود اہل تشدد کا علاج ہے۔ اسکو بیان کرتے ہوئے یہ بھی ڈر لگتا ہے کہ نفس سُوئی کا بہانہ نہ بلجائے۔

حضرتؒ کی تربیت و اصلاح کا خاص رنگ

ایک صاحب جو پہلے کسی دوسرے شیخ کی زیر تربیت میں تھے اور بہت شدید مجاہدات کی وجہ سے مثل مجنوں کے ہو گئے تھے۔ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے انکے حالات سننے کے بعد اُن کیلئے مناسب حال دستور العمل تجویز فرما دیا۔ وہ ایک روز کہنے لگے کہ میرے لطائف پہلے تاروں کی طرح چمکتے تھے اب یہ بات نہیں رہی آپ انھیں چمکا دیجئے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ضابطہ کا جواب تو یہ ہے کہ میرے لطائف خود نہیں چمکتے میں تمہارے کیسے چمکا دوں پھر فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی چیزیں اس طریق میں رہزنی ہے۔ جنکو لوگوں نے اس طریق کا مقصود بنا لیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شیخ کامل کسی کیلئے یہ تجویز کرے تو میں اُسکا انکار نہیں کرتا کہ یہ بھی مفید ہو سکتا ہے مگر جس شخص کیلئے اسکی مضرت ظاہر ہونے لگے۔ شیخ کامل کا فرض ہے کہ اسکو چھڑائے کیونکہ یہ چیزیں بھی حجاب ہیں مگر حجاب نورانی۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے حجاب نورانی بہ نسبت حجاب ظلمانی کے اشد ہوتے ہیں کیونکہ حجاب ظلمانی میں میلان اور کشش ہوتی ہے لوگ معتقد ہونے لگتے ہیں جو اس کیلئے رہزن طریق بنجاتے ہیں۔ (۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ)۔

حضرت مولٰینا محمد یعقوب صاحبؒ کے مکاشفات

ایک کشف جو بعینہٖ پورا ہوا

حضرتؒ کے مکاشفات اور پیش گوئیاں بہت معروف ہیں جو بالکل واضح طور پر صادق ہیں آپ کی عادت بھی مکاشفات کو چھپانے کی نہ تھی۔ انگریزی حکومت کے انقلاب کے متعلق آپکی یہ پیش گوئی عرصہ دراز سے معروف و مشہور تھی۔ (احقر جامع کے والد ماجد جو حضرت مولٰینا محمد یعقوبؒ صاحب کے شاگرد خاص تھے احقر نے ان سے بھی یہ پیشگوئی سنی تھی) کہ انگریزی حکومت ایسے موسم میں بدلے گی جب لوگ کچے آموں کی چٹنی

کھلتے ہونگے اور انقلاب ایسا اچانک ہوگا جیسے کوئی صف لپیٹ دی لوگ رات کو ایک حکومت میں سوئینگے اور صبح کو دوسری حکومت میں اٹھیں گے۔

حضرت مولینا کا یہ کشف اور پیشگوئی دیوبند میں بہت معروف و مشہور تھی مگر حالات اسکے بالکل برعکس یہ تھے کہ انگریزی حکومت کا شباب اور قوت ہر طرف نظر آتی تھی۔ ایک سال جب اپریل کے مہینہ میں صوبجاتی تقسیم اور ملکی وزارتوں کا قانون جدید پاس ہوا تو بہت سے لوگوں نے بطور تاویل کے اسکو حضرت کی پیش گوئی کا مصداق قرار دیا۔ مگر اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوپاکستان کی تقسیم کے وقت اسکا صحیح مصداق بالکل ہوبہو ظاہر ہوا۔ کیونکہ اس انقلاب کی قطعی تجویز اپریل ۱۹۴۷ء میں اُسوقت ہو چکی تھی جبکہ آم کے درختوں پر کچے آم آرہے تھے۔ پھر اسکی تکمیل ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی شب میں نصف شب بارہ بجے ہو کر پاکستان کی اسلامی سلطنت کا وجود عمل میں آیا۔ اور مسلمان جو بارہ بجے سو گئے تھے وہ انگریزی حکومت میں سوئے تھے اور صبح اسلامی حکومت میں اُٹھے۔

ایسی ہی ایک پیشگوئی دیوبند میں وباء عام کے متعلق فرمائی تھی۔ مولینا کو مکشوف ہوا کہ دیوبند پر ایک وباء عظیم آنیوالی ہے۔ مگر یہ ایام رمضان کے تھے رمضان کی برکت سے وبا رکی ہوئی ہے۔ رمضان کے بعد آنیوالی ہے اور اسکا یہ علاج بھی مکشوف ہوا کہ لوگ اپنی ہر چیز میں سے صدقہ کریں۔ نقد میں سے نقد کھانے پینے کی چیزوں میں وہ اور پہننے استعمال کرنے کی چیزوں میں ان کا کوئی جزء صدقہ کریں۔ ان بزرگوں کی شفقت اُمت پر عام ہوتی ہے۔ حضرت مولینا نے از روئے شفقت اسکا اعلان فرما دیا کہ سب لوگ صدقہ خیرات کا اسیطرح اہتمام کریں۔ مگر شامت اعمال سے دیوبند کے کسی رئیس نے مولینا کا یہ اعلان سنکر یہ کہدیا کہ ہاں مدرسہ میں کچھ چندہ کی ضرورت ہوئی ہوگی اسلئے یہ صدقہ کرنے کا فرمان جاری ہوا ہے۔ انکا یہ دل آزار کلمہ حضرت مولینا تک بھی پہنچ گیا۔ اس پر حضرت مولینا کو سخت رنج ہوا اور اسی رنج و ملال کے عالم میں آسمان کیطرف دیکھا۔ غیر شعوری طور پر آپکی زبان مبارک سے یہ کلمات باواز بلند بار بار جاری ہوئے "یعقوب اور یعقوب کا کنبہ اور سارا دیوبند" بلند آواز سے یہ کلمات بار بار کہنے کی آواز حضرت حاجی عابد حسین صاحب نے سنی جو دیوبند کے مشہور بزرگ اور بناء دارالعلوم کے شریک اور اسی چھتہ کی مسجد میں مقیم تھے، جسمیں مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کا قیام تھا۔ حاجی صاحب گھبرا کر مولینا کے قریب پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں رحم کیجئے۔ مولینا نے پوچھا کہ میں نے کیا کہا۔ حاجی صاحب نے وہ کلمات جو مولینا کی زبان سے

سننے تھے بیان کئے تو فرمایا کہ اب تو نکل گیا اب تو ایسا ہی ہوگا چنانچہ رمضان ختم ہوتے ہی دیوبند بھر میں شدید ہیضہ کی وبا پھیلی۔ دیوبند میں کوئی گھر اس سے سالم نہ رہا اور مولٰنا کے فرمانے کے مطابق خود ان کے کنبہ میں سے چودہ آدمیوں کا انتقال ہوا۔ اور خود حضرت مولٰنا کی بھی اس عرصہ میں وفات ہوئی۔

احقر جامع کہتا ہے کہ میرے والد ماجد مولٰنا محمد یٰسین صاحب نے اس وباء کے آنے سے پہلے ایک خواب میں یہ دیکھا تھا کہ کچھ لوگ بہت ڈراؤنی شکل وصورت والے قصبہ کے لوگوں کو انکے گھروں سے نکالنے اور گھروں کو خالی کراتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ والد مرحوم نے یہ خواب حضرت مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس چیز کا خطرہ تھا وہ پہنچ گئی پھر جب مولٰنا خود مریض ہو کر نانوتہ اپنے وطن تشریف لیجانے لگے تو والد سے فرمایا کہ بھائی ہماری مٹی لیجارہی ہے اور یہی تم سے آخری ملاقات ہے اور کچھ لوگ نوتانہ پہنچ بھی جائیں گے آپ نہ پہنچ سکو گے۔

ٹھیک ایسا ہی ہوا جسوقت شدت علالت کی خبر دیوبند پہنچی تو بہت سے حضرات نانوتہ چلے گئے مگر والد صاحب اسوقت سخت مرض میں مبتلا تھے سفر نہ کر سکے۔

حضرتؒ کی اپنے اساتذہ واکابر سے محبت وعقیدت

فرمایا کہ مجھے طبعی محبت تو مولٰنا محمد یعقوب صاحبؒ سے زیادہ ہے اور عقیدت حضرت مولٰنا گنگوہیؒ سے زیادہ ہے اور حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں حاضری کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ جب کبھی جانا ہوا تو بڑی شفقت فرماتے تھے۔

حضرت نانوتویؒ کا ایک ارشاد

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ نے مجھ سے فرمایا کہ پڑھنے سے زیادہ گُنّے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اس پر ایک حکایت نقل کی کہ ایک طالبعلم کو پوری ہدایہ حفظ یاد تھی اور اسکے دوسرے ساتھی کو حفظ نہ تھی۔ دیکھ کر مطالعہ کر لیتا تھا۔ ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس دوسرے طالبعلم نے مسئلہ بتلایا۔

حافظ ہدایہ نے اس سے پوچھا کہ یہ مسئلہ کہاں لکھا ہے۔ غیر حافظ نے کہا کہ ہدایہ میں ہے۔ حافظ ہدایہ نے انکار کیا کہ ہدایہ میں نہیں ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میں حافظ تو ہوں نہیں۔ کتاب منگادو تو میں نکالکر بتادونگا۔ کتاب آئی اور انھوں نے مسئلہ نکالا جو صراحۃً مذکور نہ تھا مگر ہدایہ کی عبارت سے بلزوم ذہنی مستفاد تھا یعنی عبارت کے مفہوم سے لازم آتا تھا۔ اب تو حافظ ہدایہ نے کہا کہ بھائی ہدایہ حفظ تو میں نے کی ہے

مگر سمجھا تم نے ہے۔

حضرت مولینا مدنی رحمہ اللہ کے متعلق ایک خواب اور حضرت کا جواب ایک بزرگ کے صاحبزادے نے ایک خواب دیکھا جسمیں حضرت مولینا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک ناگوار حالت ظاہر ہوتی ہے۔ لوگوں میں اسکا چرچا ہوا حضرت کے پاس بھی کسی نے خط میں لکھ بھیجا اور بعض لوگوں نے زبانی بھی تذکرہ کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ اوّل تو ہمارے خواب ہی کیا اور خواب بھی ہو تو وہ کوئی حجت نہیں اور جس چیز کو شریعت نے حجت نہیں قرار دیا۔ ہم اسکو کسی شخص کے متعلق بدظنی کا ذریعہ بنادیں تو بڑی بے انصافی ہے مسائل سیاسیہ میں حضرت، کو مولینا مدنی کا طرز عمل پسند نہ تھا مگر خلاف و اختلاف کی حدود ہمیشہ متحضر تھیں اسلئے فرمایا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولو علی انفسکم۔

پھر فرمایا کہ یہ تو خواب کی باتیں ہیں جنمیں کوئی حجت نہیں۔ میں تو وہ واقعات اور حالات جنکا بُرا ہونا میرے نزدیک دلائل شرعیہ سے ثابت ہیں اُنکا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ ایسے حالات کے تذکرہ میں اپنا حظِ نفس اور دوسری جانب شماتت کا خطرہ پیشِ نظر رہتا ہے۔ جسپر حدیث میں شدید وعید آئی ہے۔

لا تظھر الشماتۃ لاخیک فیرحمہ اللہ و یبتلیک۔ اپنے کسی بھائی کے عیب پر شماتت (خوشی) کا اظہار نہ کرو کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ اُسپر رحمت فرمادے اور تجھے اسی عیب میں مبتلا کردے۔

پھر فرمایا ہم دوسروں کے عیب و صواب کو کیا دیکھیں جبکہ اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ انجام کیا ہونے والا ہے بہت ڈر لگتا ہے۔ حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے نجات عطا فرماویں تو بیڑا پار ہو ؎

گر رشک برد فرشتہ بر پاکی ما — گر خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم — احسنت برین چستی و چالاکی ما

اللہ کی نعمتوں کی قدر شناسی ہر چھوٹی بڑی نعمتوں کی حفاظت حضرت ہر کسی ادنیٰ سی مفید چیز کو ضائع نہ کرتے تھے۔ ڈاک میں آئے ہوئے سفید کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور ستلی کے ٹکڑوں کو بھی جمع کر لیتے ہیں۔ کاغذ

کے چھوٹے ٹکڑے تعویذات اور روزمرہ کی ضرورت کی پرچیاں لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں کام آتے تھے کچھ بڑے کاغذ ہوئے تو انھیں سیکر کاپی یادداشت وغیرہ لکھنے کی بنالی جاتی ہے۔

کل ایک ایسی ہی کاپی بنائی جسمیں اوراق کچھ چھوٹے بڑے آگے پیچھے تھے اسوقت تو رکھدیا۔ آج فرمایا کہ بار بار قلب میں تقاضا ہوتا تھا کہ ان اوراق کو کاٹ کر برابر کردوں پھر میں اسکو دفع کرتا تھا کہ فضول کام ہے لیکن یہ تقاضا بار بار ہوتا ہی رہا یہانتک کہ اٹھا کر اوراق کاٹ دیئے کیونکہ خواہ مخواہ قلب مشوش ہوتا تھا۔

پھر فرمایا کہ طبیعت کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بے ڈھنگی چیز سے وحشت ہوتی ہے۔

ایک خواب اور تعبیر

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب نے اپنا خواب بیان کیا کہ ہمارے فلاں بزرگ کو دیکھا کہ بالکل ننگے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تجرّد عن الدُّنیا (ترکِ دنیا) کی طرف اشارہ ہے پھر فرمایا کہ ایسے خواب عام مجلس میں بیان نہ کرنا چاہیے معلوم نہیں کہ سننے والوں نے کیا کیا سمجھا ہوگا۔

ایک سالک نے اپنا خواب حضرت حاجی صاحبؒ سے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں مسجد کے اندر پاخانہ کررہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کوئی وظیفہ دنیاوی غرض سے مسجد میں بیٹھ کر پڑھتے ہو گے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ واقعہ ایسا ہی تھا۔

ظالم حکام کیساتھ عدل و اعتدال کا معاملہ

فرمایا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس رنگ میں پایا ہے۔ کہ ظالم حکام کیساتھ بھی بے تمیزی اور تشدد سے پیش نہ آتے تھے بلکہ معمول یہ تھا کہ ؎

ناکسانے راکہ بینی بختیار — عاقلاں تسلیم کردند اختیار

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کا کفار خصوصاً انگریزوں سے بغض معروف و مشہور تھا لیکن ایک مرتبہ مدرسہ میں ایک انگریزی کلکٹر نے اپنے آنے کی اطلاع بھیجی۔ مولینا نے اسکی حیثیت کے موافق انتظام فرمایا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے مولینا سے دریافت کیا کہ اگر وہ آیا تو آپ کیا کریں گے۔ فرمایا کہ مدرسہ کھلائیں گے۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ اگر وہ مدرسہ کے معاملے میں کوئی مشورہ دے تو آپ کیا فرمائیں گے۔ فرمایا کہ ہم کہدیں گے کہ اسمیں ہم خود مختار نہیں بلکہ یہاں مدار ایک مجلس کی رائے پر ہے آپ کا مشورہ ہم اپنی مجلس میں پیش کر دینگے۔ سب نے قبول کرلیا تو عمل کریں گے ورنہ معذور ہیں۔ پھر پوچھا کہ اگر وہ کوئی چندہ دے تو کیا کیا جاویگا؟

فرمایا کہ قبول کرینگے پھر بھنگیوں کی تنخواہوں میں خرچ کر دینگے۔

ایک مرتبہ مظفر نگر کا کلکٹر تھانہ بھون آیا تھا۔ بلا اطلاع خانقاہ کے دروازے تک آیا حضرت کو اطلاع دی تو حضرت اٹھکر دروازہ پر تشریف لیگئے۔ کھڑے کھڑے بات کی مدرسہ کا مختصر حال پوچھا وہ بتلا دیا حضرت نے ان سے فرمایا کہ اگر آپ بیٹھیں تو آپکے لئے کرسی منگا دوں گا مگر اس نے کہا کہ اسوقت فرصت نہیں۔ پھر دروازہ ہی سے واپس ہو گیا۔ اور واپسی پر اپنے ساتھ کے لوگوں سے کہا کہ واقعی بزرگ آدمی ہیں مجھپر ان کی خاص ہیبت اور رعب طاری ہو گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک ڈپٹی صاحب نے اطلاع بھیجی کہ ہم مدرسہ کا معاینہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؒ نے انکی نشست کا انتظام کرسیوں پر مدرسہ سے باہر ایک مکان میں کر دیا اور انکی مہمانی کا بھی وہیں انتظام کیا۔ اور خود قصبہ رامپور تشریف لیگئے۔ یہاں لوگوں سے فرمادیا کہ وہ آویں تو مہمان کے اکرام کا لحاظ رکھکر مدرسہ کا معاینہ کرا دیں۔ کوئی بات خلاف تہذیب نہ ہو۔

مگر حضرت کا دل یہ چاہتا تھا کہ وہ نہ آویں۔ اور دعا بھی کی۔ خدا کی قدرت کہ عجیب قصہ پیش آیا کہ وہ ڈپٹی صاحب تھانہ بھون پہنچے اور مدرسہ تک بھی آئے دروازے پر کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر واپس چلدیئے۔

بدگوئی کرنیوالوں کا علاج

فرمایا کہ میں نے تو اپنے دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ کوئی شخص تمہارے سامنے کوئی ناگوار بات کہے تو اتنا کہنے پر بس کرو کہ بھائی ہمارے سامنے نہ کہو۔ یوں آپکو اختیار ہے۔ اس سے ناگواری کا اظہار بھی ہو جاویگا اور بات بھی نہ بڑھیگی۔

(۷ رجمادی الاولی ۱۳۵۸ھ)

حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ اور فن موسیقی

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحبؒ ابتداء عمر میں مدت تک سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر رہے ہیں بہت عرصہ کے بعد علوم کا درس شروع فرمایا۔ مگر استعداد اور حافظہ ایسا تھا کہ مدت دراز تک شغل نہ رکھنے کے باوجود علوم فنون سب مستحضر تھے جب علوم عربیہ کا درس شروع کیا تو اسکی محققانہ شان سب علماء کے نزدیک مسلم تھی۔

اسی ڈپٹی انسپکٹری کے زمانہ میں آپکا تقرر اجمیر شریف میں ہو گیا وہاں ایک سرکاری عہدہ دار شریف آدمی فن موسیقی کے ماہر تھے۔ اور مولینا کو فن کی حیثیت سے ہر فن کو سمجھنے کا ذوق تھا انھوں نے یہ فن

مولینا کو بھی سکھا دیا اور مولینا کبھی کبھی اسکا شغل بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے اسمیں مشغول تھے نیچے ایک مجذوب آکر کھڑے ہوگئے جب کچھ آواز بلند ہوئی تو پکار کر کہا کہ مولوی تو اس کام کا نہیں تو تو اَور کام کیلئے ہے۔ یہ سنتے ہی مولینا پر ایک خاص حال طاری ہوا اور فوراً توبہ کی اور ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیا۔ اگرچہ نکہ حق تعالیٰ نے ذہن کامل عطا فرمایا تھا۔ اس فن میں بھی پوری مہارت ہوگئی تھی۔

احقر جامع کہتا ہے کہ میرے والد ماجد کا بیان ہے کہ دیوبند میں ایک مرتبہ مولینا کے محلہ میں قوالی ہو رہی تھی۔ مولینا گھر سے مسجد کیلئے آرہے تھے۔ کان میں آواز پڑی تو فرمایا کہ یہ قوال چال چوک گیا ہے پھر فرمایا کہ مگر واقف ہے۔ درست کرنے کی فکر میں ہے پھر فرمایا کہ اب درست کرنا اسکے بس میں نہیں رہا۔

حضرت مولینا محمد یعقوبؒ کو امتیاز سے نفرت تھی یہ مذاق تھا کہ سب میں رلے ملے رہیں۔ ایک روز فرمایا کہ کیا کہوں دو حرف علم کی وجہ سے شہرت ہوگئی ورنہ میں تو کسی اور ہی طرح زندگی گذارتا۔ (یعنی گمنامی میں)

حضرت مولینا نانوتویؒ نے انکے متعلق فرمایا کہ ہر شخص میں کچھ نہ کچھ روگ ہوتا ہے جسکی اصلاح مجاہدات کے ذریعہ کیجاتی ہے۔ مگر مولینا محمد یعقوب صاحبؒ خلقتاً بے روگ پیدا ہوئے ہیں۔ مولینا کے ہمعصر لوگ کہتے تھے کہ مولینا بچپن ہی سے بالکل عفیف تھے۔ (۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ)

حضرت مولینا محمد قاسم و مولینا محمد یعقوبؒ

ریاست بھوپال میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی اور چاہا کہ حضرت مولینا محمد قاسمؒ کو اسکا مہتمم اور مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کو صدر مدرس بنا دیں۔ مولینا نانوتوی کی تنخواہ تین سو روپیہ اور مولینا محمد یعقوب صاحبؒ کی تنخواہ ڈیڑھ سو ماہوار تجویز کرکے اُن سے درخواست کی گئی۔ دونوں میں سے کسی کا ارادہ یہاں جانے کا نہ ہوا۔ مولینا محمد قاسم نانوتویؒ نے تو یہ جواب لکھ دیا کہ میں اسوقت مطبع مجتبائی میں تصحیح کی خدمت انجام دیتا ہوں جسپر مجھے دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے جو میری ضرورت سے زائد ہے۔ پانچ روپے میں میرا مع اہل و عیال کے خرچ پورا ہوجاتا ہے۔ باقی پانچ کی فکر رہتی ہے کہ انھیں کہاں خرچ کروں۔ خدا تعالیٰ ان طالبعلموں کا بھلا کرے کہ یہ میرے اس فکر کی کفالت کر لیتے ہیں ان پر خرچ کرکے میں سبکدوش ہوجاتا ہوں۔ آپنے تین سو تنخواہ لکھی ہے اگر میں اسکو قبول کرلوں تو دو سو پچانوے کی فکر میرے سر پڑے گی۔ یہ میرے لئے بالکل ناقابلِ تحمل ہے۔ مولینا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ سنکر فرمایا کہ بات جو لکھنے کی تھی وہ تو آپنے لکھدی اب میں کیا لکھوں؟ فرمایا کہ پھر میں یہ لکھتا ہوں کہ میں اس شرط سے آتا ہوں کہ تین سو ماہوار تنخواہ ہوگی۔

اور کوئی پابندی مجھ پر عائد نہ ہوگی جب جی چاہے ہوگا میں اپنے وطن آجایا کرونگا۔ دونوں کی یہ تحریریں پہنچی تو اُن سے یہی سمجھا گیا کہ لکھنے والوں کا مقصود تھا کہ یہ آنے کیلئے تیار نہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اہل حدیث میں سے تھے مگر مدرسہ کیلئے ان بزرگوں کو باوجود اختلاف مسلک کے دعوت دینا اُنکی حق شناسی فراخ حوصلگی کی اور ان حضرات کی مقبولیت کی علامت ہے۔

ارشاد فرمایا کہ پھٹے پیوند زدہ کپڑے، ٹوٹے جوتے میرے نزدیک ہرگز ذلت نہیں۔ ہاں ذلت یہ ہے کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے، خواہ ظاہراً یا باطناً کیونکہ بعض اوقات ظاہراً سوال نہیں کیا جاتا مگر دل میں سوال ہوتا ہے تو اُسکا بھی اثر پڑتا ہے۔ حق تعالیٰ تو دلوں کے بھید اور اسرار پر مطلع ہیں وہ دلی سوال کا بھی وہی اثر مرتب فرما دیتے ہیں جو ظاہری سوال کا ہوتا ہے یعنی مخاطب کے نزدیک ذلت و خواری۔

۵ ربیع الثانی سے ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ تک مجالس حکیم الامت کے اقتباسات اپنے حوصلہ اور فہم کے مطابق احقر نے جمع کئے تھے اس زمانے میں ملک میں عنایت اللہ مشرقی کی ملحدانہ کتابوں کی وجہ سے بڑا انتشار پھیلا ہوا تھا۔ اسلئے حضرت نے ارادہ فرمایا کہ اُنکی سب کتابیں انصاف کے ساتھ دیکھ کر اُن کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا جائے اور مسلمانوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے۔ یہ خدمت اس ناکارہ کے سپرد کی گئی۔ بحمداللہ ۱۸ جمادی الاولیٰ تک ۹ دن میں اس موضوع پر تحقیق و تفتیش کے بعد ایک رسالہ مرتب ہوگیا جسکا نام حضرتؒ نے یہ تجویز فرمایا۔ الارشاد فی بعض احکام الالحاد اسی زمانہ میں بحمداللہ یہ رسالہ شائع بھی ہوگیا۔

اس چالیس روزہ حاضری میں جو ملفوظات مجالس حکیم الامت احقر نے ضبط کئے تھے انکا کچھ حصہ پہلے بھی البلاغ میں شائع ہو چکا ہے باقی یہاں یکجا کر دئیے گئے ہیں اور ۵۷ھ کے بعد ۵۹-۶۰-۶۱-۶۲ھ کے ملفوظات جو متفرق اوقات میں لکھے گئے وہ بھی پہلے درج ہو چکے ہیں۔ چونکہ ملفوظات میں تاریخی ترتیب کی کوئی خاص حاجت نہ تھی اسلئے ابتداءً اشاعت کے وقت یہ ترتیب محفوظ نہ رہی۔ تاریخی اعتبار سے اشاعت میں تقدیم تاخیر ہوگئی تاہم بہت سے مواقع میں تاریخ کا اظہار کر دیا گیا ہے۔

احقر کے پاس جو ضبط شدہ ملفوظات حکیم الامت قدس سرہ کا مختصر سا ذخیرہ مسودات کی شکل میں تھا۔ بحمداللہ اسکا ضروری انتخاب ہے کہ یہ مجموعہ آج پورا ہوگیا۔ جس سے اس مجلس مبارک کا دھندلا سا نقشہ کچھ سامنے آجاتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا نقشہ کھینچنا ہمارے بس کی بات نہیں۔

۵؎ دیکھا تھا بس اک خواب سا معلوم نہیں کیا!
اب تک اثرِ خواب ہے معلوم نہیں کیوں!

ﷲ الحمد اولہ وآخرہ وظاھرہ وباطنہ واسألہ التوفیق لمحابہ
من الاعمال وصدق التوکل علیہ وحسن الظن بہ۔ وصلی
اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ محمد
وآلہ وصحبہ اجمعین وسلم
تسلیماً کثیراً
کثیراً۔

بندہ
محمد شفیع خادم دارالعلوم کراچی (پاکستان)
یوم السبت ۱۲ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

